ٹیپو شہید

ناول

انگریز سامراج کے سامنے شمعِ حریت فروزاں کرنے والے عظیم جرنیل کی داستان

قیسی رام پوری

ناول کیلئے ون اردو کے شکر گزار ہیں

ٹیپو شہید (ناول)

انگریز سامراج کے سامنے شمعِ حریت فروزاں کرنے والے عظیم جرنیل کی داستان

مصنف: قیسی رام پوری

ONE URDU FORUM . COM
® SCANNED PDF By HAMEEDI

العصر پبلیکیشنز
5۔شوکت پلازہ، 16-B، ٹیمپل روڈ، صفانوالہ چوک
لاہور۔ 042-7005287
alasrpublications@yahoo.com

ناول کیلئے ون اردو کے شکر گزار ہیں

کتاب کا نام : ٹیپو شہید (ناول)
مصنف : قیسی رام پوری
ناشر : **العصر پبلیکیشنز**
5 شوکت پلازہ، B-16 ٹیمپل روڈ،
صفانوالہ چوک، لاہور 042-7005287
اہتمام : ایم جمیل انجم
پرنٹرز : زین نعمان پرنٹرز، 042-7112194
سال اشاعت : نومبر 2007ء
قیمت : **250** روپے

ONE URDU FORUM . COM
® SCANNED PDF By HAMEEDI

باب نمبر 1

مہاراجہ میسور کا سنگاسن آج خالی پڑا تھا۔ کیونکہ وہ آج دربار میں نہیں آیا تھا ویسے بھی اس کو امورِ ریاست سے برائے نام دلچسپی تھی۔ اس کے علاوہ تدبر و انصرام سلطنت کا سلیقہ بھی اسے نہیں آتا تھا۔ یا تو سیر و شکار میں وقت ضائع کرتا تھا یا داسیوں کی صحبت میں بیشتر مگن رہتا تھا۔ اس کی اس بدمزگی کا راز دراصل یہ تھا کہ قدرت نے اس کو اب تک کوئی اولادِ نرینہ عطا نہیں کی تھی۔ بس اس غم میں وہ رات دن مبتلا رہتا تھا اور انہی تفکرات کی وجہ سے اس کا دل ریاست کے کاموں میں نہیں لگتا تھا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ریاست میں بہت ضعف پیدا ہو گیا تھا اور اس کا وزیر نندراج ریاست کے تمام امور میں دخیل ہو گیا تھا۔

اول تو اس زمانہ میں ریاست میسور بہت ہی چھوٹی سی تھی بس یہ سمجھ لیجئے کہ اس کا کل رقبہ تینتیس ۳۳ دیہات پر مشتمل تھا۔ یوں کہنا چاہیے کہ ریاست کیا تھی ایک پرگنہ کہہ لیجئے۔ دوم اس کی آبادی و پیداوار وغیرہ بھی اسی تناسب سے بہت محدود تھی۔ لیکن جب اسی مختصر ریاست کو حیدر علی جیسے تدبر آشنا اور زبردست حکمران نے سنبھالا تو اپنی قوت بازو سے اس کا رقبہ اسی ۸۰ ہزار مربع میل تک پھیلا دیا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ حیدر علی جیسا اعلیٰ درجہ کا سپاہی، قابل ترین جنرل اور مدبر و بیدار مغز حکمران دنیا نے بہت کم پیدا کیا ہوگا۔

موجودہ ریاست میسور کا رقبہ تقریباً انتیس ہزار چار سو مربع میل ہے۔ یعنی زوال سلطنت خداداد کے بعد اسی ہزار سے صرف انتیس ہزار رہ گیا۔ بہرنوع راجہ میسور کے زمانہ میں تو میسور ایک برائے نام ریاست تھی جس کو ۳۳ گاؤں کا مجموعہ کہنا چاہیے۔ دکن والے حیدر علی کے اس احسان سے کبھی سبکدوش نہیں ہو سکتے کہ اس نے سرنگاپٹم میں سلطنت خداداد جیسی توسیع و خوشحال ریاست قائم کی جس کو افسوس خود دکن والوں اور مسلم کش و غدار نظام نے دشمنانِ وطن سے مل کر ختم کر دیا۔

کرشنا راجہ (حیدر علی کا آقا) نہ صرف احمق تھا بلکہ اپنی طرح دوسرے لوگوں کو بھی

بیوقوف سمجھتا تھا۔ جب وہ آج دربار میں نہیں پہنچا تو وزیر سلطنت نندراج نے بازیابی کی اجازت چاہی۔ واسی نے آکر اطلاع کی مگر راجہ نے کہہ دیا کہ آج وہ کسی سے نہیں ملنا چاہتا۔ اسی اثنا میں رانی لکشمی بناؤ سنگھار کے لئے چھم چھم کرتی آئی اور اپنے پتی کے پاس آ بیٹھی۔

''کیا بات ہے سوامی آج اداس کیوں ہو''؟ اس نے دلربائی سے پوچھا۔

''میرے غم سے تم واقف ہو لکشمی پھر بھی پوچھتی ہو''۔ راجہ نے تلخی سے کہا۔

''نجانے کیا غم آپ نے لگا رکھے ہیں۔ میں تو یہ دیکھتی ہوں کہ آپ کبھی سیدھے منہ بات نہیں کرتے''۔ رانی نے کہا۔

''جب تک تم مجھے بیٹا نہیں دو گی میں تم سے خوش نہیں ہو سکتا''۔ راجہ نے کہا۔

رانی ہنسنے لگی پھر بولی۔

''لیجئے یہ میرے اختیار میں ہے یا آپ کے۔ ایسا کیجئے کہ بہت سا دان دیجئے۔ لگان معاف کر دیجئے۔ لوگوں کی آتما کو خوش کیجئے''۔

کنویں میں ڈالو سب کو، ''مجھے کون خوش کرتا ہے کہ میں کسی کو خوش کروں''۔ راجہ نے تلخی سے کہا۔

''ہم کوئی لڑکا گود کیوں نہ لے لیں''۔ رانی نے کہا۔

''میں نے تو کوشش کی تھی مگر نندراج نے انکار کر دیا۔ میں اس نندراج سے تنگ آ گیا ہوں۔ آہستہ آہستہ اس نے تمام ریاست پر قبضہ کر لیا ہے۔ اور اب مجھے بالکل بیدخل کر چھوڑا ہے''۔ راجہ نے کہا۔

''نندراج جی برے ہوں یا بھلے مگر میں آپ کے نائیک حیدر علی سے ڈرتی ہوں۔'' رانی نے کہا۔

''نائیک حیدر علی بڑا ہوشیار آدمی ہے۔ میں تو کہتا ہوں کہ اگر اس جیسا سمجھدار آدمی ریاست کو سنبھال لے تو وہ ملک میں بہت سے بھلائی کے کام کر سکتا ہے''۔ راجہ نے کہا۔

وہ دنیا میں صرف حیدر علی ہی کی فراست کا قائل تھا۔

''آپ نے اس کے بہت حوصلہ بڑھا دیئے ہیں۔ معمولی سپاہی سے اس کو کہاں سے کہاں پہنچا دیا۔ نہ اس کی ذات کا پتہ ہے نہ گوت کا۔''

''وہ عربوں کے ایک شریف گھرانے کا لڑکا ہے۔ رہا اس کی ترقی کا راز تو اگر اس

ONE URDU FORUM . COM
® SCANNED PDF By HAMEEDI

جیسا سورما میری فوج کا سینا پتی (سپہ سالار) نہ ہوتا تو مرہٹے اور انگریز ہماری ریاست کو اب تک ہضم کر جاتے''۔ راجہ نے کہا۔

''مگر دیکھ لینا۔ ادھر بھگوان نہ کرے آپ کی آنکھیں بند ہوئیں نہیں کہ ادھر اس نے ہاتھ پیر نکالے نہیں''۔ رانی نے کہا۔

''میں جانتا ہوں کہ وہ جو کچھ کرے گا ریاست کے بھلے ہی کے کارن کرے گا۔ وہ بڑا دیش بھگت (محبِّ وطن) ہے مجھے تو نندراج کا بھروسہ نہیں''۔ راجہ نے کہا۔

''نندراج ہندو تو ہے۔ حیدر علی تو مسلمان ہے''۔ رانی نے کہا۔ ''اگر حیدر علی ریاست پر چھا گیا تو میسور میں ہندو راج ختم ہو جائے گا''۔

''مسلمانوں کو ہندوؤں سے اچھا راج کرنا آتا ہے لکشمی۔ اب دہلی کے مغلوں کو لو، ہمایوں سے لیکر اورنگ زیب تک ہندوستان میں کتنی اعلیٰ درجہ کی حکومت کی انہوں نے۔'' راجہ نے جواب دیا اور رانی چپ ہو گئی۔

''اگر حیدر علی شریف خاندان سے ہے تو لوگ اسے نائیک کیوں کہتے ہیں''۔ رانی نے پھر وہی حیدر علی کا قصہ چھیڑتے ہوئے کہا۔ دراصل رانی حیدر علی سے یوں جلتی تھی کہ اس کے ہوتے ہوئے وہ میسور کے دشمنوں سے ساز باز نہیں کر سکتی تھی۔ راجہ تو خیر امورِ سلطنت سے غافل تھا ہی مگر اس کی رانی بھی وطن دوست نہیں تھی۔ بلکہ وہ یہ چاہتی تھی کہ کسی دوسری حکومت سے مل کر اپنا کام چلائے چاہے اس کوشش میں وطن کو کوئی کچل ہی ڈالے۔ حیدر علی جیسا فدائے ملک اس کا کب متحمل ہو سکتا تھا۔

''تم بھی پاگل ہو لکشمی۔ نائیک کیا کسی کی ذات ہوتی ہے۔ حیدر علی کو نائیک تو میں نے بنایا ہے اور نائیک سینا پتی کو کہتے ہیں۔ یہ فوج میں سب سے بڑا عہدہ ہے''۔

آخر راجہ نے مسکرا کر جواب دیا۔

''تو کیا حیدر علی نندراج جی سے بھی عہدے میں بڑا ہے''؟ رانی نے پوچھا۔

''نہیں۔ نندراج وزیر ہے اور وزیر کا عہدہ سب سے بڑا ہوتا ہے''

''میں تو مسلمانوں سے نفرت کرتی ہوں''۔ رانی نے کہا۔

''اپنی ریاست میں ہیں ہی کتنے مسلمان دو سو فیصدی سے زیادہ نہیں..... ہوں گے۔ اور جو ہیں وہ سب برے حال میں ہیں۔ جاہل، غریب اور بیکار پڑا رہنے دو انہیں ہمارا کیا لیتے ہیں۔ راجہ نے کہا اور مسلمانوں کے متعلق اس کے یہ الفاظ صداقت پر مبنی

تھے۔حقیقتاً نواب حیدر علی کے عروج اور سلطان ٹیپو کی سلطنت خداداد کی نمو سے قبل میسور کا مسلمان بہت ہی پسماندہ اور واژوں بخت تھا۔تمام ریاست میں شاید ایک بھی مسجد نہیں تھی۔مدارس وتعلیم گاہ کا تو کیا ذکر۔ پھر نہ کوئی معاش تھا اور نہ روزگار۔ مسلمان اِکّے دُکّے فوج میں پست کاموں پر مامور نظر آجاتے تھے۔

ورنہ سرزمین میسور مسلم پر سخت تنگ تھی۔

یہ خدا کا فضل ہی تھا کہ اس نے میسور میں سلطان حیدر علی اور اس کے بعد اس کے لائق فرزند سلطان ٹیپو کو جنم دیا جن کی وجہ سے آج تک ریاست میسور وغیرہ میں بیس بائیس فیصد سے زیادہ مسلمان نظر آتے ہیں آج وہاں ان دونوں مسلمان سلاطین کی یادگار کے طور پر شاندار مساجد ہیں۔مدرسے ہیں۔افسوس مسلمانوں کا نایاب کتب خانہ کچھ مرہٹوں نے تباہ کردیا۔باقی حصہ انگریز لے گئے۔ورنہ میسور میں سلطان ٹیپو نے ایسا منتخب کتب خانہ قائم کیا تھا کہ اس کا جواب اس زمانہ میں کہیں نظر نہیں آتا تھا۔

نواب حیدر علی اور سلطان ٹیپو کے عہد سے قبل ایک میسور ہی میں نہیں بلکہ تقریباً تمام دکن میں مسلمان زبوں حال تھا۔حالانکہ بہمنی سلطنت، احمد نگر، گولکنڈہ، بیجاپور، حیدرآباد وغیرہ میں مسلمان حکمران تھے۔مگر انہوں نے کبھی اپنے بھائیوں کی خوشحالی اور بہتری کے لئے کچھ نہیں کیا۔اس کے برعکس یا تو آس پاس کے قومی ہندو راجاؤں سے اپنی کمزوری کی وجہ سے دبے رہے یا دشمنان اسلام سے مل کر خود مسلمانوں کی جڑ کاٹتے رہے اس فعل شنیع میں حیدرآباد کے نظام الملک کا ہاتھ ہمیشہ پیش پیش رہا۔اس نے دیندار خدا پرست اور فدائے وطن ٹیپو کو ایک لمحہ چین کا بسر کرنے نہیں دیا۔ بلکہ اس کو اور اس کے ساتھ تمام مسلمانوں کو تباہ کرنے کے لئے وہ کبھی تو مرہٹوں کو مسلمانوں پر لا چڑھاتا، کبھی انگریزوں کو۔ نظام الملک کی اسلام سے یہ غداری ایسی ہے کہ تاریخ کبھی اس کو معاف نہیں کرے گی۔

''اچھا ایسا کرو کہ تھوڑے دن کے لئے کہیں باہر چلے چلیں''۔رانی نے کچھ وقفہ کے بعد کہا۔

''مگر میں میسور کو نہیں چھوڑ سکتا۔ادھر میں نے پیٹھ موڑی ادھر نندراج نے قبضہ جمایا۔'' راجہ نے جواب دیا۔

''آپ کا خیال ہے۔نندراج آخر اپنا ہی آدمی ہے۔مگر آپ اس سے اتنا ہی ڈرتے ہیں تو اس کو قید کیوں نہیں کردیتے''۔

ONE URDU FORUM . COM
® SCANNED PDF By HAMEEDI

''اس سے تو اور بدامنی پھیل جائے گی اور حیدر علی بھی بگڑ جائے گا کیونکہ وہ نندراج کو بہت چاہتا ہے اور نندراج بھی اس کی بڑی قدر کرتا ہے''۔

''بس تو یہ دونوں مل کر آپ سے ریاست چھین لیں گے اور آپ بیٹھے ہوئے بیٹے کے خواب دیکھتے رہ جائیں گے''۔رانی نے جل کر کہا راجہ کرشنا خاموش ہوگیا۔

''آپ ترمک راؤ کو خط کیوں نہ لکھیں کہ وہ ہماری حفاظت کے لیے مرہٹوں کی فوج بھیج دے''۔رانی نے راجہ کرشنا کو خاموش پا کر کہا۔

''کیا تم ترمک راؤ کو اتنا اچھا آدمی سمجھتی ہو کہ وہ ہمارے کام آئے گا۔مرہٹے بڑے مطلب پرست ہیں۔سب سے پہلا مطالبہ وہ ہم سے یہی کریں گے کہ آٹھ دس لاکھ روپے دو اور اپنی ریاست کے پانچ چھ گاؤں ان کے حوالے کرو۔اتنا روپیہ کس کے پاس ہے اور اگر میں اپنے گاؤں دے دوں گا تو میرے پاس بچے گا کیا''۔راجہ نے کہا۔

''تو بس آپ حیدر علی سے آس لگائے بیٹھے رہیں کہ وہ آپ کے لئے سب کچھ کرے''۔رانی نے کہا۔

''مجھے امید ہے کہ حیدر علی کچھ کرسکتا ہے۔مگر افسوس نہ تو ہمارے پاس روپیہ ہے نہ فوج''۔راجہ مایوسی سے بولا۔

لیکن اس کی یہ مایوسی دو تین سال بعد حیدر علی جیسے شجاع والوالعزم جنرل نے مٹادی۔اس نے ایک سال کے اندر اندر اتنی فوج اکٹھی کرلی کہ وہ میسور کی حفاظت کو کافی تھی۔ اسی طرح مرہٹوں کی لوٹ مار کرکے ان سے بھی بہت سا مال وزر چھین کر اپنی ریاست کے خزانے میں جمع کردیا۔مرہٹے علاقہ میسور میں لوٹ مار قتل وغارت گری کرتے رہتے تھے۔حیدر علی نے اپنے محدود ذرائع سمیٹ کر ان کا ایسا مقابلہ کیا کہ برائے چندے نواح میسور سے بلا ٹل گئی۔اب راجہ کی مسرت کی انتہا نہ رہی اور رانی لکشمی بھی دل میں اس کی بہادری کا اعتراف کرکے خاموش ہوگئی۔

☆.....☆.....☆.....☆

ONE URDU FORUM . COM
® SCANNED PDF By HAMEEDI

باب نمبر2

حیدر علی کی فتوحات کا دروازہ کھلتے ہی وزیر ریاست نندراج بھی اس پر بہت مہربان ہوگیا تھا۔ راجہ بھی اس کے کارناموں سے بہت خوش تھا۔ مگر نندراج نے اس کو اپنے ہاتھوں کی کٹھ پتلی بنا کر رکھ دیا تھا۔ تمام ریاست کا نظم ونسق نندراج کے ہاتھ میں تھا۔ راجہ فقط گڈا سا تھا کہ تہواروں اور دسہرے کے موقع پر ہاتھی پر سوار ہو کر شان وشوکت سے اس کی سواری نکال دی جاتی تھی۔ سپاہ سالار ہونے کی حیثیت سے تمام فوج حیدر علی کے تابع تھی اور ہر سپاہی اس کی شرافت وشجاعت اور موہ لینے کے طریقوں سے اس کا دلدادہ تھا۔ مگر رانی لکشمی اب بھی اس سے کھٹکتی تھی۔ شاید وہ ایک عورت کی فطری جھنجلاہت تھی کہ اگر اس کا راجہ اس کو بچہ دینے سے قاصر تھا تو حیدر علی اس کی اس آرزو کو کیوں پورا نہیں کر رہا تھا۔

مگر حیدر علی جیسا پاکباز انسان اس تخیل کا متحمل بھی نہیں ہوسکتا تھا۔ اس کے گھر میں ایک عالی خاندان کی حسین بیوی موجود تھی جس سے وہ اپنے سپاہیانہ انداز میں بڑی محبت کرتا تھا۔ حالانکہ وہ ابھی ریاست میسور کا حکمران نہیں بنا تھا۔ صرف ریاست کی فوج کا سالار اعظم تھا مگر پھر بھی اس کے مکان میں دو چار داسیاں اور کنیزیں موجود تھیں جن کو اس نے اپنے لیے کبھی مباح نہ سمجھا۔ وہ صرف اس کی بیگم کی خدمت کے لئے مامور تھیں۔ عیاش انسان بہادر نہیں ہوتا۔ اگر حیدر علی بھی نازنینانِ میسور سے دل لگا بیٹھتا تو دکن میں وہ ایک زبردست مسلمانوں کی حکومت قائم نہیں کرسکتا تھا۔ جس میں اس کی رحلت کے بعد اس کے صحیح جانشین فرزند سلطان ٹیپو نے چار چاند لگائے تھے۔

بیگم پورے دنوں سے تھیں اس لئے چاہتی تھیں کہ نامور شوہر تا وضع حمل کسی مہم پر نہ جائے۔ مگر حیدر علی کو ادائے فرض میں کوئی طاقت نہیں روک سکتی تھی یہ وہ زمانہ تھا کہ نظام انگریزوں کی خوشامد میں لگا ہوا تھا۔ دوسری طرف مرہٹوں سے جوڑ توڑ میں مصروف تھا تاکہ تینوں مل کو میسور کا صفایا کردیں۔ راجہ ان چالاک دشمنوں سے غافل نہ تھا لیکن نند راج ہوشیار وزیر بھی اپنے قومی حریفوں کے خلاف کوئی قدم اٹھانے سے خود کو معذور پاتا تھا۔ صرف نائیک حیدر علی کے حوصلے بلند تھے۔ جس نے اپنی تہی دامانی میں بھی ہمیشہ عزائم کو اونچا رکھا۔

''اچھا اگر آپ کے جانے کے بعد بچہ ہوگیا تو آپ تک یہ خوشخبری پہنچائی جائے یا نہیں؟'' بیگم نے اپنے شوہر کو مہمات پر روانہ ہونے کے لئے آمادہ پا کر افسردگی سے پوچھا۔

''اگر لڑکا ہو تو فوراً اطلاع کردینا اور اگر لڑکی ہو تو خاموش ہوجانا''۔ حیدر علی نے جواب دیا۔

''ہوگی لڑکی ہی دیکھ لیجئے گا''۔ بیگم نے مسکرا کر کہا۔

''نہیں بیگم انشاءاللہ لڑکا ہوگا''۔ حیدر علی نے کہا۔

''بولئے کچھ شرط ہوجائے''۔ بیگم نے کہا۔

''ہوجائے۔ بولو کیا شرط لگاتی ہو؟''۔

''جو آپ پسند کریں''۔

''ناحق شرط لگاتی ہو بری طرح ہارو گی۔ میرا اقبال بہت بلند ہے فاطمہ۔ شکست میری زندگی سے خارج ہوچکی ہے''۔

''خدا آپ کا اقبال اس سے بھی زیادہ بلند کرے اور آپ میسور کے بادشاہ ہوجائیں۔ شکست آپ کے دشمنوں کے حصے میں آئے۔ مگر میں دیکھتی ہوں کہ مجھ سے شرط باندھنے میں آپ ڈرتے ہیں'' بیگم نے مسکرا کر کہا۔

حیدر علی جہاں اس قدر سخت اور اکھڑ تھا وہاں اسے ظرافت بھی ملی تھی ہنس کر بولا

''تم لوگوں سے تو اولیا اللہ بھی پناہ مانگتے ہیں''۔

''اچھا دیکھئے اگر لڑکی ہوئی تو میں اس کا نام زہر رکھوں گی'' بیگم نے کہا۔

''لڑکی ہو ہی نہیں سکتی یہ حیدر علی کا دعویٰ ہے چنانچہ تم اس کا نام ٹیپو سلطان رکھنا''

''کیا ٹیپو بابا کے نام پر''؟ بیگم نے پوچھا۔

ٹیپو بابا اپنے زمانے کے میسور میں ایک ولی گزرے ہیں۔

''ہاں کیونکہ یہ بابا کی دعا ہے''۔ حیدر علی نے جواب دیا۔

''جس طرح اکبر بادشاہ کے ہاں سلیم بابا کی دعا سے لڑکا پیدا ہوا تھا جس کا نام

سلیم رکھا گیا تھا اور جو بعد کو جہانگیر کے نام سے بڑا زبردست بادشاہ ہوا ہے اسی طرح انشاء اللہ ہمارا ٹیپو بھی بڑا ہو کر بادشاہ ہوگا۔'' بیگم نے کہا۔

''آخر تم مان گئیں کہ لڑکا ہی ہوگا۔ چلو تم شرط ہاریں''۔ حیدر علی نے مسکرا کر کہا

''میں نے تو آپ کا دل رکھنے کے لیے کہہ دیا تھا۔ پھر شرط آپ نے بدھی کب ہے ڈرتے جو ہیں مجھ سے''۔ بیگم نے ہنس کر کہا۔

''اچھا چلو یہ شرط ہے کہ اگر میں جیت گیا تو تم تمام عمر میرے حکم کی تعمیل کرتی رہو گی اور اگر ہار گیا تو میں تمہارا تابع فرمان ہو جاؤں گا''۔

''واہ یہ تو مہمل شرط ہے۔ میں تو آپ کی تابعداری میں اپنی نجات سمجھتی ہوں۔ جیتوں یا ہاروں بہر صورت آپ کی فرماں بردار رہوں گی''۔ بیگم نے کہا۔

''اسی لیے تو میں تم سے ڈرتا ہوں کہ تم موہ لینے میں طاق ہو''۔ نواب نے بیگم کے ہاتھ کو اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے کہا۔

''کاش خدا مجھے اپنے احکام کی بجا آوری میں بھی طاق کر دے''۔ بیگم نے کہا۔

''تمہیں خدا کے احکام کا اتنا تو پاس ہے ورنہ اس زمانہ میں مسلمان دین سے بالکل منحرف ہو گیا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ اس کو دینی تعلیم حاصل کرنے کا شوق نہیں۔ میں لاکھ ان پڑھ ہوں مگر اسلام سے بیگانہ نہیں۔ مجھے تو اپنے اُمی ہونے پر فخر ہے کیونکہ ہمارے رسول ﷺ بھی امّی تھے لیکن اس کے باوجود دنیا اس جیسا بڑا آدمی پیدا نہ کر سکی۔

انشاء اللہ میں رسول خدا ﷺ کا بول بالا کروں گا۔

''خدا آپ کے ارادوں میں برکت دے۔ اچھا دیکھئے فضل حسین کی شادی کی فکر سے غافل نہ رہیے۔ یہ کام بھی آپ ہی کو کرنا ہے۔ بیگم نے کہا۔ فضل حسین اس کے بھائی کا نام تھا۔

''مجھے بیاہ شادیاں طے کرنی نہیں آتیں بیگم۔ یہ کام عورتوں کا ہے۔''

''جی نہیں یہ خالص مردوں کی ذمہ داری ہے''۔ بیگم نے مسکرا کر کہا۔

''لیکن تمھیں فضل حسین کی شادی کی اس قدر فکر کیوں ہے۔ کیا اس کے بھٹکنے کا کوئی اندیشہ ہے''؟

''اندیشہ تو کیا لیکن میں دیکھتی ہوں کہ وہ آجکل کورگ کی طرف شکار کو زیادہ جانے لگا ہے۔ سنا ہے کہ وہاں کی عورتیں پری سے کم نہیں ہوتیں''۔ بیگم نے کہا۔

''اچھا! ہمیں تو یہ معلوم ہی نہ تھا''۔

''جی آپ تو جیسے بہت ہی معصوم ہیں۔ میں تو سمجھتی ہوں کہ آپ بھی اس پرستان کی سیر کو جاتے ہوں گے''۔ بیگم نے مسکرا کر کہا۔

''تمہاری زبانی یہ معلوم ہونے کے بعد کہ کورگ کی عورتیں بہت خوبصورت ہوتی ہیں۔ وہاں جانے کا اشتیاق مجھے بھی ہو گیا ہے''۔ حیدر علی نے مسکرا کر کہا۔

''جائیے شوق سے۔ میں نے تو سنا ہے کہ رانی لکشمی کی بھی آپ پر نظر عنایت ہے''۔

بیگم نے صرف مذاق کے طور پر کہا ورنہ حیدر علی کے بیداغ کردار کے مداح اس کے دشمن بھی تھے۔

''لکشمی تو مجھ سے خار کھاتی ہے۔ بہر حال میرے ہاں اگر کبھی کسی جاسوسی کی آسامی خالی ہوئی تو اسکی جگہ تمہارا تقرر کروں گا''۔ نواب نے ہنس کر کہا۔

''مگر پھر آپ مجھ سے اور بھی ڈرنے لگیں گے''۔

''اچھا بیگم یہ بتاؤ کہ اگر ریاست میسور اور بھی ضعیف ہو جائے تو ہمیں کیا کرنا چاہیئے''۔

''ان معاملات کو مجھ سے زیادہ آپ سمجھتے ہیں میں صرف اتنا کہہ سکتی ہوں کہ ہمیں بہر طور ریاست کا خیر خواہ اور وفادار رہنا چاہیے اور اس کو ہر طرح مضبوط کرنے کی فکر کرنی چاہیے''۔

''یہ ٹھیک ہے۔ مگر راجہ کا تعطل۔ نندراج کا ریاست میں اس قدر دخیل ہو جانا اور چوطرف سے دشمنوں کا خوف، یہ آثار اچھے نہیں ہیں۔ اگر تدبّر و آہنی ہاتھ سے کام نہیں لیا گیا تو اندیشہ ہے کہ میسور پر دشمن جلد قبضہ کر لیں گے''۔

''آپ راجہ کو ہوش میں لائیے آپ کے قبضہ میں سپاہ ہے۔ اس کے ذریعہ دشمنوں کا خاتمہ کیجئے۔ پھر ریاست کی آمدنی وسیع کر کے غریبوں کی دستگاری کیجئے۔ میں یہی کہہ سکتی ہوں''۔

''سچ کہتی ہو۔ میں انشاء اللہ ایسا ہی کروں گا۔ مگر مشکل یہ ہے کہ ہمارے دشمن یہ مشہور کریں گے کہ حیدر علی خود ریاست پر قبضہ کرنا چاہتا ہے''۔

''دشمنوں کے پوچ خیالات سے نہیں ڈرنا چاہیے اگر آگے جا کر ریاست کو آپ

ONE URDU FORUM . COM
® SCANNED PDF By HAMEEDI

ناول کیلئے ون اردو کے شکر گزار ہیں

کی پناہ کی ضرورت پیش آئے تو آپ کو اس سے دریغ نہ کرنا چاہیے"۔

"پناہ سے تمہاری کیا مراد ہے"؟

"یہ کہ راجہ اور وزیر اگر ریاست کو بچانے میں نااہل ثابت ہوں تو آپ الوالعزمی سے آگے بڑھ کر تمام معاملات اپنے ہاتھ میں لیں تا کہ بندگان خدا تباہ ہونے سے بچ جائیں اور وطن اغیار کی تاخت سے محفوظ رہے"۔ بیگم نے جواب دیا۔

"کون کہتا ہے کہ تم نے سیاسی دماغ نہیں پایا ہے۔ مگر اس کوشش میں مجھے پھر خوف نظر آتا ہے کہ لوگ کہیں میری نیک نیتی کو غلط رنگ میں نہ پیش کرنے لگیں اور آئندہ کا مورخ صحیح حالات کا جائزہ لئے بغیر کہیں یہ نہ کہنے لگے کہ حیدر علی غاصب تھا"۔

"غصب وخیانت کا خطرہ تو اس صورت میں تھا کہ آپ حکومت کی حرص میں حکمران کو قید یا معزول کر کے خود ریاست پر قابض ہو جائیں۔ حالانکہ آپ کا مقصد اس سے برعکس اور بہت مبارک ہوگا۔ اس کے کیا معنی کہ اگر ذمہ دار لوگ اپنی ذمہ داری میں کوتاہی کریں تو کوئی دوسرا محبّ وطن آگے بڑھ کر اپنے فرائض ادا نہ کرے"۔

"خیر یہ بعد کی بات ہے۔ پہلے مجھے دشمنان میسور کی قوت کو توڑنا ہے جب تک ان کا فتنہ فرو نہ ہوگا حالات روبہ اصلاح نہیں ہو سکتے۔ ساتھ ہی مجھے اندرونی دشمنوں سے بھی نمٹنا ہے۔ کاش میرا کوئی جوان بیٹا ہوتا جو اس مبارک مشن میں میرا ہاتھ بٹاتا"۔ حیدر علی نے اسی طرح کہا جس طرح راجہ کرشنا بیٹے کی حسرت کیا کرتا تھا۔ مگر حیدر علی کو کیا معلوم تھا کہ اس کی پشت سے منتقل ہو کر ایک ایسا جوان صالح بہت جلد آنے والا ہے جو باپ سے زیادہ اقبال مند و اولوالعزم ہوگا۔

"گویا آپ ابھی سے بوڑھے ہو گئے کہ جوان بیٹے کی تمنا کی جا رہی ہے"۔ بیگم نے مسکرا کر کہا۔

"اچھا خدا حافظ، اب رخصت کرو"۔ حیدر علی نے کہا۔

"خدا جلد آپ کو سرخرو و کامران لوٹائے۔ خدا حافظ"۔ بیگم نے ضبط کے باوجود گلو گیر آواز میں کہا۔

☆.....☆.....☆.....☆

باب نمبر3

نواب ارکاٹ والا جاہ محمد علی قلعہ ترچناپلی میں جا کر پناہ گزیں ہوا تھا۔ کیونکہ اس کے ملک پر چند اصاحب اور فرانسیسی قبضہ کرتے جا رہے تھے۔ والا جاہ ایک نہایت ہی سازشی اور مسلم کش حکمران تھا۔ حالانکہ خود مسلمان تھا مگر اپنے اقتدار کی خاطر اس نے ہمیشہ مسلمانوں کا خون بہایا۔ ٹیپو سلطان کے زمانے میں وہ انگریزوں کا زرخرید غلام بن گیا تھا۔ اور نظام سے سازش کر کے ہمیشہ ٹیپو سلطان کے خاتمہ کی فکر میں مبتلا رہتا تھا۔ خیر یہ بعد کے واقعات ہیں۔ اس وقت وہ فرانسیسیوں سے شکست کھا کر ترچناپلی چلا گیا تھا اور راجہ میسور سے طالب امداد ہوا تھا۔

راجہ میسور نے مدد دینے سے انکار کر دیا۔ مگر اس کی چلتی کب تھی۔ چنانچہ نندراج وزیر نے کچھ فوج دے کر حیدر علی کو اس کی امداد کے لیے روانہ کر دیا۔ یہاں پہنچ کر حیدر علی نے شجاعت کے ایسے جوہر دکھائے کہ ایک طرف تو چند اصاحب کا زور توڑ دیا دوسری طرف فرانسیسیوں کو صلح پر مجبور کر دیا۔ اس مہم کو کامیاب بنانا صرف حیدر علی ہی کا حصہ تھا ورنہ فرانس والوں سے اس وقت انگریز بھی ٹکر لینے سے ڈرتے تھے۔ یہی فرانسیسی ٹیپو سلطان کے عہد میں اس کے سب سے زیادہ وفادار ثابت ہوئے اور سلطان کے دشمنوں کے خلاف اس کے دوش بدوش لڑتے رہے۔

حیدر علی کو اپنے مہمات میں سوائے فرض کے اور کوئی خیال ہی نہیں رہتا تھا۔ ترچناپلی کی مہم میں اس کے دو ماہ کے قریب صرف ہو گئے۔ اور وہ یہ بھی بھول گیا کہ بیوی کے امروز و فردا میں بچہ ہونے والا ہے جب مہم سے فرصت ہوئی تو نندراج نے کہلا بھیجا کہ اب واپس لوٹ آؤ۔ یہاں ایک خوشخبری تمہارا انتظار کر رہی ہے۔ خوشخبری کا نام سن کر حیدر علی کو یاد آیا کہ شاید اس کے گھر میں لڑکا پیدا ہوا ہے۔ چنانچہ مار امار سے خوش خوش واپس آیا۔

"صاحبزادہ مبارک ہو"۔ زچہ بیگم نے مسکرا کر پڑے پڑے کہا۔ اپنے جلیل

ONE URDU FORUM . COM
® SCANNED PDF By HAMEEDI

ناول کیلیئے ون اردو کے شکر گزار ہیں

القدر شوہر کو دیکھ کر اس کے چہرے پر مسرت دوڑ گئی۔

''ہیں کہاں وہ برخوردار''؟ حیدر علی نے دیوانگی مسرت میں جلد جلد کمرے کے اندر نظریں دوڑاتے ہوئے کہا۔ بیگم نے مسکرا کر ایک پردے کی طرف اشارہ کیا۔ حیدر علی لپکا ہوا پہنچا مگر دایہ نے سدراہ ہو کر مؤدبانہ کہا۔

''حضور خدا خدا کر کے صاحبزادہ ابھی ابھی سویا ہے۔ جاگ گیا تو پھر گھنٹوں نہیں سوئے گا''۔

''ہٹ جاؤ دایہ۔ وہ سونے کے لیے نہیں پیدا ہوا ہے بلکہ جاگنے اور جگانے کے لیے آیا ہے۔'' حیدر علی نے اس کو ہٹاتے ہوئے کہا پھر جلدی سے پردہ سرکایا اور گہوارے میں سے لپک کر بچے کو نکال لیا۔ حیدر علی عالم مسرت میں دیوانہ سا ہو رہا تھا۔ اس نے بچے کو زور زور سے ہلایا پھر ہتھیلی پر بٹھا کر گیند کی طرح اپنے گول مٹول اور خوبصورت بچے کو نچانے لگا۔ ماں سے نہیں دیکھا گیا اور تنبیہہ کے طور پر مسکرا کر بولی۔

''آپ اس کی نازک ہڈیوں اور اعضاء کو توڑے ڈال رہے ہیں اپنی مسرت میں''۔

''اس کی ہڈیاں اور عضلات نازک نہیں ہیں بیگم۔ یہ شیر کا بچہ ہے۔ آہا کتنا خوبصورت ہے یہ۔ دیکھا تم نے''۔ حیدر علی نے بچے کو نچاتے ہوئے ماں کے اوپر لٹاتے ہوئے کہا

''آپ ہی دیکھئے۔ میں تو کافی دیکھ چکی ہوں''۔ بیگم نے مسکرا کر جواب دیا۔

''کیا تم ننھے سے خفا ہو۔ اچھا سمجھا۔ اپنی شرط جو ہار گئی ہو''۔ حیدر علی نے ہنستے ہوئے کہا۔

''شرط طے کب ہوئی تھی'' بیگم نے کہا اور بچے کو کلیجے سے لگا لیا۔ برخوردار پہلے ہی جاگ گئے تھے اور مادر مہربان کی گود میں سے اپنی بڑی بڑی آنکھوں سے اپنے دیو پیکر باپ کو دیکھ رہے تھے۔ پھر انہوں نے ایک چھوٹی سی جمائی لی اور معصوم مسکراہٹ سے انکا چہرہ منور ہو گیا۔

''اچھا یہ ابھی سے مسکرانا سیکھ گئے۔ ارے لیکن بیگم تم نے ان کا نام کیا رکھا ہے''؟

''جو آپ بتا گئے تھے''۔ بیگم نے جواب دیا۔

''ٹیپو سلطان؟ ٹھیک ہے لیکن اب ان کا پورا نام ابوالفتح علی ٹیپو سلطان ہوگا''۔

حیدر علی نے پھر بیوی کی گود سے بچے کو جھپٹ کر کہا اور اسے ہر ہر زاویے سے

ONE URDU FORUM . COM
® SCANNED PDF By HAMEEDI

دیکھنے لگا۔

''یہ تو بہت چھوٹا سا نام ہے۔ اتنا لمبا تو ہونا چاہیے کہ کم از کم ایک سطر میں آئے''۔ بیگم نے مسکرا کر کہا۔

''یہ ایسا لمبا نام نہیں ہے۔ تم دیکھو گی انشاء اللہ فتح وظفر اسکے قدم چومیں گے''۔ باپ نے فخر سے کہا

''آمین۔ اچھا دیکھئے۔ نندراج جی نے سونے کے کڑے اور ایک کمخواب کا تھان بھیجا تھا۔ مگر میں آپ کی اجازت کے بغیر قبول نہیں کر سکتی تھی۔ اب چاہیں تو اس تحفہ کو قبول کر لیں''۔

''کوئی مضائقہ نہیں۔ اچھا راجہ کے ہاں سے بھی کچھ آیا تھا''۔ حیدر علی نے دریافت کیا۔

''کچھ نہیں بلکہ میں نے سنا ہے کہ ہمارے بچے کی پیدائش کی خبر سن کر محل میں کہرام مچ گیا تھا اور اس دن سے رانی لکشمی جو اٹواٹی کھٹواٹی لے کر پڑی ہے تو اب تک کسی کے سنبھالے نہیں سنبھلی ہے''۔

''مارے جلن کے عورت اپنا برا حال کر لیتی ہے۔ بیچاری رانی بھی اپنی جلن میں حق بجانب ہے۔ اس کے اب تک چوہے کا بچہ بھی نہیں ہوا''۔ حیدر علی نے کہا۔

''آپ ہی رانی سے اظہار ہمدردی نہیں کریں گے تو کون کرے گا''۔ بیگم نے اپنے میاں کو چھیڑنے کی غرض سے مسکراتے ہوئے کہا۔

''کہو تو بچہ رانی کی نظر کر دوں فاطمہ''۔ حیدر علی نے بھی بیوی کو ستانے کے لئے کہا۔

''کیا یہ ابھی سے بار معلوم ہونے لگا آپ کو''۔ بیگم نے کہا۔ حیدر علی ہنسنے لگا۔

''اسے تو میں وہ اعلیٰ تعلیم دوں گا کہ اس کا ثانی نہ ہوگا۔ اپنی طرح ان پڑھ نہیں رکھوں گا اس کو۔''

''مگر جو علم وحکمت خدا نے آپ کو دیا ہے اگر اس کا نصف بھی یہ حاصل کر لے گا تو مجھے اس پر فخر ہوگا۔ ہم انشاء اللہ اس کی تعلیم میں کوئی دقیقہ نہیں اٹھا رکھیں گے''۔ بیگم نے کہا۔

''اس کو فنون سپہ گری میں بھی طاق کر دوں گا۔ میں قلم کے مقابلہ میں تلوار کی عظمت کا زیادہ قائل ہوں''۔

ناول کیلئے ون اردو کے شکر گزار ہیں

''لیکن آئندہ زمانہ میں تلوار قلم کے تابع ہو جائے گی''۔ بیگم نے کہا۔

دایہ نے یہ کیا کہا تھا کہ یہ خدا خدا کر کے ابھی سویا ہے۔ کیا یہ مشکل سے سوتا ہے؟ روتا زیادہ ہوگا''۔ حیدر علی نے پوچھا۔

''آپ نے اب تک اس کا رونا سنا؟ یہ رونا تو جانتا ہی نہیں۔ بس بھوک لگتی ہے تو ذرا شکایت کرنے لگتا ہے۔ ورنہ یا تو پڑا ہوا کھیلتا رہتا ہے یا خاموش لیٹا رہتا ہے جیسے یاد اللہ میں مصروف ہو''۔ ماں نے مسکرا کر کہا۔

''اس کے معنی یہ کہ سوتا کم ہے''؟

''سوتا بھی ہے، تمام وقت مگر سو کر نہیں گزارتا''۔ ماں نے کہا

''بھئی یہ جلدی سے بڑا ہو جائے تو میں اس کو اپنے ہمراہ مہمات پر لے جایا کروں گا''۔

''ابھی لیجایا کیجئے نہ اپنی کمر سے باندھ کر''۔ بیوی نے مسکرا کر جواب دیا۔

''اچھا لو سنبھالو اپنے برخوردار کو۔ انہوں نے میرا بڑا وقت ضائع کیا۔ اگر ان حضرات نے اسی طرح مجھے اپنی طرف متوجہ رکھا تو کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ امور ریاست میں میرے حارج ہونے لگیں''۔ حیدر علی نے بچہ واپس ماں کو دیتے ہوئے کہا۔

''یہ انشاءاللہ اپنی ریاست ایک علیحدہ بنائے گا جو آپ کے اور آپ کے راجہ کے اقتدار سے بلند ہوگی''۔ ماں نے پھر اپنے بچے کو پیار کرتے ہوئے کہا۔

اس طرح ۱۷۵۲ء میں واقعی ایک نئی اور وسیع سلطنت کا بانی پیدا ہوا جو عالم شیر خوارگی میں ماں کے کلیجے کی ٹھنڈک اور باپ کی آنکھوں کا تارہ بنا رہا۔ حیرت تھی کہ ٹیپو طفلی میں اس قدر صابر و حلیم تھا کہ اس نے نہ تو کبھی اپنی دایہ کو پریشان کی نہ ماں کو، بھوک لگتی۔ دودھ کی یاد آتی تو بس ایک دو بار آہستہ سے چیخ کر اپنا ننھا سا مطالبہ پیش کر دیتا۔ اور بچوں کی طرح یہ نہیں کہ دودھ کے لئے مچلتا اور بلک بلک کر رونے لگتا۔ اسی طرح جہاں کسی نے ہاتھ لگایا ہمک کر کوشش کرتا کہ اٹھ بیٹھے۔ شاید اسے پڑا رہنا ناگوار گزرتا تھا۔ دایہ اسے اٹھا کر بٹھا دیتی تو لیٹنے کے مقابلے میں اس وقت وہ زیادہ خوش نظر آنے لگتا تھا۔

یہ آئندہ کا ایک دیندار مسلمان پل رہا تھا۔ خدا سے ڈرنے والا سچا مجاہد اور بابرکت شہید پرورش پا رہا تھا۔ ایسے بچوں کو شاید خدا پہلے ہی سے نام زد کر لیتا ہے۔ تا کہ جلد ان کے ذریعہ اپنے مشن کو پورا کر کے واپس اپنے زیر سایہ بلا لے۔ سیدنا امام حسینؓ

ONE URDU FORUM . COM
® SCANNED PDF By HAMEEDI

سیّد الشہداء تھے۔ ان کے ایک غلام نے ان کے نانا کے مشن کو پورا کرنے کی مبارک کوشش میں سر دے دیا مگر ناموس اسلام کو نہیں بیچا۔ یہ آج کل کے سلاطین یہ تو سب کے سب شیاطین ہیں۔ یہ حکمران نہیں ہیں بلکہ فراعنہ نے شکل دگر جنم لیا ہے۔

حیدر علی راجہ کے پاس بہت کم جایا کرتا تھا۔ اول تو راجہ برائے نام تھا۔ میسور کی ریاست کی حقیقت ہی کیا تھی۔ اس چھوٹی سی ریاست کو بھی وہ اپنی نااہلی کی وجہ سے چلانے سے قاصر تھا۔ انہی اسباب کی بنا پر تمام معاملات وزیر ریاست نندراج کو اپنے ہاتھ میں لے لینے پڑے تھے۔ تا کہ دشمنوں کی یورش سے محفوظ رہے اس کو ایک حیدر علی جیسے جنرل کی ضرورت تھی اگر میسور میں حیدر علی کا وجود نہ ہوتا تو نہ ریاست رہتی نہ راجہ۔

اتنی قربانی و وفاداری کے باوجود راجہ اور اس کی رانی حیدر علی کے خلاف سازشیں کرتے رہتے تھے۔ وہ تو اس پر وزیر سلطنت مہربان تھا مگر دشمنوں نے نہ صرف اس کو نکالنے کی سازباز کی بلکہ اس کو قتل کر دینا بھی طے کر لیا تھا۔

☆.....☆.....☆.....☆

باب نمبر4

حیدر علی کے گھر میں فرزند پیدا ہونے کے بعد سے رانی لکشمی کے حسد کی انتہا نہ رہی تھی۔اب راجہ بھی حیدر علی کے خلاف ہوتا جا رہا تھا کیونکہ اس کی بیوی رات دن حیدر علی جیسے فدائے وطن شخص کے خلاف اس کا دل برا کرتی رہتی تھی۔مگر چونکہ راجہ کی کچھ نہیں چل سکتی تھی اس لئے وہ حیدر علی کا بال بیکا نہیں کر سکتا تھا۔اس کی ایک وجہ یہ تھی کہ وزیر سلطنت نندراج اس کا پشت پناہ بنا ہوا تھا۔

آخر رانی کو ایک تدبیر سوجھی اس نے سوچا کہ حیدر علی اور نندراج کے درمیان پھوٹ ڈال دے یہ بڑی پرانی ترکیب ہے۔ جس سے آج تک کی نئی حکومتیں تک فائدہ اٹھا رہی ہیں۔ جہاں دو راست باز معقول آدمیوں کے درمیان کوئی مخلصانہ اتحاد ہو تو اس کو شر پسند طاقتیں اپنی سلطنت سے سازش کر کے پھوٹ سے بدل دیتی ہیں۔چنانچہ رانی نے اپنی تجاویز سے راجہ کو بھی آگاہ کیا وہ سنکر چپ ہو گیا۔

''آپ چپ کیوں ہو گئے''۔رانی نے اسے خاموش پا کر دریافت کیا۔

''حیدر علی بڑا چالاک آدمی ہے، وہ اڑتی چڑیا کو پہچانتا ہے۔ تمہاری ترکیبوں کی تہ تک بھی وہ پہنچے بغیر نہیں رہے گا۔'' آخر راجہ نے کہا۔

''خیر آپ اسے طلب تو کیجئے۔ بات میں کر لوں گی''۔

''تم ہی بلوا بھیجو۔میں اپنے ہاتھ صاف رکھنا چاہتا ہوں''۔راجہ نے کہا۔

''بڑے صاف ہیں تمہارے ہاتھ جب ہی تو مرہٹوں سے ملاپ کرتے ہو۔تا کہ ان کے ذریعہ حیدر علی کا زور توڑ دو۔وہ تو مرہٹے اس کام کا معاوضہ کئی کروڑ روپے مانگتے تھے اور تمہارے پاس دینے کو ایک دھیلا نہیں ورنہ اب تک تم مرہٹوں کے ہاتھوں بک چکے ہوتے''۔رانی نے جل کر کھری کھری سناتے ہوئے کہا۔

''مرہٹے تو ویسے بھی میسور پر چڑھائی کرتے رہتے ہیں۔ میں خود ان سے عاجز

ONE URDU FORUM . COM
® SCANNED PDF By HAMEEDI

ہوں اسی لیے تو چاہتا ہوں کہ حیدر علی کو بنائے رکھوں''۔راجہ نے کہا۔رانی دھیمی پڑ گئی۔

''اچھا تو میں حیدر علی کو طلب کرتی ہوں مگر آپ بیچ میں نہ بولنا۔ جب تک کہ میں اشارہ نہ کروں زبان نہ کھولنا''۔رانی نے کہا۔راجہ نے وعدہ کیا۔ چنانچہ رانی نے اسی وقت چاندی کے ایک طشت میں کچھ مٹھائی اور تھوڑا سا میوہ جمایا اس کے بعد داسی کو حکم دیا کہ نیتا جی (حیدر علی) کو پیش کر کے اس سے کہے کہ محل میں بلایا ہے۔

حیدر علی مکان میں موجود نہیں تھا کہیں باہر گیا ہوا تھا۔ چنانچہ بیگم نے رانی کا تحفہ اور بلاوا قبول کر کے باندی کو جوڑا بخشا اور کہہ دیا کہ سردار صاحب آئیں گے تو ان کو پیغام پہنچا دیا جائے گا۔کہیں دو گھنٹے کے بعد حیدر علی مکان میں داخل ہوا۔ شام ہو چکی تھی۔بیگم نے اس کی طلبی سے اس کو آگاہ کیا اور مسکرا کر بولی

''ذرا بن سنور کر جائیے۔ خاص رانی کا بلاوا ہے''۔

''لاؤ تم اپنی کوئی اچھی سی قیمتی ساڑھی نکالدو اسے باندھ کر چلا جاؤں گا''۔حیدر علی نے ہنس کر کہا۔ بیگم بھی ہنسنے لگی۔

''مگر یہ ناوقت طلبی کیوں ہوئی ہے، آج ضرور کوئی بات ہے''۔حیدر علی نے کہا

''یاد کرنے والا وقت اور ناوقت نہیں دیکھتا۔دل میں یاد کی ٹیس اٹھتے ہی بلا بھیجتا ہے''۔بیگم نے اسی طرح میاں کو چھیڑتے ہوئے کہا۔

''ہاں یاد کرنے والا ایک تغافل شعار محبوب سے زیادہ پیارا ہوتا ہے تم کبھی ہمیں یاد بھی نہیں کرتیں۔ اب کوئی دوسرا آدمی یاد کرتا ہے تو جلتی ہو''۔حیدر علی نے مسکرا کر کہا

اتنے میں کنیز دوڑتی ہوئی آئی اور بولی کہ ''وزیر اعظم نندراج جی آئے ہیں اور آپ کو پوچھ رہے ہیں''۔ یہ سن کر حیدر خود دوڑا ہوا وزیر اعظم کے استقبال کو باہر گیا اور اس کا تپاک سے خیر مقدم کیا اور اندر لے آیا۔

''کیا کہیں جانے کی تیاری کر رہے تھے''؟ نندراج نے دریافت کیا۔

''جی ہاں! مگر میرا کہیں جانا اب اتنا ضروری نہیں رہا۔ آپ اطمینان سے تشریف رکھیں۔ حیدر علی نے جواب دیا۔ نہ تو اس نے بتایا کہ کہاں جانے والا تھا۔نہ وزیر نے دریافت کیا۔

''بہو کہاں ہیں۔ ہیں تو خیریت سے''؟ نندراج نے دریافت کیا۔نندراج ہی نے اپنے پیسے سے حیدر علی کی شادی میر علی رضا خان کی ہمشیرہ سے کرائی تھی۔اسی بنا پر وہ اس

کو اپنا لڑکا اور اس کی بیوی کو اپنی بہو کے برابر سمجھتا تھا۔ بیگم نے پردے کے پیچھے سے نندراج کو آداب کہا۔

''جیؤ۔ بچے کو ذرا بھیجو نہ، اب تو گھٹنوں چلنے لگا ہوگا''۔ نندراج نے بیگم سے کہا۔

''حیدر علی۔ اس وقت میں ایک ضروری کام سے تمہارے پاس آیا ہوں۔ میں دراصل راجہ کی حماقتوں سے اس قدر عاجز آچکا ہوں کہ جی چاہتا ہے کہ استعفیٰ دے دوں اور اپنی جاگیر کا راستہ لوں''۔ نندراج نے حیدر علی سے کہا۔ وہ مغموم سا نظر آرہا تھا۔

''کیا ہوا نندراج جی۔ کوئی نئی بات ہوگئی کیا؟'' حیدر علی نے دریافت کیا۔

''بات تو پرانی ہے مگر اس کا نتیجہ نئے انداز میں سامنے آرہا ہے۔ تمہیں یاد ہوگا کہ پچھلے سال جب مرہٹوں نے میسور پر یورش کی تھی تو راجہ نے مقابلہ کرنے کے بجائے بزدلانہ دو کروڑ روپے دینے کا وعدہ کر کے ان سے پیچھا چھڑا لیا۔ ایک کروڑ روپیہ تو وہ اسی وقت لے گئے تھے جس سے خزانہ ایسا خالی ہوا کہ اس میں ایک پائی نہ رہی۔ ایک کروڑ سال بھر بعد دینے کا وعدہ تھا۔ سال پورا ہونے سے قبل ہی مرہٹوں نے روپیہ کا تقاضا شروع کر دیا۔ مگر خزانے میں رکھا کیا ہے کہ روپیہ ادا کیا جائے۔ جب ان کو جواب نہیں ملا تو انہوں نے ہمارے پانچ سب سے بڑے اور زرخیز گاؤں پر قبضہ کر لیا ہے۔ جب سے یہ خبر سنی ہے سخت پریشان ہوں''۔ نندراج نے کہا۔

''آپ ناحق پریشان ہو رہے ہیں۔ اطمینان رکھیئے میں گاؤں بھی مرہٹوں سے چھین لوں گا اور چونکہ راجہ وعدہ کر چکا ہے اس لئے مجبوراً محض ایفائے وعدہ کے خیال سے روپیہ بھی ادا کر دیا جائے گا''۔ حیدر علی نے جواب دیا۔

''خیر گاؤں تو تم اپنے حوصلہ کی بنا پر مرہٹوں سے لڑ بھڑ کر چھین لو گے مگر روپیہ کہاں سے ادا کرو گے''؟ نندراج نے پوچھا۔

''میں لوٹ مار کر کے روپیہ پیسہ بھی مرہٹوں ہی سے چھینوں گا۔ پھر انہی کے روپے سے ان کا قرض ادا کر دوں گا''۔ حیدر علی نے کہا۔ نندراج ہنسنے لگا۔

''خوب آدمی ہو تم بھی'' نندراج نے کہا۔ اس کے بعد پھر سنجیدہ ہو گیا اور بولا۔

''لیکن حیدر علی میں اب اس ریاست میں نہیں رہنا چاہتا۔ یہاں کے حالات اب بد سے بدتر ہو گئے ہیں''۔

ONE URDU FORUM . COM
® SCANNED PDF By HAMEEDI

''خیر یہ بعد کی بات ہے اس وقت تو آپ اپنے دل سے مرہٹوں کی فکر نکال دیجئے ان سے میں نمٹ لوں گا''۔ حیدر علی نے کہا۔ اتنے میں کنیز ایک نقرئی طشتری میں الائچی اور چھالیہ لے کر آئی اور ادب سے نندراج کو پیش کی۔

''اچھا اب جاتا ہوں۔ کسی روز بچے کو بھیجنا بہو ہمارے ہاں''۔ نندراج نے کہا اور اٹھ کھڑا ہوا۔

''ضرور آپ تشریف رکھیئے نہ وہ آتا ہی ہوگا''۔ بیگم نے کہا

کئی کام پڑے ہیں۔ تم بھی آنا کبھی۔ تمہاری ساس کئی بار پوچھ چکی ہیں تمہیں نندراج نے کہا

''میرا پالاگن کہہ دیجئے۔ جمعہ کو انشاء اللہ بچے کو لے کر آؤں گی''۔ بیگم نے کہا

نندراج چلا گیا اس کے جانے کے چند منٹ بعد حیدر علی بھی محل کی طرف روانہ ہوا۔ اسے دیکھ کر سپاہیوں نے سلامی دی۔ آخر باریابی کی اجازت پا کر محل سرا میں داخل ہوا۔ باندیوں نے اس دیو قامت اور دقیع سپاہی کو اشتیاق سے دیکھنا شروع کیا۔

اور خود رانی بھی اپنی کدورت دل کے باوجود اس کے سراپا کو حریصانہ دیکھنے لگی۔

راجہ ایک چھپر کھٹ پر دراز تھا۔ اور اس وقت بھی نشے میں انٹا غفیل معلوم ہوتا تھا۔

حیدر علی نے اسے سلام کیا اور اس کے سرہانے جا کر کھڑا ہوا۔

''آپ کو دراصل نیتا جی میں نے بلایا ہے۔ مہاراج تو آپ کو تکلیف دینا نہیں چاہتے تھے''۔ رانی نے حیدر علی سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا۔

''میں حاضر ہوں۔ حکم فرمایئے مہارانی''۔ حیدر علی نے کہا۔

''پہلے تو یہ بتایئے آپ کا لاڈلا ہے تو اچھی طرح''؟ رانی نے مسکرا کر ٹیپو کے متعلق پوچھا۔ اس کی مسکراہٹ میں خفیف سی طنز اور جلن پوشیدہ تھی۔

''وہ سپاہی کا بچہ ہے اور سپاہی زادے لاڈلے نہیں ہوتے اور جہاں تک اس کے بخیر و عافیت ہونے کا تعلق ہے وہ بغیر آپ کی دعا کے بخریت ہے'' حیدر علی نے بھی طنزیہ جواب دیا۔

''اچھا خیر''۔ رانی نے کہا پھر بولی۔ ''دیکھئے اس وقت ایک اہم معاملہ آپڑا ہے مرہٹے ہم سے ایک کروڑ روپیہ طلب کر رہے ہیں اور ہمارا وزیر نندراج ہمیں پریشان کر رہا ہے۔ اس لئے مہاراج یہ چاہتے ہیں کہ آپ کسی طرح نندراج سے ہمیں نجات دلا دیں۔

ONE URDU FORUM . COM
® SCANNED PDF By HAMEEDI

آپ پر مہاراجہ کو بڑا بھروسہ ہے۔ اتنا بھروسہ ہے کہ آپ کے پرائیویٹ سکریٹری کھانڈے راؤ کو نندراج کی جگہ دینے کو تیار ہیں''۔رانی نے کہا۔

''لیکن مہارانی۔نندراج جی سے اگر سنداتِ وزارت لے بھی لی جائیں تو اس سے مرہٹوں کا روپیہ ادا نہیں ہو جائے گا۔ وہ تو اپنا روپیہ لے کر ہی ٹلیں گے۔ رہا سوال کھانڈے راؤ کا تو کہاں تجربہ کار نندراج جی اور کہاں یہ نوجوان''۔حیدر علی نے کہا۔

''مگر ہمیں امید ہے کہ کھانڈے راؤ نندراج سے اچھا وزیر ثابت ہوگا۔کیونکہ وہ آپ کی آنکھیں دیکھے ہوئے ہے۔ ہم تو کسی طرح نندراج سے پیچھا چھڑانا چاہتے ہیں۔ مہاراج تو اس سے بہت ہی ناراض ہیں۔کیوں مہاراج''۔رانی نے راجہ کرشنا کو جھنجھوڑتے ہوئے پوچھا۔ مگر وہ اول فول بکنے لگا۔

''اچھا اگر ایسا ہو جائے تو کیا آپ مرہٹوں کا روپیہ ادا کر دیں گی''؟حیدر علی نے پوچھا۔

''روپیہ تو ہمارے پاس نہیں ہے۔مگر ہم کچھ بندوبست کرنے کی کوشش کریں گے''۔

رانی نے کہا حیدر علی ہنسنے لگا۔

''ہنستے کیوں ہو نیتا جی''؟رانی نے اس کی بے محل ہنسی پر تعجب سے پوچھا۔

''کیونکہ آپ مجھے احمق بنانے کی کوشش میں خود بھی عریاں ہو رہی ہیں۔ آپ میرے ذریعے نندراج کا کانٹا اپنی راہ سے ہٹا دینا چاہتی ہیں تاکہ میں تنہا رہ جاؤں اس کے بعد آپ کھانڈے راؤ کے ذریعے اپنی قوت جمع کر کے میرے بھی خاتمہ کے درپے ہو جائیں گی۔مگر میں آپ کو بتا دینا چاہتا ہوں کہ راجہ جی کی خواہش کے مطابق میں نندراج جی کو تو سندِ وزارت واپس کرنے پر آمادہ کر سکتا ہوں لیکن خود کسی کے کہنے سے نہیں ہٹوں گا۔کیونکہ میں یہ کسی طرح گوارا نہیں کروں گا کہ آپ کی نادانی سے اپنا ملک و وطن مرہٹوں اور نظام کے قبضے میں چلا جانے دوں''۔

حیدر علی نے کہا۔ رانی کچھ جُز بز سی ہوئی۔ آخر دلربائی سے بولی۔

''یہ آپ نے کس طرح سمجھ لیا کہ میں آپ کی دشمن ہوں''۔

''میں آپ کی دشمنی سے نہیں ڈرتا۔لیکن آپ کی وطن دشمنی سے ڈرتا ہوں''۔حیدر علی نے کہا۔

''یہ آپ کا صرف خیال ہے راجہ جی سے پوچھ لیجئے میں تو اکثر آپ کو یاد کرتی رہتی ہوں''۔رانی نے التفات برتتے ہوئے کہا۔

''مجھے یاد کرنے کے بجائے آپ ان لاتعداد معصوم بچوں اور عورتوں کو یاد کیا کریں تو اچھا ہے جن کو ہمیشہ ہمارے دشمن لوٹ کر کنگال کرتے رہتے ہیں''۔

''آپ پر تو ہمیشہ اپنی ہی دھن سوار رہتی ہے۔ ہمیں معلوم ہے کہ آپ کو بڑی سندر بیوی ملی ہے''۔رانی نے مسکرا کر کہا۔

''خدا کا شکر ہے کہ اس کا ظاہر و باطن دونوں حسین ہیں۔ اچھا دیکھئے نندراج جی کے معاملہ میں آپ بھی خاموش رہیں۔ میں ان سے بات چیت کروں گا اگر آپ نے درمیان میں کوئی اور کارروائی شروع کی تو مجھے اندیشہ ہے کہ آپ کے معاملات اور خراب ہو جائیں گے''۔حیدر علی نے کہا۔ وہ بڑا زیرک اور چالاک انسان تھا۔اسے معلوم تھا کہ راجہ اور رانی اپنا مقصد حاصل کرنے کے لئے غلط کاروائیوں پر اتر آئیں گے۔ اور زبردستی نندراج کو معزول کرنے کی کوشش کریں گے۔ اس سے ناحق کشت و خون ہوگا۔ یہ اسے معلوم ہی تھا کہ نندراج تو خود ریاست سے بیزار ہے۔اگر وہ اس سے وزارت سے ہٹ جانے کی درخواست کرے گا تو وہ انکار نہیں کریگا اس طرح خانہ جنگی کا اندیشہ مٹ جائے گا۔

اس واقعہ کے چند روز بعد نندراج اپنی جاگیر ستی منگل چلا گیا تاکہ ذرا آرام کر لے اور حیدر علی مرہٹوں سے روپیہ چھیننے کے لئے میسور سے باہر چلا گیا۔غرض اب راجہ اور رانی کو میدان صاف نظر آیا چنانچہ انہوں نے جھٹ نندراج کی برطرفی کا اعلان کر کے اس کی جگہ کھانڈے راؤ کو دیوان ریاست بنا دیا۔اتنا بھی انتظار نہیں کیا کہ حیدر علی اپنی مہم سے لوٹ آئے اس کے علاوہ رانی نے اس سے وعدہ کیا تھا کہ وہ خانہ جنگی سے گریز کرے گی۔

رانی کی اس نادانی کا وہی نتیجہ ہوا جس کا خوف حیدر علی اس کو دلا گیا تھا۔اپنے بھائی کی معزولی کی خبر سن کر نندراج کے بھائی دیوراج نے محل پر گولہ باری شروع کر دی جس سے راجہ اور رانی گھبرا گئے۔ آخر انہوں نے بدرجہ مجبوری پھر وزیر کی اطاعت قبول کر لی۔ لیکن اسی اثنا میں کرناٹک گئی ہوئی فوج بھی واپس آ گئی جس کی قوت پر راجہ نے پھر سر اٹھایا اور چند ہی روز میں تمام ریاست کے اندر بدامنی پھیل گئی۔نندراج کو جب وطن کی پامالی کی خبر ہوئی تو اس کو بڑا ہی رنج ہوا۔اس نے حیدر علی کو جہاں کہیں وہ تھا وہاں سے بلایا۔ پھر اسے اور شہناز کو میسور روانہ کیا کہ ان شورشوں کو فرو کریں۔ چنانچہ ان دونوں جانبازوں نے

ناول کیلئے ون اردو کے شکر گزار ہیں

چند ہی روز میں تمام خانہ جنگی کا خاتمہ کر کے امن و امان قائم کر دیا۔ ادھر حیدر علی نے اس عرصہ میں مرہٹوں پر شب خون مار مار کر ان کا ناک میں دم کر دیا۔ اور اتنا روپیہ ان سے چھینا کہ خزانہ بھر گیا۔ اس کے بعد ایک کروڑ روپیہ اسی میں سے مرہٹوں کو ادا کر دیا۔

ان کاموں سے فارغ ہو کر حیدر علی نے حکمت عملی سے نندراج کو سمجھایا کہ اس کے لئے اب بہتر یہی ہے کہ وزارت سے دستکش ہو جائے۔ نندراج حیدر علی کا محسن و مربی تھا۔ وہ دیکھ رہا تھا کہ نااہل راجہ نے اپنی حماقت سے بات کو کہیں سے کہیں پہنچا کر ملک میں شورش پھیلا دی تھی۔ اس لئے نندراج حیدر علی کے مخلصانہ مشورہ کی بنا پر وزارت سے علیحدہ ہو گیا۔

''میں تو خود اس جھنجھٹ سے نجات پانا چاہتا تھا۔ تم سے میں نے ذکر کیا تھا یاد ہو گا''۔ نندراج نے کہا۔

''جی ہاں! میں آپ کی دور بینی کا شروع سے معترف ہوں''۔ حیدر علی نے جواب دیا آخر چند روز بعد جب وہ سرنگا پٹم آیا تو راجہ نے اس سے درخواست کی کہ اب وزیر سلطنت کھانڈے راؤ کو بنایا جائے گا۔ حیدر علی کی نظر میں کھانڈے راؤ زیادہ اعتماد کے قابل انسان نہ تھا۔ مگر اس وقت مصلحت کی بنا پر اس نے اس کے تقرر کو منظور کر لیا۔ ان واقعات کے چند ہی روز بعد عین حیدر علی کی دوررسی کے مطابق راجہ اب اس کے خلاف سازشیں کرنے لگا۔ اور جلد تمام معاملات اس کے خلاف رونما ہونے لگے۔

ONE URDU FORUM . COM
® SCANNED PDF By HAMEEDI

باب نمبر5

چند روز بعد ہی حیدر علی کو اندازہ ہو گیا کہ اس کے خلاف سازشوں کا دروازہ کھل گیا ہے۔ کھانڈے راؤ جو پہلے اس کا پرائیویٹ سیکرٹری تھا۔ راجہ اور اس کی رانی کی درخواست پر نندراج کی جگہ وزیر ریاست بنا دیا گیا۔ مگر اس غدار نے وزیر ہوتے ہی حیدر علی کے خلاف کاروائی شروع کر دی۔ راجہ اور رانی تو ایک ایسے ہی آدمی کی تلاش میں تھے جو حیدر علی کے زور کو ختم کر دے۔ چنانچہ تینوں نے مل کر طے کیا کہ حیدر علی کو برطرف کر دیا جائے۔

مگر یہ خیال رہے کہ وہ ایک مقبول عام انسان ہے اور فوج پر بھی اس کا اثر ہے۔

''ایسا نہ ہو کہ اس کی معزولی سے فوج ہم سے برگشتہ ہو جائے'' راجہ نے کہا

''آپ فکر نہ کریں مہاراج میں ایسی ترکیب کروں گا کہ سانپ بھی مر جائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے''۔ کھانڈے راؤ نے کہا

''میرا خیال ہے کہ اس موقع پر ہم اس کے جذبات وطن پرستی سے فائدہ اٹھائیں۔ حکمتِ عملی سے کام لے کر اس کو معزول کیا جائے پھر وطن کا واسطہ دے کر اس سے کہا جائے کہ خاموش ہو جاؤ۔ جو کچھ ہونا تھا اچھا ہوا۔ اگر تم نے اپنے تحفظ کی کوشش کی تو ملک میں ناحق بدامنی پھیل جائے گی''۔ رانی دیوا جنی منی نے کہا۔ اس عورت کو آج کے منافق سیاسی آدمی کا دماغ ملا تھا۔

چنانچہ یہی کہا گیا۔ حیدر علی چند روز کے لئے اپنی بیوی اور بچے کے پاس سرنگا پٹم گیا ہوا تھا۔ لہٰذا غدار حکمرانوں نے اس محبِ وطن کو معزول کر دیا۔ اس خبر کو سن کر پہلے تو حیدر علی کا غصہ سے منہ سرخ ہو گیا۔ کیا اس کی سرفروشی و خدمت گزاری کا یہی انعام تھا۔ میسور کو دشمنوں سے بچانے کا تنہا ذمہ دار حیدر علی تھا۔ اس کو علیحدہ کر کے راجہ اب اپنی قبر آپ کھود رہا تھا۔

''گھبرائیے نہیں خدا کی لاٹھی میں آواز نہیں۔آپ کے دشمن خود ذلیل ہونا چاہتے ہیں تو ان کو نہ روکیے''۔بیگم نے کہا۔

اس حوصلہ مند خاتون نے ٹیپو جیسے الوالعزم انسان کو جنم دیا تھا اور ہمیشہ ہر کڑی کے موقع پر اپنے نامور شوہر کے حوصلے بڑھاتی رہتی تھی۔

''میں اپنے لئے مطلق پریشان نہیں ہوں بیگم۔صرف وطن کا خیال دکھ پہنچا رہا ہے''۔حیدر علی نے کہا۔

''کیا بات ہے ابا جان''؟ ننھے سے ٹیپو سلطان نے اپنے باپ کو پریشان پا کر دریافت کیا۔

''کچھ نہیں بیٹے، جاؤ تم باہر جا کر کھیلو''۔باپ نے کہا

''آپ مجھے کوئی اچھی سی تلوار لا دیجئے۔ میں آپ کے تمام دشمنوں کا خاتمہ کردوں گا''۔ٹیپو نے کہا۔ان کی عمر بمشکل چھ سات سال کی ہوگی۔

''تمہیں تلوار بھی لا دیں گے اور ایک چھوٹی سی بندوق بھی''۔باپ نے اسے پیار کر کے کہا۔چنانچہ ٹیپو میاں اپنی ٹین کی تلوار لے کر خوش خوش باہر کھیلنے چلے گئے۔نپولین کی طرح ٹیپو بھی بچپن میں اپنے ہم عمر لڑکوں کا سردار بنا کرتا تھا۔مگر آج کھیلنے کو اسے کوئی لڑکا نہیں ملا۔چنانچہ خود ہی مٹی کے انسان بنا کر انہیں اپنی چھوٹی سی تلوار سے قتل کرنے کے کھیل میں مصروف ہوگیا۔

اتفاق سے ادھر ایک فقیر کا گزر ہوا۔ ٹیپو میاں بیٹھے ہوئے اپنی تلوار کو سیدھا کر رہے تھے کہ فقیر قریب آیا اور اس اقبال مند بچے کو غور سے دیکھنے لگا۔ٹیپو نے ایک خستہ حال فقیر کو اپنی جانب نگراں پا کر خفا ہونے کے بجائے اسے اپنی تربیت کے مطابق سلام کیا اور اپنی شیریں آواز میں بولا۔

''کچھ چاہیے کیا آپ کو سائیں بابا''؟ فقیر نے جواب نہیں دیا صرف اسے دیکھ کر مسکراتا رہا۔

ٹیپو اسے خاموش دیکھ کر پھر اپنے کھیل میں مصروف ہوگیا۔آخر فقیر نے کہا۔

''کہا نام ہے آپ کا برخوردار''؟

''ابوالفتح علی ٹیپو سلطان''۔ٹیپو سلطان نے فخر سے اپنی چھوٹی سی گردن بلند کر کے کیا۔فقیر ہنسنے لگا۔

ONE URDU FORUM . COM
® SCANNED PDF By HAMEEDI

''یہ تو بڑا لمبا نام ہے۔ آپ کے اماں ابا کیا کہتے ہیں آپ کو؟اس نے پوچھا

''ٹیپو سلطان''۔ٹیپو نے جواب دیا۔

''اچھا یہاں آؤ ہمارے پاس''۔فقیر نے ہاتھ پھیلا کر کہا۔ٹیپو بے دھڑک اس کے پاس چلا گیا۔ فقیر نے اسے گود میں اٹھا لیا پھر ایک عجیب لہجہ میں اس سے بولا:۔

''اچھا جو کچھ ہم کہیں گے وہ تمہاری سمجھ میں آجائیگا''؟

''ہاں ضرور۔ مولانا سے دریافت کر لیجئے۔ وہ مجھے عربی پڑھاتے ہیں۔ میں تو ان کی عالمانہ باتیں سمجھ لیتا ہوں''۔ننھے سے ٹیپو نے فخریہ جواب دیا۔ فقیر نے اب اسے اپنے کاندھے پر اس طرح بٹھا لیا جیسے اس کا احترام مقصود ہو پھر اسی طرح ایک پراسرار ودبدبہ خیز لہجہ میں بولا:۔

''دیکھو تم بڑے ہو کر یہاں کے بادشاہ بنو گے''۔اس کے بعد اپنے الفاظ کا اثر بچے پر دیکھنے لگا مگر ٹیپو نے نہ تو کسی تعجب کا اظہار کیا نہ طفلانہ مسرت کا بلکہ ایسے پروقار لہجہ میں اس نے جواب دیا۔ جیسے یہ متوقع خبر تھی۔

''میں انشاءاللہ ضرور بادشاہ بنوں گا''۔غور کیا جائے تو ٹیپو کے سلطان ہونے کے قریب وبعید میں کوئی آثار نہ تھے۔ باپ معزول ہوگیا تھا۔ اس کی رہی سہی پوزیشن بھی جاتی رہی تھی۔ پھر اس پر مزید یہ کہ چوطرف دشمن ہی دشمن نظر آتے تھے۔ مگر آئندہ کے بڑے آدمی اپنی بلندی کا اظہار بچپن ہی سے کرنے لگتے ہیں''۔

''جب تم میسور کے بادشاہ ہو جاؤ تو تمہیں کئی کام کرنے ہوں گے۔کرو گے نہ''۔فقیر نے دریافت کیا۔

''ضرور بالضرور انشاءاللہ''۔ٹیپو نے جواب دیا۔

''پہلا کام تو یہ کرنا کہ جس جگہ اس وقت ہم کھڑے ہیں یہاں ایک عالیشان مسجد تعمیر کرانا۔ میسور میں افسوس اب تک ایک بھی خانہ خدا نہیں ہے''۔فقیر نے کہا۔

پھر بولا''اس کے بعد تمام عمر خدمت اسلام وخدمت خلق کو اپنا شیوہ بنائے رکھنا۔ خبردار باطل کے آگے کبھی نہ جھکنا''۔

''میں آپ کی تمام ہدایات پر اللہ نے چاہا تو عمل پیرا رہوں گا''۔ٹیپو نے جواب دیا۔

اس کے بعد فقیر نے اس کو گود سے اتار دیا۔رخصت ہونے سے قبل وہ ایک بار

ناول کیلئے ون اردو کے شکر گزار ہیں

جھکا اور احترام سے ٹیپو کی گردن پر پیار کر کے خود ہی آہستہ سے بولا۔

''یہ ایک شہید بادشاہ کی گردن ہے۔ ماشاءاللہ، ماشاءاللہ، کتنا بلند رتبہ ہے، شہید کا''۔

یہ کہہ کر وہ ایک دم چلا گیا۔ ٹیپو نے اس کے یہ الفاظ ممکن ہے سنے ہوں اور ان کا مطلب بھی سمجھا ہو۔ لیکن ان الفاظ کا اس نے کوئی خیال نہیں کیا۔ بلکہ ایسا محسوس کرنے لگا کہ گویا وہ میسور کا سلطان بن گیا ہے اور اس پر دفعتاً حکومت کی ذمہ داری آپڑی ہے۔

چنانچہ جب ٹیپو میسور کا حکمران ہوا تو اسی مقام پر جہاں وہ بچپن میں کھیل رہا تھا اس نے ایک عالی شان مسجد تعمیر کرائی جس کا نام مسجد اعلیٰ رکھا۔ یہ مسجد اب تک سرنگا پٹم میں موجود ہے اور اپنی شان کی ایک ہی ہے۔

مکان پر آ کر ٹیپو نے تمام واقعہ اپنے والدین کو سنایا۔ باپ سن کر خوب ہنسا مگر ماں سنجیدہ ہوگئی۔

''کیسا تھا بیٹے وہ فقیر''؟ ماں نے پوچھا۔

''کوئی اللہ والا آدمی معلوم ہوتا تھا امی''۔ ٹیپو نے جواب دیا۔

''خیر خدا راس لائے لیکن دیکھو ٹیپو میاں میں کہے دیتا ہوں کہ تنہا امیدوں کے سہارے زندہ رہنے کی کوشش نہ کرتے رہنا بلکہ میری طرح ہمیشہ بلند حوصلے اور اعلیٰ ہمت سے کام کرتے رہنا باعمل اور جدوجہد کرنے والے انسان کی خدا بھی مدد کرتا ہے اور نکمے انسان کو وہ بھلا دیتا ہے''۔ باپ نے نصیحت کرتے ہوئے کہا۔ ٹیپو نے دل سے وعدہ کیا۔

ابھی حیدر علی کو سرنگا پٹم میں قیام کئے ایک ماہ ہی ہوا ہوگا کہ اس کا کھٹکا ہمیشہ کے لئے ختم کرنے کو راجہ اس کی رانی اور کھانڈے راؤ نے مل کر مرہٹوں کو ایک چٹھی لکھی کہ حیدر علی میسور کی تاک میں ہے۔ اگر وہ غالب آ گیا تو ریاست میں ہندو حکومت کا خاتمہ ہو جائے گا اور وہ مسلمانوں کے قبضہ میں چلی جائے گی۔ چنانچہ آپ سرنگا پٹم پہنچ کر حیدر علی کو گرفتار کر لیں۔ ہم ہمیشہ آپ کے باجگزار رہیں گے۔ اور ایک معقول رقم کے علاوہ ہمیشہ چوتھ بھی دیتے رہیں گے''۔

مرہٹے تو پہلے ہی میسور پر دانت لگائے بیٹھے تھے۔ چنانچہ غدار حکمرانوں کا ساتھ دینے کو فوراً آمادہ ہو گئے۔ مگر یہ وہ زمانہ تھا کہ احمد شاہ ابدالی نے مرہٹوں کے لشکر عظیم کو ایک زبردست شکست دے کر ان کو بالکل کچل ڈالا تھا۔ پھر بھی انہوں نے تھوڑی بہت فوج جمع کر کے مارا مار سے سرنگا پٹم کا رخ کیا اور آناً فاناً میں شہر کا محاصرہ کر لیا۔

ONE URDU FORUM . COM
® SCANNED PDF By HAMEEDI

حیدر علی کو اس سازش کا اس وقت پتہ چلا جب دشمن سر پر آ پہنچا تھا اور سرنگا پٹم کو گھیرے میں لے چکا تھا۔ اندھیری رات تھی اور بارش کا زمانہ لیکن پھر بھی حیدر علی دشمنوں کے حصار سے نکل بھاگنا ناممکن پا رہا تھا کیونکہ راستے اور ناکے پہلے ہی روک لئے گئے تھے ایک ایک لمحہ نہایت قیمتی تھا اور فوراً اپنی عزت بچانے کی تدبیر کرنا ضروری تھا۔ لیکن مشکل یہ آپڑی تھی کہ بیوی بچے کو کس پر چھوڑ کر جاتا۔

''خدا کے واسطے آپ کسی طرح اپنی جان لے کر نکل جائیے''۔ ہماری فکر نہ کیجئے۔ دشمن آپ کی تلاش میں آ رہا ہے ہم سے تعرض نہیں کرے گا''۔ بیوی نے کہا۔

حیدر علی نے بھی سوچا کہ اگر یہاں رہا تو جان تو علیحدہ جائے گی اس کے ساتھ ہی دشمن اس کے بیوی اور بچوں کو بھی ہلاک کر دیں گے۔ آخر سب کو خدا کے سپرد کر کے چپکے سے باہر نکلا۔ لیکن جاتا کدھر چوطرف دشمن پھیلے ہوئے تھے۔

مگر حیدر علی جیسے چالاک اور قابل جنرل کا گرفتار ہونا کوئی آسان بات نہیں تھی آخر چپکے سے دریائے کاویری پر پہنچا۔ دریا زوروں پر تھا مگر واہ رے جری بسم اللہ کر کے طغیانی سے لڑتا ہوا موجوں کو چیرتا ہوا پار پہنچ گیا۔ پھر بیس گھنٹے تک مسلسل سفر کر کے بنگلور جا پہنچا۔ وہاں اس کی طرفدار فوج کا ایک دستہ موجود تھا جس نے اپنے سردار کو ہاتھوں ہاتھ لیا۔

صبح ہوتے ہی دشمنوں کو خبر ہوگئی کہ حیدر علی بھاگ نکلا ہے۔ چنانچہ راجہ کے ایما سے مرہٹے بنگلور کی طرف بڑھے۔ ادھر حیدر علی نے سید مخدوم کو خط لکھا کہ جس فوج کو لے کر فرانسیسیوں کی مدد کو جا رہے ہو اسے لے کر فوراً واپس آ جاؤ۔ چنانچہ سید مخدوم آ گیا۔ جس وقت مرہٹے بنگلور پہنچے تو حیدر علی نے قلعہ سے نکل کر اس تیزی سے حملہ کیا کہ کشتوں کے پشتے لگا دیئے۔ دشمن کو شکست ہوئی اور مرہٹے تتر بتر ہو کر بھاگ چھوٹے۔

اب مرہٹے جان چکے تھے کہ جب تک ان کے پاس لشکر عظیم نہ ہو حیدر علی کے مقابلہ کو نہیں آ سکتے۔ چنانچہ واپس لوٹ گئے۔ اب حیدر علی راجہ، کھانڈے راؤ اور رانی سے نمٹنے کے لیے آزاد تھا۔

باب نمبر6

کرشنا راجہ کی کئی بیویاں تھیں جن میں سے لکشمی اور دو تین رانیاں حیدر علی کے سخت خلاف تھیں۔ اور ہمیشہ اس کو زک پہنچانے کی سازش کرتی رہتی تھیں۔ لیکن رانی منی دیواجی اس کی زیادہ مخالف نہ تھی بلکہ اس کی ذات کو ریاست کے لئے ضروری سمجھتی تھی۔ اسی بنا پر اس کی دوسری رانیوں سے ان بن رہتی تھی۔ حیدر علی کے چلے جانے کے بعد سرنگا پٹم بدامنی اور سازشوں کا گہوارہ بن گیا تھا۔ دوسری طرف یہ مصیبت تھی کی ہر چند مرہٹے واپس لوٹ گئے تھے مگر تاوان وصول کرنے کے بعد مزید لوٹ مار کر کے رخصت ہوئے تھے۔ اس سے ریاست بالکل کھک ہوگئی تھی۔

رانی منی دیواجی نے دیکھا کہ معاملات سنبھلنے کے بجائے روز بروز بگڑتے جارہے ہیں تو اس نے حیدر علی کو ایک خفیہ چٹھی لکھی جس میں تحریر تھا۔

''اگر آپ نے ریاست کو نہیں سنبھالا تو کسی کی خیر نہیں۔ مرہٹے ملک کا دیوالہ نکال گئے ہیں۔ پھر ان سے ہر دم خطرہ ہے کہ نہ معلوم کب دوبارہ آچڑھیں اور سب کا صفایا کر دیں ادھر راجہ جی نے ایسی آنکھوں پر پٹی باندھی ہے کہ وہ اپنی دوسری بے وقوف استریوں کے ہاتھوں میں کٹھ پتلی بن گئے ہیں۔ اس کے علاوہ آپ کے پرائیویٹ سیکرٹری کھانڈے راؤ نے علیحدہ سر اٹھایا ہے۔ وہ وزیر کیا بن گیا ہے کہ اس نے رعایا کا ناک میں دم کر دیا ہے۔ غرض اندر بھی بدحالی ہے اور باہر بھی ایسے سمے میں اگر آپ نے ریاست کو نہیں سنبھالا تو جتنا کچھ آپ نے اب تک کیا ہے اس پر پانی پھر جائے گا۔ اس لئے مناسب یہی ہے کہ آپ جلد آکر خود ریاست کو اپنے ہاتھ میں لے لیں اور اسے اندرونی و بیرونی دشمنوں سے بچالیں''۔

حیدر علی کو رانی کا یہ خط ملا تو اسے بڑا رنج ہوا۔ افسوس اس قدر خون پسینہ بہا کر اس نے وطن کو دشمنوں سے اب تک بچایا تھا لیکن اب حالات بہت ہی نازک ہوگئے تھے۔

ONE URDU FORUM . COM
® SCANNED PDF By HAMEEDI

سوچ بچار کا وقت نہ رہا تھا۔ اگر راجہ اور اس کی سازش گر رانیاں، اسی طرح اپنی کارروائیوں میں مصروف رہیں تو چالاک کھانڈے راؤ ان کے ہاتھوں سے ریاست چھین کر مرہٹوں کے ہاتھوں بیچ ڈالے گا۔ میں یہ کبھی نہیں ہونے دوں گا۔ حیدر علی نے بآواز بلند کہا اور اسی وقت جلد جلد ادھر ادھر سے اپنے آدمی جمع کرنے لگا۔

چند ہی روز بعد حیدر علی نے تھوڑی سی فوج جمع کر لی اور دشمنان ریاست کی سرکوبی کے لیے سرنگا پٹم پر چڑھائی کر دی۔ پھر جا کر شہر کو گھیر لیا اور محل پر گولہ باری شروع کر دی۔ اس سے راجہ اور اس کی غدار بیویاں سخت سراسیمہ ہوئیں اسی وقت راجہ نے اپنے ایک معتمد آدمی کو دوڑایا اور حیدر علی سے التجا کی کہ گولہ باری بند کر کے ذرا اس سے مل لے۔

''راجہ صاحب سے کہنا کہ اب صلح و آشتی کا وقت نکل چکا۔ خیریت اسی میں ہے کہ جلد قلعہ و محل ہمارے حوالے کر دے''۔ حیدر علی نے جواب دیا۔ آدمی واپس لوٹ گیا۔ ادھر رانی منی نے چپکے سے حیدر علی کے پاس پیغام بھیجا کہ ہرگز آمادہ صلح نہ ہونا تھوڑی دیر بعد راجہ کا آدمی پھر آیا اور راجہ کی طرف سے بارِ دیگر صلح کی درخواست کی۔

''راجہ سے کہنا کہ گولہ باری اس وقت تک بند نہیں ہوگی جب تک کھانڈے راؤ کو ہمارے حوالہ نہ کر دیا جائے گا''۔

اس پر پھر حجت ہوئی۔ کھانڈے راؤ کو حوالے کرنے میں بہت کچھ حیلے حوالے کئے گئے مگر حیدر علی نے ایک نہ سنی۔

آخر راجہ اس شرط پر کھانڈے راؤ کو حوالہ کرنے پر آمادہ ہوا کی اس کی جان بخشی کی جائے۔ حیدر علی نے اقرار کیا۔ اور اپنا قول پورا کر دیا اس نے کھانڈے راؤ کو ایک لوہے کے پنجرے میں بند کر دیا۔ اس میں اس کو طوطے کی طرح آب و دانہ دے دیا جاتا تھا۔ اپنی موت تک کھانڈے راؤ اسی طرح طوطے کی مانند پنجرے میں رہا۔ حیدر علی اسے اپنا انسانی طوطا کہا کرتا تھا۔

دوسرے روز حیدر علی نے چند امراء کو ساتھ لیا جن میں بیشتر وطن پرست ہندو تھے۔ اور راجہ سے بازیابی کی اجازت چاہی۔ راجہ بڑی مشکل سے آمادہ ہوا۔ آخر حیدر علی اپنے امراء کو لے کر اندر داخل ہوا اور محل کے دروازوں پر پہرے بٹھا دیئے۔

حیدر علی نے راجہ کو بہت سے تحفے تحائف پیش کئے۔ پھر بولا

''اگر آپ کو اپنے ملک اور رعایا سے محبت ہوتی تو آج مجھے یہ اقدام نہ کرنا پڑتا''۔

''میں نے کیا کیا ہے حیدر علی، تم جانتے ہی ہو کہ میں تمہارا کتنا خیال کرتا ہوں''۔ راجہ نے کہا۔

''تب ہی تو آپ نے بار بار مرہٹوں کو بلا کر دیش کا ناس کر دیا اور نیتا جی کی جان کے لاگو ہو گئے تھے''۔ ایک سردار نے کہا۔

''یہ ہم پر جھوٹا الزام ہے۔ ہم بھی تم سب کی طرح دیش بھگت ہیں''۔ راجہ نے جواب دیا۔

''جیسے دیش بھگت (محبّ وطن) آپ ہیں اس کا ثبوت ہمارے پاس موجود ہے''۔ دوسرے سردار نے کہا اور وہ تمام خطوط نکال کر راجہ کے سامنے ڈال دیے جو اس نے، رانیوں نے اور کھانڈے راؤ نے مرہٹوں کو لکھے تھے۔ مرہٹوں سے جنگ میں لوٹ مار کے سلسلہ میں یہ خطوط حیدر علی کے ہاتھ لگ گئے تھے۔ خطوں کو دیکھ کر پہلے تو راجہ سٹ پٹایا پھر سنبھل کر بولا۔

''یہ سب جعلی خطوط ہیں''۔

''درست ہے خیر ہم بحث نہیں کرنا چاہتے۔ آپ نے اور آپکے ساتھیوں نے وہی کیا جو دیش کا غدار کر سکتا ہے۔ اس لئے اب آپ کی بھلائی اسی میں ہے کہ تمام ریاست کے معاملات اور راج پاٹ نیتا جی کے سپرد کر دیں اور خود محل کے ایک کونے میں بیٹھ کر بھگوان کا دھیان گیان کریں''۔ دوسرے سردار نے کہا۔

''مجھے حکومت کی ہوس نہیں ہے راجہ جی۔ مگر میں وطن اور اہل وطن کی خدمت کرتے کرتے قربان ہو جانا چاہتا ہوں۔ یہ سردار جو آپ سے مطالبہ کر رہے ہیں اس میں میری خواہش کو دخل نہیں ہے بلکہ یہ ملک کے عوام اور خواص کی آواز ہے''۔ حیدر علی نے کہا۔

''مگر میں بغیر ریاست کے کس طرح گزارا کروں گا۔ راجہ نے دیکھا کہ ریاست کے تمام امراء و سرداراس کے خلاف ہو گئے ہیں اور حیدر علی کو اپنا حکمران بنانا چاہتے ہیں تو بہت ہاتھ پیر مارنے کے بعد اس نے یہی سوچا کہ جان بچائے۔

''اس کی آپ فکر نہ کریں آپ کو سالانہ تین لاکھ روپے کے علاوہ ایک جاگیر بھی بخش دی جائے گی۔ اور آپ کو دسہرہ دیوالی پر اسی طرح سواری نکالنے کی اجازت دی جائے گی جس طرح آپ اپنے زمانہ میں نکالتے رہتے تھے''۔ حیدر علی نے کہا۔

راجہ چپ ہو گیا۔ مگر محل میں کہرام مچ گیا۔

ONE URDU FORUM . COM
® SCANNED PDF By HAMEEDI

''کیا مجھے محل بھی خالی کرنا پڑے گا''؟ بادشاہ نے پوچھا۔

''آپ بچوں کا سا سوال کر رہے ہیں۔ محل اس کے قبضہ میں ہو گا جو حکومت کرے گا۔ آپ کی حکومت ختم ہوئی''۔ ایک امیر نے جواب دیا۔

''لیکن میری رانیاں''؟ راجہ نے پھر احمقانہ سوال کیا۔

''وہ سب آپ کے پاس رہیں گی۔ کوئی ان سے تعرض نہیں کرے گا۔ صرف رانی منی بائی دیوا جی کو دس ہزار سالانہ ملتے رہیں گے''۔ حیدر علی نے کہا۔

''اس کے علاوہ آپ کو یا آپ کی کسی رانی کو سیاست میں دخل دینے کی اجازت نہیں ہو گی''۔ ایک سردار نے کہا۔

''یہ آپ لوگ مجھ پر ظلم کر رہے ہیں''۔ راجہ نے کہا۔

''ظالم آپ ہیں کہ رعایا کو بھوکوں مار ڈالا اور تمام ملک کی دولت دشمنوں کے حوالے کر دی''۔ ایک امیر نے کہا۔

''اچھا۔ اگر آپ سب لوگوں کا یہی کہنا ہے تو میں ریاست سے ہاتھ کھینچ لوں گا''۔ آخر اس اقتدار پرست و غدار راجہ نے بڑی مشکل اتنا کہا۔

''کب ہاتھ کھینچ لیں گے؟ آپ کا راج اسی لمحہ سے ختم ہوا چنانچہ اپنے دستخطوں سے فوراً ایک اعلان لکھئے آج سے میسور کے حکمران آپ نہیں بلکہ سپاہ سالار حیدر علی ہیں یہ اعلان ہمیں تمام ریاست میں گشت کرانا ہے''۔ امرا اور سرداروں نے کہا۔

آخر راجہ نے خدا خدا کر کے یہ اعلان لکھا۔

''ریاست کے لوگوں کا اصرار ہے کہ ریاست و حکومت سپاہ سالار حیدر علی کے سپرد کر دی جائے چنانچہ میں اپنے اہل وطن کی اس خواہش کا احترام ملحوظ رکھتے ہوئے اعلان کرتا ہوں کہ آج تاریخ چار مئی ۱۷۶۱ء سے حیدر علی ریاست کے مالک ہوں گے۔ مجھے امید ہے کہ سب لوگ اس سے تعاون کریں گے''۔

کچھ اس قسم کا اعلان تمام محروسہ ریاست میں نشر کرا دیا گیا اور جواں ہمت محبّ وطن سپاہی حیدر علی میسور ریاست کا حکمران بن گیا۔ تاریخ کے چند اسی قسم کے زریں واقعات میں سے ایک یہ واقعہ بھی تھا کہ حیدر علی معمولی رتبہ سے بڑھتے بڑھتے صرف اپنی قابلیت۔ عالی حوصلگی۔ جوانمردی اور شجاعت سے ایک ریاست کا سلطان بن گیا۔ شاید فقیر کی پیش گوئی کا زمانہ قریب آ رہا تھا۔ ٹیپو کے سر کے لئے تاج شاہی کی تیاری شروع ہو گئی تھی۔

بہت سے متعصب مؤرخین نے جن میں چند انگریز بھی شامل ہیں (انگریزوں کو تو شامل ہونا ہی چاہیے کیونکہ پورے ہندوستان میں تنہا حیدر علی تھا جس نے انگریزوں کو ہندوستان سے نکالنے میں سب سے اہم لڑائیاں لڑی تھیں)۔ حیدر علی کو غاصب کہا ہے۔ انہوں نے اس پر یہ الزام لگایا ہے کہ اس نے اپنے آقا ولی نعمت راجہ سے سلطنت چھین لی۔ حالانکہ جن نازک حالات میں یہ واقعہ پیش آیا ہے ان کا ذکر پچھلے صفحات میں آچکا ہے۔ اس کے علاوہ ایک مشہور تاریخ نگار ہندو عورت سیتا دیوی نے شدت سے اس الزام کی تردید کی ہے، لکھتی ہے۔

''حیدر علی پر یہ الزام صریح غلط ہے کہ اس نے اپنے ہندو راجہ سے غداری کر کے اس کا ملک چھین لیا۔ حیدر علی کے عروج سے پہلے میسور صرف تینتیس (۳۳) گاؤں پر مشتمل ایک چھوٹی سی ریاست تھی۔ یہاں کے راجہ بیجا پور کے مسلمان بادشاہوں کے باجگذار تھے۔ پھر چند سال کے بعد بادشاہ اورنگ زیب نے میسور کے راجہ چک وڈیر کو جگ دیو کا خطاب دے کر نوبت ونقارہ رکھنے کی اجازت بخش دی تھی۔

اس کے علاوہ کچھ عرصہ بعد مغل شہنشاہ نے حیدر علی کو سرا کا گورنر مقرر کر کے اس کے مراتب بلند کر دیئے تھے۔ اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ حیدر علی اب میسور کے راجہ کا ماتحت نہ رہا تھا۔ بلکہ راجہ اس کا ماتحت تھا کیونکہ ریاست میسور پیشتر ہی سے سلطنت دہلی کی باجگذار تھی، اس کے باوجود بھی راجہ نے اس کے خلاف سخت سازشیں کیں اور اس کی تباہی کے درپے ہو گیا تھا۔ اسی لیے حیدر علی کو میسور کی حکومت اپنے ہاتھ میں لینی پڑی تھی''۔

باب نمبر 7

اب حیدر علی میسور کا نواب تھا اور پوری ریاست اس کے زیر نگین تھی یہ ریاست صرف چند گاؤں پر مشتمل تھی مگر حیدر علی نے زمام حکومت سنبھالتے ہی اپنی اعلیٰ جنگی قابلیتوں سے فتوحات کا دائرہ اس قدر وسیع کر لیا کہ اب اس کے قبضہ میں اسی ہزار مربع میل کا ملک تھا۔ حیدر علی کی فتوحات ومہمات میں اس کے بہادر ہونہار سولہ سالا فرزند ٹیپو سلطان کا بھی اتنا ہی ہاتھ تھا جتنا خود حیدر علی کا۔

حیدر علی نے اپنے گردونواح سے آگے بڑھ کر بے شمار قلعہ جات اور علاقے فتح کر لئے تھے مگر دکن بعید تک ابھی اس کی عقابی آنکھیں نہیں پہنچ سکی تھیں۔ اس نے بمبئی سے پرے اور مالا بار وغیرہ کے صحیح حالات معلوم کرنے کی کوشش کی تھی مگر زیادہ معلومات بہم نہ پہنچا سکا تھا۔ ٹیپو سلطان کی عمر تھی تو صرف سولہ سال کی لیکن اسے شاید روئے زمین کا جغرافیہ معلوم تھا۔ چنانچہ باپ نے جب اپنے قابل بیٹے سے بعید دکن کے حالات معلوم کرنے چاہے تو اس نے من وعن وہاں کی تمام کیفیت سنا دی۔

''لیکن آپ کو دکن کے جنوبی سواحل کی طرف بڑھنے سے قبل درمیانی چند قابل ذکر ریاستوں سے جنگ کرنی پڑے گی کیونکہ یہ ناگزیر ہے۔ اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو پیچھے سے دشمن آپ کو گھیر لیں گے''۔ ٹیپو نے والد سے کہا۔

''مثلاً کون کون سی ریاستیں ہماری راہ میں حائل ہوں گی''۔ حیدر علی نے دریافت کیا۔

''سب سے پہلے آپ کو بدنور سے نبرد آزما ہونا پڑے گا۔ یہ میسور کے شمالی مغربی سرحد پر صوبہ بمبئی کے قریب ایک مستحکم وزرخیز ریاست ہے اور بہت کافی مشہور ہے اس کی دولت کا یہ عالم ہے کہ وجیانگر کے زوال کے بعد وہاں کا تمام خزانہ بدنور چلا گیا ہے۔ اس ریاست تک پہنچنے سے قبل دشوار گزار پہاڑیاں ہیں اور ریاست کی حفاظت کے لئے تھوڑے تھوڑے فاصلہ پر گڑھیاں اور قلعے بنے ہوئے ہیں''۔ ٹیپو نے جواب دیا۔

ONE URDU FORUM . COM
® SCANNED PDF By HAMEEDI

''خوب''۔حیدر علی نے خوش ہو کر کہا۔

''اور کیا جانتے ہو تم اس ریاست کے متعلق''؟

''یہ کہ پائے تخت نہایت خوبصورت ہے اور اس کی آبادی تقریباً پچاس ہزار ہو گی۔ تمام تر ہندوؤں کی بستی ہے جو رات دن اچھوتوں اور غریبوں پر ظلم کرتے رہتے ہیں۔ شہر کے نواح میں بہت خوبصورت باغات ہیں۔ سڑکوں پر دورویہ درخت لگے ہوئے بتائے جاتے ہیں اور وہاں میٹھے پانی کی بکثرت نہریں ہیں''۔ٹیپو نے جواب دیا۔باپ نے محبت سے اپنے بیٹے کا ماتھا چوم لیا۔

اس ضمن میں ایک عجیب وغریب واقعہ کا ذکر کرنا بھولا جا رہا ہوں۔اجازت ہو تو عرض کروں''۔ٹیپو نے کہا۔

''ضرور ضرور''۔حیدر علی نے اشتیاق سے پوچھا۔

''میں قصبہ سرا میں مقیم تھا کہ مجھے اطلاع ملی کہ ایک ہندو نوجوان آپ سے ملاقات کا خواہاں ہے۔مگر کھانڈے راؤ کی غداری کے بعد سے میں ایسے لوگوں سے ذرا کھٹکنے لگا ہوں۔چنانچہ میں نے اسے ٹال دیا لیکن چپکے سے اس پر نظر رکھی کہ وہ کسی تخریبی جماعت کا کہیں رکن تو نہیں ہے۔مجھے اب تک اس کے متعلق کوئی مشتبہ بات معلوم نہیں ہوئی۔ویسے پراسرار نظر آتا ہے۔ آج کل وہ نوجوان یہیں موجود ہے اگر آپ مناسب سمجھیں تو اسے مشرف بازیابی بخش کر معلوم کریں کہ آخر وہ آپ سے چاہتا کیا ہے''۔ٹیپو نے کہا۔

''بلاؤ بلاؤ اسے میں ضرور ملوں گا اس شخص سے۔ممکن ہے کوئی مظلوم ہو اور دادرسی کو آیا ہو''۔نواب حیدر علی نے کہا۔چنانچہ ٹیپو باہر آئے کسی کو بھیج کر اس نوجوان کو بلوایا۔ تھوڑی دیر بعد حیدر علی کی خدمت میں ٹیپو اس کو لے کر حاضر ہوئے۔

حیدر علی باوجود اُمّی ہونے کے قیافہ کا ماہر تھا۔اس کی نظروں کے سامنے ایک خوبرو ہندو لڑکا کھڑا تھا جس کے بشرے سے فریب یا کید کے کوئی آثار نمایاں نہ تھے۔ حیدر علی نے بغور اسے دیکھا پھر مسکرا کر دریافت کیا۔

''آپ کون ہیں اور ہم سے کیا چاہتے ہیں''؟

''میں راجہ بدنور کا متبنّٰی ہوں۔ راجہ کے مرنے پر اس کی رانی نے اپنے برہمن وزیر سے ناجائز تعلقات پیدا کر لئے ہیں۔ اس کے بعد دونوں نے مل کر مجھے میرے حقوق سے محروم کر کے نکال دیا اور خود حکومت پر قابض ہو گئے اب وہ رات دن سوائے عیاشی و

ONE URDU FORUM . COM
® SCANNED PDF By HAMEEDI

بیہودگی کے اور کسی کام سے سروکار نہیں رکھتے۔نتیجہ یہ ہوا کہ لوگوں میں سخت بددلی پھیل گئی ہے اور بدامنی بھی''۔نوجوان ذرا رکا۔شاید نواب صاحب کوئی سوال کریں مگر انہیں متوجہ پا کر پھر بولا۔

''میں نے آخر جرات کر کے ایک دن رانی کو سمجھایا کہ ریاست کی حالت خراب ہوتی جا رہی ہے اس لئے وہ اپنی رنگ رلیوں سے باز آئے۔یہ سنکر وہ آگ بگولہ ہو گئی اور رات کو میرے قتل کے لئے دو آدمی اس نے بھیجے جنہوں نے میرا گلا گھونٹ کر ایک ویران مندر میں دفن کر دیا۔میری زندگی باقی تھی۔ میں مرا نہ تھا۔صرف بے ہوش ہو گیا تھا۔مندر کے پجاری نے مجھے قبر سے نکالا میرا علاج معالجہ کیا اب میں اچھا ہو گیا ہوں تو بھیس بدل کر وہاں سے روانہ ہوا۔ اب آپ کے پاس دادرسی کے لیے آیا ہوں کہ میری ریاست مجھے دلا دیں۔میں تمام عمر آپ کا زیربارِ احسان رہوں گا اور علاوہ گراں قدر نذرانہ کے ہمیشہ آپ کا باجگذار بھی رہوں گا''۔

حیدر علی نے غور سے اس کی حکایت کو سنا۔ قریب بلا کر اس کی گردن کا معائنہ کیا۔ اس کی آنکھوں کو دیکھا۔پھر جیسے اس کے بیان کا یقین کر رہا ہو اس کی آواز پر غور کیا۔ اس سے معلوم ہوتا تھا کہ بولنے والے کے حلق پر کافی زور پڑا تھا۔

''ہمیں تم سے ہمدردی ہے۔ہم تو خود بدنور کی فکر میں تھے۔تمہاری حکایت کو صحیح سمجھنے میں ہم کو زیادہ شبہ نہیں۔ مگر جب تک ہم بدنور کو فتح نہ کر لیں تمہیں ہماری حراست میں رہنا پڑے گا۔سیاست کا یہی تقاضا ہے لیکن جونہی ہم نے بدنور کی مہم کو سر کر لیا تمہیں وہاں کی حکومت سونپ دی جائے گی۔امید ہے کہ اپنے دعوے کی تائید میں تمہارے پاس بدنور میں ثبوت ہو گا''۔آخر حیدر علی نے کہا

''بدنور کا بچہ بچہ مجھے جانتا ہے کیونکہ متوفی راجہ جس نے مجھے متبنّٰی کیا تھا ہر دم مجھے اپنے ساتھ رکھتا تھا۔رہا مجھے حراست میں لینے کا سوال تو اس کے لئے میں تیار ہوں۔ جب آپ عیاش رانی اور ریاست کے غدار وزیر کو گرفتار کر لیں اور بدنور فتح ہو جائے تو اس کے بعد اپنا مکمل اطمینان کر لینے پر مجھے رہا کریں''۔نوجوان نے کہا۔

چنانچہ دوسرے ہی روز حیدر علی نے نوجوان کو ہمراہ لے کر فوج کو کوچ کا حکم دیا۔

ہراول میں خود ٹیپو تھا۔چنانچہ وہ جنگل دشت وصحرا، پہاڑ اور ندی نالے طے کرتا ہوا اس قدر چپ چاپ طریقے پر فوج کو لے گیا کہ کسی کو کانوں کان خبر نہیں ہوئی راستے میں

جو چھوٹے چھوٹے قلعہ پڑے ان سے بچکر نکل گئے۔ ان کو سر کرنا بیکار تھا۔ بدنور کے سقوط کے بعد وہ خود بخود سر ہو جانے والے تھے۔

ٹیپو کی حکمت عملی سے تمام فوج اس خاموشی سے بدنور جا پہنچی کہ رانی کو خبر تک نہیں ہوئی۔ آخر جب شہر پناہ کا محاصرہ ہو گیا تو اس کی آنکھیں کھلیں۔ مگر اسی وقت قلعہ بند ہو کر بیٹھ گئی۔ حیدر علی نے اتمام حجت کے طور پر رانی سے کہلوایا کہ قلعہ ہمارے حوالے کر دیا جائے۔ رانی نے اس پیغام کو ٹھکرا دیا۔ بلکہ قلعہ پر سے نواب کی فوج پر حملہ بول دیا۔ اب مجبوراً حیدر علی کو بھی جنگ چھیڑ دینی پڑی۔ کئی گھنٹے تک جدال و قتال کی گرم بازاری قائم رہی۔ آخر ٹیپو اپنے ایک جانباز دستے کو لے کر فصیل پر جا چڑھا اور قلعہ فتح کر لیا۔ اس کے بعد رانی بھی گرفتار ہو گئی اور عزت و آبرو کے ساتھ حیدر علی کے حضور میں پیش کی گئی۔

رانی کی عمر تیس سال کے قریب ہو گی۔ گورا رنگ، تیکھا ناک نقشہ بڑی بڑی آنکھیں جن میں بڑے اہتمام سے کاجل لگایا گیا تھا۔ سرخ کارچوبی کا گھیر دار لہنگا جس سے اس کی کمر اور کولہے بڑے دلفریب نظر آ رہے تھے۔ خوبصورت ہاتھوں میں مہندی۔ گلے میں جواہرات کا نولکھا ہار، پنڈلیوں تک سونے میں پیلی، ہاتھوں میں جواہرات کی پہنچیاں اور ناک میں ہیرے کی کیل۔ ایسی بانکی ادائیں کہ مؤدب نگاہیں بھی قابو سے باہر ہوئی جا رہی تھیں۔ اس کی بوٹی بوٹی پھڑک رہی تھی اس کی شوخیوں سے گھبرا کر نوجوان شہزادہ ٹیپو تو اٹھ کر چل دیا اور رانی اس نوعمر سجیلے بہادر کو اشتیاق سے دیکھتی رہ گئی۔

''یہ کس کا لڑکا تھا کیا ایسے نوجوان بھی نواب صاحب کی فوج میں ہیں''۔ رانی نے کسی سے دریافت کیا۔ وہ اس قدر نڈر تھی کہ باجبروت حیدر علی کے دربار میں بھی اسی طرح بے تکلفانہ بیٹھی تھی جیسے اپنے ہی محل میں ہے۔

''یہ ہمارے اعلیٰ حضرت سلطان حیدر علی کے بہادر فرزند ارجمند ہیں''۔ کسی سردار نے رانی کے سوال کا جواب دیا۔

''انہیں واپس بلاؤ نہ۔ دیکھنے کو جی چاہتا ہے''۔ رانی نے کہا۔ اب کسی نے جواب نہیں دیا۔ حیدر علی دور تھا اس لئے اس کی گفتگو نہ سن سکا۔ اسے باتیں کرتا دیکھ کر آخر اس نے حکم دیا کہ رانی کو قریب بلایا جائے۔

''آپ کیا چاہتی ہیں''؟ آخر حیدر علی نے اپنی دبدبہ خیز آواز میں رانی سے دریافت کیا۔

ONE URDU FORUM . COM
® SCANNED PDF By HAMEEDI

''بس یہ کہ آپ میرے عیش میں مخل نہ ہوں''۔ رانی نے لبھانے کے انداز میں مسکرا کر جواب دیا۔

بھلا حیدر علی پر کسی ساحرہ کا جادو کیسے چل سکتا تھا۔ وہ تو نہ اس کے عشووں سے متاثر ہوا نہ حسن سے۔

''حکومت کرنے والے ہمیشہ عیش و عشرت کی زندگی سے دور رہا کرتے ہیں''۔ حیدر علی نے کہا۔

''کیا آپ عیش نہیں کرتے۔ آپ کے حرم میں بھی کئی بیگمات ہوں گی''۔ رانی نے شوخی سے کہا۔

''میری صرف ایک ہی بیوی ہے اور وہ بڑی نیک ہے''۔ حیدر علی نے کہا۔

''میں نہیں مان سکتی۔ اچھا وہ کتنی خوبصورت ہے''؟ رانی نے مسکرا کر پوچھا۔

''دیکھئے ہم یہاں حرم سرا اور عورتوں کا ذکر کرنے نہیں آئے ہیں بلکہ ہمارے یہاں آنے کا مقصد یہ ہے کہ ریاست اس کے جائز حقدار کے سپرد کی جائے''۔ حیدر علی نے کہا۔

''جائز حقدار تو میں ہوں۔ اس نگر کا راجہ میرا پتی تھا''۔ رانی نے کہا۔

''لیکن تمہارے پتی راجہ نے مہابدی کو متبنّٰی اس لئے کیا تھا کہ اس کے کوئی اولاد نرینہ نہ تھی جس کو گدی پر بٹھاتا۔ اس لئے قاعدہ ریاست کا وارث مہابدی ہے۔ ہم یہ ریاست اسی کے سپرد کریں گے''۔ حیدر علی نے کہا۔

''آپ سے کہا کس نے تھا کہ آپ ہمارے ثالث بن کر آئیں''۔ رانی نے کہا۔

''مہابدی نے، وہ مظلوم ہے اور مظلوم کی حمایت کرنا ہر انسان کا فرض ہے''۔ حیدر علی نے کہا۔

''مگر ریاست چھن جانے کے بعد میرا گزارا کس طرح ہو گا۔ کہاں سے میرے کپڑے زیور اور سنگار کا خرچ چلے گا''۔

''اس کے لیے ہم مہابدی سے کہہ دیں گے کہ وہ تمہارا کچھ وظیفہ مقرر کر دے''۔

''میرے اخراجات بہت وسیع ہیں مہابدی پورا کر سکے گا ان کو''۔ رانی نے کہا۔

''کم خرچ کرو اور کفایت کے ساتھ زندگی گزارو''۔ حیدر علی نے کہا

''یہ میری عادت نہیں''۔

''اچھا تو یہ طے ہے کہ آج سے ہی مہابدی بدنور کا راجہ مقرر کیا جاتا ہے۔ اور تم اس کی وظیفہ خوار۔ خبردار اس سے انحراف نہ کرنا۔ اگر تم نے کوئی غلط قدم اٹھا کر ہمارے حکم کی خلاف ورزی کی تو ہم پھر چڑھائی کر دیں گے''۔ حیدر علی نے کہا۔

غرض تھوڑی سی رود کد کے بعد رانی آمادہ ہوگئی۔ اور دوسرے روز حیدر علی نے مہابدی کی گدی نشینی کی رسم اپنے سامنے ادا کی۔

اس سے فارغ ہوکر فوج کو ذرا آرام دینے کے لیے حیدر علی نے شہر سے ذرا فاصلہ پر پڑاؤ ڈالا۔ چونکہ یہ بڑا رنگین مقام تھا اور یہاں کی عورتیں بھی خوبصورت تھیں اس لیے فوجیوں نے بے اعتدالیاں کرنی شروع کیں۔ حیدر علی کے علم میں یہ واقعات آئے تو اس نے اس قسم کے لوگوں سے سخت باز پرس کی۔

حیدر علی نے یہاں کئی روز تک قیام کیا۔ اس دوران میں عیش پسند و عاشق مزاج رانی نے مہابدی پر ڈورے ڈالنے شروع کیے۔ حالانکہ وہ اس کے متوفی شوہر راجہ کا متبنیٰ تھا اس طرح اس کا بھی لڑکا ہوتا تھا۔ مگر رانی کو اپنی خلوت کے لئے نوجوانوں کی ضرورت رہا کرتی تھی۔ آخر ایک رات کو اس کی خوابگاہ میں جا پہنچی اور اپنے حسن کے کرشموں سے اس کو رات کی رنگینیاں بخش کر شیشے میں اتار لیا۔

''مہابدی تجھے مجھ جیسی عورت تمام دنیا میں نہیں مل سکتی تھی''۔ رانی نے اس کی آغوش میں جذب ہوکر کہا۔ وہ لٹو ہوکر رہ گیا۔ غرض ایک ہفتہ میں مہابدی بھی اپنے محسن و مربی حیدر علی سے باغی ہوگیا۔ اور برہمن وزیر کے مشورے سے حیدر علی کے خاتمہ کی تجاویز تیار کیں۔

''میرا یہ خیال ہے کہ نواب کے کیمپ کو بارود سے اڑا دیا جائے۔ پڑاؤ کے پاس ایک مندر ہے وہاں سے اور نواب کے خیمے تک سرنگ بنا کر بارود بھر دی جائے اور پھر سرنگ اڑا دی جائے''۔ وزیر نے کہا۔

''مگر کسی طرح نواب کو خبر نہ ہو جائے۔ وہ بڑا تیز آدمی ہے''۔ مہابدی نے حیدر علی سے خوف کھاتے ہوئے کہا۔

''ڈرو نہیں۔ اسے خبر نہیں ہوسکتی''۔ رانی نے اپنے محبوب کی تسکین کے لئے کہا۔ غرض یہی کیا گیا۔ حیدر علی کے خیمے سے قریب ایک مندر تھا۔ چنانچہ مندر سے لے کر نواب کی جائے قیام تک زمین میں ایک سرنگ بنائی گئی اور اس کو بارود سے بھر دیا گیا۔ اس

کارروائی سے فارغ ہوکر اب رات آنے کا انتظار تھا۔ لیکن مندر کا پجاری مسلمانوں کی پاکبازی اور شریفانہ برتاؤ سے اتنا متاثر ہوا تھا کہ اس سازش کو برداشت نہ کر سکا۔ حیدر علی ابھی خیمہ میں داخل نہیں ہوا تھا۔ پجاری نے کہیں اسے جا پکڑا اور اس خطرناک بھید سے اس کو باخبر کر دیا۔ حیدر علی نے اس کو انعام و اکرام سے نوازا اور تحقیق حال کے طور پر زمین کھدوائی تو بارود نکلی۔ چنانہ ایک منٹ جائع کیے بغیر اس نے پھر شہر پر چڑھائی کر کے قبضہ کر لیا۔ برہمن وزیر کو اسی وقت قتل کر دیا گیا۔ مہابدی کو قید کر لیا گیا اور رانی کو دیس نکالا دے دیا گیا۔ اس طرح بدنور حیدر علی کے قبضہ میں ہوگیا۔ اور پندرہ کروڑ روپیہ اس کے ہاتھ لگا۔

ONE URDU FORUM . COM
® SCANNED PDF By HAMEEDI

باب نمبر8

بدنور کی فتح سے حیدر علی بہت خوش ہوا اور اس شہر کا نام اپنے نام کی مناسبت سے حیدر نگر رکھا جو آج تک مشہور ہے اگر چہ اب ایک چھوٹی سی بستی ہے۔ یہ اس کے فرزند ٹیپو سلطان کی رہبری کا نتیجہ تھا۔ اگر وہ بدنور کے حالات سے اپنے والد کو آگاہ نہ کرتا تو نواب اس طرف کا رخ نہیں کرسکتا تھا۔ اس کے یہ معنی نہیں کہ حیدر علی اپنے گردونواح کے حالات سے لاعلم تھا یا قرب و جوار کی حریف ریاستیں اس کے علم میں نہیں تھیں۔ مگر ٹیپو سلطان تو معلومات کی کان تھا۔

حیدر علی فرانسیسیوں اور انگریزوں کی شدید آویزش سے بھی باخبر تھا کہ یہ دونوں یورپین قومیں یورپ میں بحری جنگوں میں الجھی ہوئی ہیں۔ اس لیے انگریزوں کو ہندوستان سے نکالنے کے لئے فرانس والوں سے دوستی گانٹھنا نہایت ضروری تھا۔ اسی بنا پر بالکل ابتدائی خیر سگالی کے طور پر نواب نے فرانس کے بادشاہ لوئی ہشتم کے پاس ایک دوستانہ خط روانہ کیا تھا۔ جس سے وہ بہت متاثر ہوا۔ اور ان ابتدائی دوستانہ مراسم کے نتیجے میں میسور کے اندر فرانسیسیوں کی آمد و رفت شروع ہوگئی تھی۔ ان تمام کاروائیوں میں ٹیپو سلطان کا ذہن رسا کام کررہا تھا تمام اسکیمیں اسی کی بنائی ہوئی تھیں اسلئے وہ ان کے بڑے نتیجہ کا انتظار کررہا تھا۔

''ابا آپ مالا بار کے حالات سے تو واقف ہوں گے ہی''۔ ایک روز ٹیپو نے اپنے والد سے دریافت کیا۔

''ہاں واقفیت تو ہے۔ ساحل مالا بار پر دراصل بغرضِ تجارت مدت تک عربوں کا آنا جانا ہوتا رہا ہے اور بے شمار عرب وہیں آباد ہوگئے ہیں۔ جو موپلا کہلاتے ہیں۔ لیکن سنا ہے کہ غریب موپلوں پر آس پاس کے راجہ اور رئیس بڑا ظلم کرتے ہیں''۔ حیدر علی نے کہا۔

''جی ہاں وہ موپلوں کو ایک لمحہ چین سے نہیں بیٹھنے دیتے۔ لیکن ابھی چند روز کی

ONE URDU FORUM . COM
® SCANNED PDF By HAMEEDI

بات ہے وہاں عجیب وغریب واقعہ ہوا ہے''۔ ٹیپو نے کہا

''کیا ہوا ہے''؟ نواب نے دریافت کیا

''کمیدان محمد علی سے دریافت فرمائیں۔ یہ واقعہ ان کا چشم دید ہے''۔ ٹیپو نے کہا۔

''کمیدان محمد علی وہاں کس طرح جا پہنچا''؟ نواب نے پوچھا۔ کمیدان محمد علی نواب کا قابل اعتماد اور بڑا بہادر جنرل تھا۔

''وہ اپنے طور پر ادھر ادھر گشت کرتے رہتے ہیں''۔ ٹیپو نے جواب دیا۔

غرض دوسرے روز نواب نے محمد علی کو بلایا۔ اسوقت ٹیپو موجود نہ تھا اور اس سے مزاج پرسی کے بعد بولا۔

''کل چھوٹے نواب (ٹیپو سلطان) کہہ رہے تھے کہ تم مالا بار کا چکر لگا کر آئے ہو اور یہ کہ وہاں کوئی واقعہ تمہاری نظر سے گزرا ہے''۔

''جی ہاں۔ میں خود آپ کو سنانے والا تھا'' محمد علی نے جواب دیا۔

''اچھا تو سناؤ''

''فوجی کی زبان میں سناؤں یا من وعن گوش گزار کروں''۔ محمد علی نے پوچھا۔

''خواہ کسی زبان میں سناؤ مگر گھڑی ہوئی حکایت نہ ہو''۔ حیدر علی نے ہنس کر کہا۔

''جی نہیں خالص دلوں کا واقعہ ہے''۔

''یعنی کوئی عشق محبت کی بات ہے''؟ حیدر علی نے مسکرا کر پوچھا۔

''جی ہاں بڑی دلچسپ''۔

''یہ کیا مصیبت ہے محمد علی۔ اس طرف کے مرد و عورت اس قدر عشق باز کیوں واقع ہوئے ہیں۔ ابھی حیدر نگر میں ہم ایک اسی قسم کا واقعہ دفن کر کے آرہے ہیں کہ پھر کوئی ایسی ہی چیز مالا بار کی طرف رونما ہوگئی''۔ نواب نے کہا۔ محمد علی فرط ادب سے ہنس نہیں سکتا تھا۔ اس کے کلمات سنکر صرف ہنسی ضبط کر کے رہ گیا۔

''چونکہ یہ آپ کی لائن نہیں اس لئے یہ واقعات آپ کو عجوبہ معلوم ہوتے ہیں ورنہ قدم قدم پر مرد و عورت آپس میں الجھے ہوئے نظر آئیں گے۔ امن و فراغت کا یہی نتیجہ ہے کہ محبت بڑی تیزی سے جاگ اٹھتی ہے''۔ آخر محمد علی نے کہا۔

''اچھا تفصیل سے سناؤ کیا واقعہ رونما ہوا تھا مالا بار میں''؟ نواب نے دریافت کیا۔

''اجازت ہوتو پہلے میں مالا بار کی ابتدائی تاریخ چند الفاظ میں پیش کردوں''؟ محمد علی نے کہا۔

''کر سکتے ہو۔ اتنا تو ہم بھی جانتے ہیں کہ سواحل مالا بار پر تجارت کے سلسلہ میں عرب سے اکثر تجار آتے جاتے رہتے تھے۔ جن کی بہت بڑی تعداد وہیں آباد ہوگئی تھی۔ جو آج موپلا کہلاتے ہیں'' حیدر علی نے کہا۔

''جی ہاں آپکا خیال بالکل درست ہے''۔ محمد علی نے کہا ان عرب تاجروں نے ایک دو چھوٹی چھوٹی ریاستیں بھی قائم کرلی تھیں اور ان کے اخلاق وتمدن سے متاثر ہوکر وہاں کئی ہندو معمولی ریاستیں بھی مسلمان ہوگئی تھیں جن کا مختصراً ذکر ابن بطوبہ کی تاریخ میں موجود ہے۔ آپ تک شاید یہ خبر نہ پہنچی ہو مگر جب سے مالا بار کی مسلم ریاستوں کو جناب کے اقبال وعروج کی خبر ہوئی ہے ان میں سے ہر ریاست آپ سے خواہانِ امداد ہے کیونکہ انکو چو طرف سے غیر مسلم بڑی بڑی ریاستوں نے گھیر کر پریشان کرنا شروع کردیا ہے''۔

''ہم انشاءاللہ ان کی جلد امداد کریں گے''۔ نواب نے جواب دیا۔

''اسے تائید غیبی سمجھئے کہ جس واقعہ کا میں ذکر کرنے والا ہوں اس کی وجہ سے آپ کے مشن کو تقویت پہنچنے کے اسباب پیدا ہوگئے ہیں۔ ہوا یہ کہ وہاں کا راجہ نائیر ایک روز ہاتھی پر سوار بازار سے گزر رہا تھا اس کی نوجوان حسین لڑکی بھی ساتھ تھی کہ کسی وجہ سے دفعتاً ہاتھی بگڑ گیا۔ مہاوت نے اس کو قابو میں رکھنے کی انتہائی کوشش کی مگر ہاتھی کی وحشت کم نہیں ہوئی۔ وہ بدمست ہوکر بھاگا جس سے کئی آدمی کچل گئے۔ قریب تھا کہ راجہ اور اس کی لڑکی بھی ہلاک ہوجائیں۔ کہ ایک مسلمان خوبرو نوجوان اس طرف سے گزرا۔ اس کا نام علی ہے۔ اس نے جو یہ حالت دیکھی اور راجہ کو قریب ہلاکت پایا تو تیزی سے آگے بڑھ کر بکمال جوانمردی ہاتھی کے نیزہ مارا۔ ہاتھی درد سے چنگاڑ اٹھا مگر اس نے لپک کر دلاور علی کو سونڈ میں لپیٹ لیا''۔

''پھر کیا ہوا''؟ نواب نے اشتیاق سے دریافت کیا۔

''دلاور علی نے اپنے اوسان بجا رکھے اور تیزی سے پیش قبض کھینچ کر ہاتھی کی سونڈ پر رسید کیا جس سے کٹ کر وہ آدھی لٹک گئی اور علی اس بلا سے رہا ہوگیا۔ اب اس نے ہاتھی کو دوسرے حملہ کی مہلت دیئے بغیر بجلی کی طرح نیزے کا بھرپور ہاتھ اس زور سے اس کی مستک پر مارا کہ وہ چنگاڑ کر زمین پر لیٹ گیا۔ اس کے بعد علی لپکا اور اس نے راجہ اور اس کی لڑکی کو ہاتھی کی پشت سے گھسیٹ لیا اور بھاگ کر ایک مندر میں پناہ کے لئے جا گھسا''۔

ONE URDU FORUM . COM
® SCANNED PDF By HAMEEDI

''ہاتھی نے اٹھ کر ان تینوں کا تعاقب نہیں کیا''؟ نواب نے پوچھا۔

''علی کے قوی ہاتھ کا نیزہ شاید ہاتھی کے مغز تک اتر گیا تھا۔ اس لیے وہ گرنے کے بعد پھر اٹھ نہ سکا وہیں تودہ لحم کی شکل میں پڑا تڑپتا رہا۔ خیر تو جب مندر میں جا چھپنے کے بعد تینوں کے حواس ذرا ٹھکانے آئے تو راجہ نے خوش ہوکر علی کے ہاتھوں کو چوم لیا اور بولا۔

''شاباش بہادر نوجوان تم نے بڑا کام کیا۔ اگر تم اپنی جان پر کھیل کر ہماری مدد نہ کرتے تو میرا اور میری پیاری بیٹی کا آج کام تمام ہوجاتا''۔

''یہ میرا انسانی فرض تھا راجہ صاحب''۔ علی نے جواب دیا مگر اس کی لڑکی اس بہادر وجیہہ پر ہزار جان سے عاشق ہوگئی۔ اسے پرمحبت نظروں سے دیکھتی ہوئی بولی۔

''آپ تو ایسے اچھے آدمی ہیں کہ یہاں کی کنواریاں آپ کی پوجا کریں''۔

''تم نے یہ ان کی گفتگو کہاں جا کر سن لی''؟ نواب نے مسکرا کر پوچھا۔

''یہ تمام واقعہ میرے سامنے کا ہے۔ بندہ نواز۔ میں بھی ان تینوں کے پیچھے پیچھے مندر میں چلا گیا تھا'' محمد علی نے جواب دیا۔

''تو تم اس راجکماری سے اپنا دل نہیں ہار آئے ہو''۔ نواب نے مسکرا کر کہا۔ اس کے مزاج میں ظرافت بھی کافی تھی۔ محمد علی مسکرا کر خاموش ہوگیا۔ آخر بولا

''میں نے حضور یہ تمنا ضرور کی تھی کہ کاش علی کی جگہ یہ کارنامہ مجھ سے سرزد ہوا ہوتا اور میں اس حسین دوشیزہ کی خوشنودی حاصل کرسکتا''۔ نواب خوب ہنسا۔

''یعنی تم بھی متاثر ہوکر آئے ہو اس ساحرہ سے مگر اب تو وہ علی سے دل ہار چکی ہے۔ اس لئے تمہاری حسرت بیکار ہے''۔ نواب نے ہنستے ہوئے کہا۔

''میں کوئی حسرت نہیں رکھتا حضرت۔ خیر تو راجکماری کے یہ الفاظ سنکر علی نے بھی سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا اور میں سمجھ گیا کہ وہ بھی ایک ہی نظر میں اس کا گھائل ہوگیا ہے

''کیا نام ہے بیٹے تمہارا''؟ راجہ نے علی سے دریافت کیا۔ اس نے اپنا نام بتایا۔

''کیا کام کرتے ہیں آپ''؟ راجکماری نے پوچھا۔

''یہاں سے ذرا فاصلہ پر ایک علاقہ ہے۔ میرے والد اس کے رئیس ہیں''۔ نوجوان علی نے جواب دیا۔ اس سے دونوں باپ بیٹی خوش ہوئے۔

''لیجئے میں انعام کے طور پر اپنی یہ مالا آپ کو دیتی ہوں''۔ راجکماری نے سچے موتیوں کی مالا اپنی گردن سے اتار کر علی کی طرف بڑھائی۔

''میں انعام قبول کرنے کا عادی نہیں''۔ خوددار علی نے جواب دیا پھر جیسے اسے راجکماری پر پیار آ گیا ہو مسکرا کر بولا۔ یہ مالا آپ کی خوبصورت گردن میں زیادہ زیب دے گی۔ یہ سپاہی کے کس مصرف کی''۔

''لے لو یہ انعام نہیں ہے۔ شکریے کے طور پر قبول کرلو''۔ راجہ نے بھی علی سے کہا۔

''بہتر ہے مگر گلے کی چیز ہاتھ میں کیوں دی جارہی ہے۔ گلے میں ڈالنی چاہیے''۔ علی نے مسکرا کر راجکماری سے کہا۔ وہ شرما گئی۔ راجہ ہنسنے لگا پھر بولا۔

''یہ اس لئے شرما رہی ہے کہ ہمارے ہاں لڑکیاں صرف اپنے ہونے والے پتی کی گردن میں مالا ڈالا کرتی ہیں''۔

''یہ میرے نصیب میں کہاں''؟ علی نے حسرت سے کہا اور جھجکتے ہوئے راجکماری کی طرف دیکھا۔ راجکماری ذرا آگے بڑھی اور پھر لپک کر اس نے مالا علی کی گردن میں ڈال دی اس کے بعد شرما کر تیزی سے اپنے باپ کے پیچھے آ چھپی۔

''واللہ! خوب'' نواب نے مسرور ہوتے ہوئے کہا۔ ''اچھا پھر کیا ہوا''؟

''راجہ پہلے تو اپنی لڑکی کی اس حرکت سے بھونچکا سا رہ گیا۔ پھر مسکرانے لگا۔

شاید غیور علی نے اس کی سراسیمگی تاڑ لی تھی۔ چنانچہ ہاتھ بڑھا کر مالا اپنے گلے سے اتارنے لگا کہ راجہ نے اسے منع کرتے ہوئے کہا۔

''یہ کیا کرتے ہو اتارنا نہیں اسے۔ یہ ہم سخت منحوس سمجھتے ہیں''۔ علی رک گیا مگر چونکہ گلے میں ایک زنانہ مالا آ پڑی تھی اس لئے اس کو پہنے ہوئے باہر نکلنے میں شرم محسوس کررہا تھا۔ آخر اس نے اپنا پٹکا کھول کر گردن میں لپیٹ لیا۔

''اب چلیں پتا جی مجھے رات کو اسی مندر میں دیوی کے لئے پرشاد لانا ہے۔ اس نے آج ہماری جان بچائی ہے''۔ آخر راجکماری نے اپنے باپ کے پیچھے سے نکل کر کہا۔

''یہ قدرت صرف خدا میں ہے شہزادی مورتیاں اس معاملہ میں عاجز ہیں''۔ علی نے اپنے صنم سے کہا۔ مگر وہ دیوانہ اتنا نہ سمجھا کہ رات کو مندر میں آنے کا اعلان کر کے اس کی محبوبہ نے اس کو اطلاع دی ہے کہ اگر ملاقات کا اشتیاق ہے تو ہم سے رات کو مندر میں آ کر ملو۔

''تم بھی اڑتی چڑیا کو پہچانتے ہو محمد علی۔ سچ کہتے ہیں یہ نکتہ ہماری سمجھ میں بھی نہیں آیا تھا''۔ نواب نے ہنستے ہوئے کہا۔

''میں نے عرض کیا نہ کہ یہ چیز آپ کے احاطہ سے خارج ہے''۔ محمد علی نے مسکرا کر کہا۔

''بھئی ہم نے تو صرف اپنی بیگم ہی سے محبت کی اور کرتے رہیں گے۔ اچھا آگے چلو''۔ نواب نے اس قصے میں دلچسپی لیتے ہوئے کہا۔

''راجکماری کو افسوس ہوا کہ یہ عاشق زاد اس کے کنایہ کو نہیں سمجھا۔ چنانچہ اس بار اس نے ہٹ کرتے ہوئے پھر کہا میں تو رات کو ضرور آؤں گی پرشاد چڑھانے کیوں نہ پتا جی''۔

''تیری مرضی''۔ دیکھنا بیٹے ذرا باہر جا کر۔ ہاتھی کا کیا حال مر گیا یا زندہ ہے''۔ راجہ نے علی سے کہا اس سوال پر میں اس طرح نمودار ہوا جیسے باہر سے آرہا ہوں اور اپنے راجہ کی اطلاع کے لئے کہا کہ ہاتھی اب تک تڑپ رہا ہے۔ وہ شاید بچے گا نہیں۔ میری طرف کوئی متوجہ نہیں ہوا۔ راجہ نے علی سے مسکرا کر کہا۔

''تمہارے بازوؤں میں کس بلا کی قوت ہے کہ ہاتھی کو زمین دوز کر دیا''۔

''ایسا نیزے کا دھنی ہم نے بھی آج تک نہیں دیکھا''۔ راجکماری نے بھی اپنے محبوب کو داد دیتے ہوئے کہا۔ اس کے بعد دونوں کی دزدیدہ نظروں کو معانقہ ہوا اور راجہ پالکی میں سوار ہو کر مع اپنی لڑکی کے چلدیا۔ چلتے چلتے علی سے کہتا گیا کہ کسی روز آ کر اس سے ضرور ملے۔

جب علی مندر سے باہر نکلا تو میں اس سے پہلے نکل کر آ کھڑا ہوا تھا۔ میں نے اسے سلام کیا اور روک کر اس طرح اس سے اپنا تعارف کرایا گویا میں نے صرف باہر اس کی بہادری کا سین دیکھا تھا۔ مندر والے اس کے معاشقہ سے نابلد تھا۔ اسے جب معلوم ہوا کہ میں حضور کے نمک خواروں میں سے ہوں تو بیحد مسرور ہوا اور بڑے تپاک سے مصافحہ کرتے ہوئے بولا۔

''میں تو آپ کے سلطان کے نیاز حاصل کرنے کے لئے مرا جارہا ہوں۔ کہاں ملاقات ہوسکتی ہے ان سے''؟

ONE URDU FORUM . COM
® SCANNED PDF By HAMEEDI

''آپ چاہیں تو خود ان کی خدمت میں حاضر ہو جائیں اور اگر کوئی پیغام پہنچانا ہو تو مجھ سے فرمائیں۔ میں اپنے والا مرتبت نواب کے معتمد آدمیوں میں سے ہوں''۔ میں نے کہا۔

''میں خود بھی حاضر ہوں گا۔ مگر سر دست آپ صرف میرا یہ پیغام پہنچا دیجئے کہ اس طرف موپلوں پر خواب و خور حرام کر دیا گیا ہے۔ کوئی ایسی تدبیر کیجئے کہ ہمارے دشمن ہمیں گزند پہنچانے سے باز رہیں''۔ علی نے جواب دیا۔

''آپ ان کو محبت سے فتح کیوں نہیں کرتے''؟ میں نے مسکرا کر کنایتہً کہا۔

''محبت تو وہاں کام دیتی ہے جہاں اس کا خیر مقدم ہو۔ اس کے بجائے یہاں تو نفرت کا دور دورہ ہے اس نے کہا۔

''خیر گھبرائیے نہیں۔ خدا کوئی سبیل پیدا کرے گا''۔ میں نے کہا چونکہ میں نے آپ سے استصواب نہیں کیا تھا۔ اس لیے کوئی وعدہ نہیں کر سکتا تھا اور نہ اس کو کوئی صریح امید دلا سکتا تھا۔ اسلئے میں نے اسے صرف صبر سے کام لینے کی تلقین پر اکتفا کی۔ لیکن مجھے ابھی اس نوجوان کی آج کی تازہ تازہ محبت کا انجام دیکھنا تھا اور دل میں دعا مانگ رہا تھا کہ خدا کرے وہ اپنی محبت میں کامیاب ہو بہر حال تھوڑی دیر اس سے باتیں کر کے چلا آیا اور پھر ملنے کا وعدہ کیا۔

ONE URDU FORUM . COM
® SCANNED PDF By HAMEEDI

باب نمبر9

اچھا چند منٹ کے لئے اپنی کہانی ختم کرو۔ نماز عصر کا وقت تنگ ہوا جا رہا ہے''۔ نواب نے ادائے فریضہ کے لئے اٹھتے ہوئے کہا۔ پھر وہیں وضو کیا اور فرش خاک پر تھا ٹیک دیا۔ اس اثناء میں ٹیپو سلطان بھی نمودار ہوا اور وہ بھی اپنے باپ کی امامت میں شریک نماز ہو گیا۔ شاید ٹیپو کی شب و روز یہی دعا رہا کرتی تھی کہ اس کو درجہ شہادت حاصل ہو۔ حیدر علی سپاہی زیادہ تھا۔ اور مذہبی انسان نسبتاً کم، مگر ٹیپو جس قدر اعلیٰ درجہ کا سپاہی تھا۔ اتنا ہی متقی بھی تھا۔

نماز سے فارغ ہو کر حیدر علی نے ٹیپو سلطان کو روک کر کہا کہ وہ چند آدمیوں کو اپنے ہمراہ لے کر ریاست کنارا کی طرف چلا جائے۔ کنارا اسی ریاست کا نام تھا جس میں وہ واقعہ محبت رونما ہوا تھا۔ جس کا ذکر محمد علی، نواب کو سنا رہا تھا۔ ٹیپو سلطان آداب بجالایا اور رخصت ہوا۔

''ہوں محمد علی۔ پھر کیا ہوا''۔ نواب نے پھر اسی نا تمام داستان کو محمد علی سے سنانے کو کہا۔

خیر تو میں رات کو برہمن کا بھیس بدل کر مندر میں جا پہنچا۔ مجھے ٹوہ لگی ہوئی تھی کہ آخر اس ناٹک کا انجام کیا ہوتا ہے۔ ان عشاق کی آمد کا مجھے بڑا انتظار کرنا پڑا۔ رات چلی گئی تھی اور عبادت گزار لوگ ایک ایک کر کے چل دیئے تھے اب صرف مندر کے باہر صحن میں اکا دکا آدمی پڑا ہوا تھا۔ خود پجاری بھی آخری آرتی کے بعد رخصت ہونے کی تیاری کر رہا تھا کہ میں نے سیڑھیوں پر ایک نوجوان کو چڑھتے دیکھا۔ وہ دھوتی باندھے ہوئے تھا اور اس کے صحت مند جسم پر تن زیب کا چست کرتہ بڑا زیب دے رہا تھا۔ یہ علی صاحب تھے جو اپنی محبوبہ کے اشتیاق وصل سے کھینچ کر آ گئے تھے''۔

''اچھا تو آخر علی راجکماری سے ملنے آ ہی پہنچا''۔ نواب نے مسکرا کر پوچھا۔

''جی ہاں۔ دل کی چوٹ بری ہوتی ہے۔ دوسرے زائرین کی طرح علی مندر کے اندر مورتی کے پاس نہیں گیا بلکہ مندر کے پختہ صحن میں اس طرح ٹہلنے لگا گویا ٹھنڈی ہوا کا لطف لے رہا ہے مگر اس کی نظریں ادھر ادھر بھٹک رہی تھیں میں سمجھ گیا کہ اس کو کس کا انتظار ہے اسے اپنے جذبہ صادق پر بھروسہ تھا۔ اسے یقین تھا کہ اس کی محبوبہ ضرور آئے گی۔

آخر کہیں آدھے گھنٹے کے بعد دور مشعل نظر آئی اور جب قریب آئی تو اس کی روشنی میں ایک پالکی دکھائی دی۔ پالکی کے آگے دو باندیاں سروں پر بڑے بڑے تھال رکھے ہوئے تھیں۔ کہار مندر کی سیڑھیوں کے قریب پالکی روک کر کھڑے ہو گئے اور اس میں سے بصد ناز چودھویں رات کا چاند نمودار ہوا''۔

''محمد علی خدا کے لیے مبالغہ سے کام نہ لو۔ میں نے تم سے شاعری بگھارنے کو نہیں کہا تھا بلکہ صرف واقعہ سنانے کی خواہش ظاہر کی تھی''۔ نواب نے کہا۔

''مگر بندہ پرور میں مبالغہ سے ذرا کام نہیں لے رہا ہوں، اس وقت راجکماری سولہ سنگھار کر کے اپنے عاشق کو لوٹنے آئی تھی''۔ محمد علی نے مسکرا کر کہا۔

اور واقعی مشعل کی روشنی میں وہ چاند کا ٹکڑا معلوم ہو رہی تھی۔ خیر تو وہ باندازِ محبوبانہ سیڑھیاں طے کر کے اوپر آئی۔ علی کی جو اس پر نظر پڑی تو رعب حسن سے پہلے تو مرعوب ہو کر رہ گیا پھر لپک کر اس کی طرف بڑھا۔

''راجکماری نے بھی اپنے محبوب کو دیکھ لیا تھا۔ دلربائی سے مسکرائی اور ہاتھ سے چپکے سے اشارہ کیا کہ ذرا صبر سے کام لو۔ اس کے بعد کنیزوں کو لے کر مندر میں ہار پھول مٹھائی وغیرہ چڑھائے اس نذر و نیاز میں اس کے پندرہ منٹ سے زیادہ صرف ہو گئے ہوں گے۔ آخر اس سے فارغ ہو کر اس نے پجاری کو انعام و اکرام دے کر رخصت کیا۔ اس کے بعد باہر آئی اور اٹھلاتی ہوئی علی کے قریب پہنچی علی نے لپک کر اسے بازوؤں میں لے لیا''۔

''محمد علی! حد سے نہ بڑھو'' نواب نے اس کی بیخودی پر ٹوکتے ہوئے کہا۔

''حد سے میں نہیں بڑھ رہا ہوں شاہا بلکہ وہ بڑھ گئے تھے جن کا میں ذکر کر رہا ہوں۔ بندہ نواز مجھے خاک و خون سے کھیلتے ہوئے کتنی مدت ہو گئی ہے۔ ذرا تو بزم کا لطف لینے دیجئے۔ پھر میں واقعہ بیان کرنے میں ذرا مبالغہ سے کام نہیں لے رہا ہوں اگر آپ میرے بیان کے متحمل نہیں ہو سکتے تو میں اس کو ختم کرتا ہوں''۔ محمد علی نے کہا

''اچھا اچھا خفا نہ ہو''۔ نواب نے مسکرا کر اپنے معتمد جنرل سے کہا۔ پھر ہنس کر

ONE URDU FORUM . COM
® SCANNED PDF By HAMEEDI

بولا''۔ مجھے تمہاری شادی کی بہت جلد فکر کرنی پڑے گی''۔

''اپنی شادی تو عروسِ شمشیر سے ہو گئی ہے''۔ محمد علی نے جواب دیا۔

''اب یہ رزم کی طرف تم آ رہے ہو یا میں۔ اچھا اپنا واقعہ جاری رکھو''۔ نواب نے کہا۔

''راجکماری اب کیا ہو گا''؟

''کچھ نہیں۔ میں تو اب آپ ہی کی ہوں''۔ راجکماری نے صادق محبت ظاہر کرتے ہوئے جواب دیا۔

''مگر تمہارے پتا جی اس رشتہ کو قبول کر لیں گے''؟ علی نے تجسس سے پوچھا

''پتا جی میرا کہنا نہیں ٹالیں گے اس کے علاوہ وہ اتنے کٹر آدمی نہیں کہ ذات پات۔ اور دھرم کو سامنے رکھ کر میری خوشیوں میں حائل ہوں''۔ راجکماری نے جواب دیا۔

''تو میں کل ہی اپنے والد کو راجہ صاحب کی خدمت میں روانہ کر دوں''؟ علی نے اشتیاق و مسرت سے دریافت کیا۔

''آپ کی مرضی''۔ راجکماری نے شرماتے ہوئے جواب دیا۔

''نائر بات کے پکے ہوتے ہیں مجھے امید ہے کہ راجہ صاحب میرے والد کو مایوس نہیں کریں گے''۔ علی نے کہا۔

''میرے ہاتھ کے اور کئی نائر سردار خواہاں ہیں اگر انہوں نے ہمارے رشتہ کی مخالفت کی اور آپ سے طالبِ مبارزت ہوئے تو آپ ان کے مقابلہ کو آمادہ ہیں''؟

''تمہاری نازنین ہستی کی خاطر میں زمانہ سے ٹکر لے سکتا ہوں''۔ علی نے پھر راجکماری کو کلیجے سے لگاتے ہوئے کہا۔

''اچھا اب اجازت ہے کافی دیر ہو گئی''۔ راجکماری نے کہا۔

''خدا حافظ، علی نے غمگین لہجہ میں کہا۔ راجکماری نے اس کے گلے میں ہاتھ حمائل کر دیئے۔ پھر رخصت ہوئی۔ چند منٹ بعد علی بھی چل دیا۔ چونکہ تماشہ ختم ہو چکا تھا اس لئے میں بھی روانہ ہوا''۔

''اس کے بعد کے واقعات مجھے خود علی نے سنائے۔ دوسرے ہی روز اس کا رئیس والد قیمتی تحائف لے کر راجہ نائر کے پاس پہنچا اور بڑی امیدوں کے ساتھ اپنے بہادر اور ہونہار بیٹے کا پیغام پیش کیا۔

''علی میرا اکلوتا بیٹا ہے راجہ صاحب۔ خدا نے ہمیں اپنے فضل سے اتنا دیا ہے کہ راجکماری اگر دونوں ہاتھوں سے بھی دولت کو لٹائے گی تو پشتہا پشت تک ختم نہیں ہوگی۔ اللہ نے تجارت میں بڑی برکت دی ہے اس کے علاوہ میرا علی ایک نہایت صالح اور بہادر نوجوان ہے۔ وہ ہمیشہ آپ کی خدمت کرے گا اور اپنی چہیتی بیگم کو ابدالآباد تک خوش وخرم رکھے گا۔ علی کے والد نے راجہ سے کہا۔ راجہ اس پیغام کو سن کر چپ ہوگیا۔ علی اس کا محسن تھا اس نے اس کی اور راجکماری کی جان بچائی تھی وہ بڑا بہادر اور وجیہ لڑکا تھا۔ شاید تمام ریاست میں اس کا مثیل کوئی نوجوان نہ ہوگا۔ راجہ خود اسے پسند کرتا تھا مگر برادری والے کیا کہیں گے۔ پرواہ نہیں اپنی قرۃ العین کی خاطر وہ سب کچھ گوارا کرسکتا ہے۔ راجہ کو یہ خیالات آرہے تھے۔

''آپ کی خاموشی سے مجھے خلجان سا ہوا جارہا ہے راجہ صاحب''۔ علی کے والد نے راجہ کو چپ پا کر کہا۔ آخر راج نے مسکرا کر اپنی بیٹی کی طرف دیکھا اور بولا۔

''اس مسئلہ کا تصفیہ صرف راجکماری کرسکتی ہے جاگیردار صاحب''۔

''میں تو ان کے گلے میں اسی روز مالا ڈال چکی تھی پتا جی''۔ راجکماری نے شرماتے ہوئے کہا۔

''لیجئے فیصلہ ہوگیا۔ ہمیں یہ رشتہ بخوبی منظور ہے''۔ راجہ نے مسکرا کر علی کے والد سے کہا۔ ان کی مسرت کی انتہا نہ رہی مسلمان آدمی تھا اس لئے ڈنڈوت وغیرہ نہیں کرسکتا تھا۔ بہرحال مناسب الفاظ میں اس نے راجہ کا شکریہ ادا کیا۔ پھر رسم کے طور پر اپنی بہو کو تحفے دیئے۔ اور ادھر سے علی کے لئے ایک بیش قیمت انگشتری اور ایک ہزار اشرفیاں دی گئیں۔ علی کو تو گویا جنت مل گئی۔

جب یہ خبر عام ہوئی کہ راجہ اپنی بیٹی کی شادی ایک مسلمان سے کررہا ہے تو پبلک تو اس سے ناراض نہیں ہوئی مگر نائر برادری میں آگ لگ گئی۔ برادری والے راجہ کے خلاف ہوگئے۔ اس کو سمجھایا بجھایا مگر راجہ کیوں کسی کی مخالفت کی وجہ سے اپنی لڑکی کی مسرت کا خون کرتا، اس نے تاریخ شادی بھی مقرر کردی۔ اب تو تین نائر رئیس بچے جو راجکماری پر مرتے بھی تھے آمادہ بجنگ ہوگئے۔ اس سے راجہ گھبرایا۔ آخر علی اٹھا اور اپنے رقیبوں سے بولا۔

''اگر میں آپ کو سپاہیانہ مقابلہ میں شکست دے دوں پھر تو آپ چپ ہوجائیں گے اور مخالفت نہیں کریں گے''

''ہمیں منظور ہے'' علی کے رقیبوں نے کہا۔

مگر راجکماری کا کلیجہ منہ کو آنے لگا۔ کیونکہ اس کے نام لیوا وہ تینوں بڑے جیوٹ تھے۔ لیکن ہاتھی سے زیادہ جیوٹ نہیں ہوں گے۔ جس کو علی اپنے خاراشگاف نیزے کی زد سے پچھاڑ چکا تھا۔

آخر چار پانچ روز بعد مقابلہ ہوا جس میں بہادر علی نے یکے بعد دیگرے اپنے تینوں رقیبوں کو شکست فاش دی۔ راجہ نے خوش ہوکر اپنے ہونہار داماد پر سے زر و جواہر لٹایا اور دوسرے ہفتے اپنی حسین بیٹی علی کے سپرد کردی۔

راجہ نے اتنا ہی نہیں بلکہ اپنی گدی کا وارث بھی علی کو بنادیا۔ خود حکومت سے دستکش ہوگیا اور علی کو تخت نشین کردیا۔ علی کے قبضہ میں سب سے بڑی ریاست راجکماری کی ذات تھی۔ بہرنوع اس نئے نواب نے نہایت عدل وانصاف سے سلطنت کے کام چلانے شروع کیے مالابار میں ایک مسلمان کی چھوٹی سی حکومت قائم ہوجانے سے موپلوں کو بڑی تقویت ہوئی۔ ان کو بڑی حد تک اپنے اردگرد کے دشمنوں سے نجات مل گئی۔ بس جناب اب تک اتنے ہی واقعات تھے۔ اب آپ توجہ فرمائیں گے تو وہاں کے حالات اور درست ہوجائیں گے''۔ محمد علی نے واقعات ختم کرتے ہوئے کہا۔

''اپنے بیٹے ٹیپو سلطان کو حکم دے چکا ہوں کہ کناڑا جا کر علی راجہ سے ملے اور گردو نواح کے حالات کا مطالعہ کرے''۔ نواب نے کہا۔

''بہت اچھا کیا آپ نے۔ شہزادہ کب روانہ ہوگا''؟

''ٹیپو کو شہزادہ نہ کہو سپاہی زادہ کہو۔ پرسوں روانہ ہوجائے گا''۔ نواب نے جواب دیا۔

اس کے بعد دوسرے ضروری کاموں میں مصروف ہوگیا۔

ONE URDU FORUM . COM
® SCANNED PDF By HAMEEDI

ناول کیلئے ون اردو کے شکر گزار ہیں

باب نمبر10

تین چار روز بعد سلطان نے تھوڑے سے سوار اپنے ہمراہ لئے اور اپنے والد کی ہدایت کے مطابق ریاست کنارا کی طرف روانہ ہوا تا کہ علی سے ملاقات کرے۔

علی اب ریاست کنارا کا راجہ تھا اور اس سے نواب حیدر علی کے مشن کو بڑی تقویت پہنچنے کی توقع تھی کیونکہ مالا بار میں اگر ایک دو ریاستیں مسلمانوں کی ایسی قائم ہو جائیں جو اپنا رشتہ اتحاد میسور سے رکھیں تو ایک طرف موپلوں کی حفاظت کے لئے سلطان کو فوج کشی کی زحمت نہ کرنی پڑے دوسرے حیدر علی کے ہاتھ ایک بحری قوت بھی آجائے۔

جنوبی ریاستوں میں سے دراصل اب تک کسی ریاست کو بھی بحری طاقت بڑھانے یا قائم کرنے کا خیال نہیں آیا تھا۔ کسی راجہ، حکمران یا سلطان کے ذہن میں یہ بات اب تک آئی ہی نہیں تھی کہ بری فوج کی طرح بحری طاقت بھی ایک ریاست کے استحکام کا باعث ہوتی ہے اس باب میں اس تخیل کا سب سے پہلا موجد نواب حیدر علی تھا یہ سہرا اسی کے سر ہے کہ اس نے بحری طاقت قائم کرنے کا منصوبہ تیار کیا اور اس مقصد کی تکمیل کے لئے ٹیپو سلطان جیسے بیدار مغز انسان کو روانہ کیا۔

اس طویل سفر میں ٹیپو نے کہیں جنگ و جدال کی ضرورت نہیں سمجھی۔ اول تو حیدر نگر کی تسخیر کے بعد سے نواب حیدر علی کی جنوب بعید میں دھاک بیٹھ چکی تھی دوسرے راستے میں کوئی ایسی قابل ذکر مخالف ریاست نہیں پڑتی تھی جو ٹیپو کی سدِ راہ ہوتی۔ پھر یوں بھی اس نے عام راستوں سے ہٹ کر راہِ مختصر اختیار کی تھی تا کہ جلد ریاست کنارا تک جا پہنچے۔

سلطان ٹیپو کا عنفوان شباب کا زمانہ تھا۔ سولہ سترہ سال کی عمر ہوگی۔ مسیں بھیگ رہی تھیں اور چہرے پر اب تک لڑکپن کھیل رہا تھا مگر کسی کو کیا معلوم تھا کہ اس معصوم صورت وجیہہ نوجوان کے سینے میں ایک نہایت جری، تدبر آشنا اور پاکباز دل ہے۔ دیکھا جائے تو یہ اس کی شہزادگی کا زمانہ تھا۔ اور اس عمر میں مغل شہزادے تک شاید، شراب اور شکار کے

ONE URDU FORUM . COM
® SCANNED PDF By HAMEEDI

علاوہ رزم سے کم ہی سروکار رکھتے تھے۔ مگر ٹیپو جیسے متورع و پاکباز نوجوان کے لئے یہ تمام باتیں حرام تھیں۔ وہ شاید ہی کسی حسین سے حسین عورت کی طرف نگاہ بھر کر دیکھتا ہوگا۔ اگر ایک بار کے علاوہ دوسری بار اس کی نگاہ کسی عورت پر پڑ جاتی تھی تو تمام دن استغفار و درود کا ورد رکھتا اور کفارہ کے طور پر ایک نفلی روزہ بھی رکھتا۔ اتنے متقی تھے یہ حضرت ٹیپو سلطان۔

آج کل نوجوان لڑکے اور لڑکیاں تاکا جھانکی میں مبتلا رہتے ہیں۔ عشق و محبت تصورات ان کی روحانی غذا ہیں۔ ایک ٹیپو شہید تھا کہ عورت کے تخیل تک سے گریز کرتا تھا۔ حالانکہ اس کا بھی چڑھتا ہوا خون تھا۔ سچ ہے جن لوگوں کو خدا کسی بلند و اعلیٰ مقصد کے لئے پیدا کرتا ہے ان کو اسفل خواہشات کا غلام نہیں بننے دیتا۔ وہ بلند سے بلند تر ہی ہوتے چلے جاتے ہیں۔

ادھر تو نوجوان ٹیپو کے تقویٰ کی عین ریعان جوانی میں یہ حالت تھی ادھر اس کا رضاعی بھائی میر حسین علی خان شاعرانہ طبیعت لے کر آیا تھا۔ اور پاکبازانہ طور پر حسن پرست بھی واقع ہوا تھا۔ حسین علی بڑا شکیل نوجوان تھا۔ تقریباً ٹیپو ہی کا ہم عمر جس مبارک دایہ نے ٹیپو کو دودھ پلایا تھا اسی شریف خاتون کا وہ لڑکا تھا۔ مشکل سے سال چھ مہینے ٹیپو سے بڑا ہوگا۔ اور دونوں میں اتنی شدید محبت تھی کہ حقیقی بھائیوں میں بھی نہ ہوگی۔ میر حسین علی خان کو چند مورخین نے ٹیپو سلطان کا رضائی بھائی نہیں بتایا ہے۔ بلکہ اس کا گھرانا دوسرا لکھا ہے۔ اس میں شک نہیں وہ دوسرے خاندان کا فرد تھا۔ مگر میں نے کسی تاریخ میں دیکھا ہے کہ وہ اس کا دودھ شریک بھائی تھا۔

حسین علی خان رومانی طبیعت کا نوجوان ضرور تھا۔ مگر اس کے یہ معنی نہیں کہ وہ عیاش طبع بھی تھا۔ اس کے برعکس اس نے بھی کم و بیش ایسا ہی پاکباز دل پایا تھا۔ جیسا ٹیپو کو ملا تھا۔ بس ہنس مکھ۔ سجیلا اور زندہ دل واقع ہوا تھا۔ اس کے علاوہ بہادری و جوانمردی کے جوہر اس میں بھی اتنے ہی تھے جتنے اس کے رضائی بھائی نے پائے تھے۔ کیونکہ دونوں کی عمر میں کوئی قابل ذکر تفاوت نہ تھا اس لئے ایک دوسرے سے بالکل بے تکلف تھے اور آپس میں ایک دوسرے کا نام لیا کرتے تھے۔

کنارا کے سفر میں حسین بھی ٹیپو کے ہمراہ تھا۔ ٹیپو تمام راستے درود پڑھتا ہوا چلتا رہتا تھا اور حسین سبزہ زار کوہ و بیابان، آبشار اور جھرنوں کا لطف لیتا ہوا سفر کرتا۔ راہ میں دیہاتی خوبصورت لڑکیاں نظر آئیں تو ان سے بھی ہنسی مذاق کر لیتا۔ حالانکہ نہ تو وہ اس کی

زبان سمجھتیں اور نہ یہ خود ان کی۔ اسی طرح بڑے قصبے کے پاس سے گزرتے ہوئے کبھی پنگھٹ کی طرف گھوڑا دوڑاتا ہوا لیجاتا اور نازک اندام البیلی لڑکیوں کے درمیان جا کھڑا ہوتا جو اس وجیہہ نوجوان کو دیکھ کر شوخیاں کرنے لگتیں۔ اسے پانی پلاتیں اور اس کے گھوڑے کو بھی۔ وہ ان کو راہ میں توڑے ہوئے جنگلی پھول پیش کرتا اور ان کے لجانے، مسکرانے اور اٹھلانے سے لطف لیتا۔

حسین میں تمہاری ان تمام شرارتوں کی شکایت اس دفعہ ابا جان سے کر کے رہونگا''۔ ٹیپو اس کی عاشق مزاجی سے تنگ آ کر کہتا۔

''میں ابا جان سے کہوں گا کہ یہ محض جھوٹ بکتے ہیں اور فقط اپنی حسرتوں کا مجھ سے انتقام لے رہے ہیں''۔ حسین علی ہنس کر کہتا۔

''کاہے کی حسرت۔ میں تمہاری طرح حسرتیں پالتا کب ہوں''۔ ٹیپو بھی ہنس کر کہتا۔

''یہی ہے کہ تمہیں خدا نے حسن پرست دل سے محروم رکھا''۔

''یہ تو غلط کہتے ہو۔ صنّاعِ حقیقی کی حسن کاریوں کا دلدادہ ہوں''۔ ٹیپو کہتا۔

لیکن جو مخزن حسن ہے اس کی طرف سے بالکل کورے رہو۔ حسین اسی طرح ہنس کر کہتا۔

''عجیب الٹی بات کہہ رہے ہو مخزن حسن خدا ہے یا عورت''۔ ٹیپو نے اعتراض کیا۔

''کیا کہنے ہیں آپ کی معرفت دانی کے۔ جلد انشاء اللہ کسی خانقاہ میں جا بیٹھیں گے آپ ''حسین ہنس کر کہتا۔

تم سے پھر بھی اچھا رہوں گا کہ کسی عورت کے دامن سے بندھ کر تو نہ رہ جاؤں گا۔ ٹیپو بھی ہنس کر جواب دیتا۔

''اچھا یہ بات ہے کہہ دوں ابا جان سے کہ برخوردار کو کسی عورت سے کبھی نہ باندھ دیجئے ورنہ یہ رسی تڑا کر بھاگ جائیں گے''۔

''بندہ تو ابھی اپنی شادی کرتا نہیں۔ تم ہی قدم قدم پر پھسل پڑتے ہو''۔

''ٹیپو تم نے کچھ اور بھی سنا۔ ارے میاں تمہاری بات امی بڑی اچھی جگہ لگانے والی ہیں''۔ حسین نے کہا۔

''مجھے اس سے کوئی دلچسپی نہیں۔ وہ شاید روزانہ ہی میری بات کہیں نہ کہیں لگاتی

ONE URDU FORUM . COM
® SCANNED PDF By HAMEEDI

رہتی ہیں''۔ ٹیپو نے مسکرا کر کہا۔

''اور تم انکار کر جاتے ہو گے''؟

''مجھ سے استصواب کرنے کی نوبت ہی کہاں آتی ہے۔ انہیں کوئی اچھی سی لڑکی نظر آ جانی چاہیے بس ان کی نگاہ میں وہ اس خاکسار کے لئے موزوں بن جاتی ہے۔

یہاں تک کہ چند روز بعد اس سے بہتر لڑکی مل جاتی ہے تو پہلی ختم ہو جاتی ہے غرض یہ سلسلہ یونہی چلتا رہتا ہے''۔ ٹیپو نے کہا۔

''مگر میرا خیال ہے کہ اب جلد ان کے اس سلسلہ کو ٹھیراؤ نصیب ہونے والا ہے۔ مجھے فرما رہی تھیں کہ اب کی دفعہ میں نے ایسی لڑکی کا انتخاب کیا ہے کہ اسے دیکھ کر میرا ٹیپو بھی پھڑک اٹھے گا''۔

''ان سے کہہ دینا کہ ان کے ٹیپو کو پھڑکنا نہیں آتا''۔ ٹیپو نے مسکرا کر کہا۔

''ٹیپو کو آتا کیا ہے، پھڑکنے کے لیے دل چاہیے''۔

''خیر اچھا حسین تم نے کبھی انگریزوں، نظام اور مرہٹوں کے مسئلہ پر بھی غور کیا۔ اگر کبھی ان کا اتحاد ہو گیا تو یہ اتحاد ثلاثہ میسور کے لئے بڑا منحوس ہوگا''۔ ٹیپو نے کہا۔

''ہوگا تو۔ نظام بڑا ہی حاسد اور مسلم کش واقع ہوا ہے۔ جب سے ہم نے میسور میں اسلامی سلطنت قائم کی ہے اس کے کلیجے پر سانپ لوٹ رہے ہیں۔ ہماری تخریب کے لئے کبھی اس کی نظریں انگریزوں کی طرف جاتی ہیں۔ کبھی مرہٹوں کی طرف''۔ حسین نے کہا۔

''انگریز کو اگر ہندوستان سے جلد نہ نکالا گیا تو مجھے خطرہ ہے کہ وہ اپنے قدم اس سرزمین میں اتنی مضبوطی سے جما لے گا۔ کہ پھر کوئی اسکا مقابل نہ رہے گا۔ نظام کو لازم تو یہ تھا کہ ہمارے ساتھ مل کر وہ آئندہ کے خطرناک دشمن کو یہاں سے دفع کرنے میں ہماری مدد کرتا۔

اس کے برعکس کم بخت اس سے مل کر الٹا ہمیں ختم کر دینے کی فکر میں ہے۔ ادھر مرہٹے یوں دکھانے کو وطن کی محبت کا دعویٰ کرتے ہیں مگر وہ بھی سخت مطلب کے غلام ہیں۔ نانا فرنویس نے ابا جان سے انگریزوں کے مقابلہ کے لئے ایسے وقت میں امداد کی درخواست کی جبکہ ان پر زد پڑنے لگی۔ ورنہ وہ ہمیشہ میسور کو لوٹتے رہے اور ہمارے خلاف انگریزوں کو قدم جمانے میں اعانت دیتے رہے''۔ ٹیپو نے افسوس سے کہا۔

''انگریز کی ذہنیت کے متعلق تم نے کیا اندازہ لگایا''؟ حسین نے پوچھا۔

''یہ کہ وہ نہایت چالاک ومکار ہے۔ اس کے قول وفعل پر اعتماد کرنا خود کو ہلاکت میں ڈالنا ہے ابھی وہ چونکہ نووارد ہے اس لئے ہمارے حالات سے زیادہ واقف نہیں لیکن وہ ہماری کمزوریوں سے خوب باخبر ہے اور ہمیشہ زد کمزور مقام پر ہی مارتا ہے اس نے اندازہ لگالیا ہے کہ نظام ہم سے جلتا ہے تو اس نے نظام کی پیٹھ ٹھونکنی شروع کردی۔ اگر ہم بہت جلد کافی طاقت ور نہ ہوگئے تو وہ ہمارے لیے ایک مستقل خطرہ بنے بغیر نہ رہے گا''۔ ٹیپو کی دوررس آنکھوں نے آئندہ کی تاریخ پڑھتے ہوئے کہا۔

''مجھے زیادہ غصہ غدار نظام پر آتا ہے۔ ادھر میں نواب کرناٹک کو بھی انگریزوں کا زرخرید غلام سمجھتا ہوں۔ میرا خیال ہے کہ نواب ابا کو سب سے پہلے ان اسلام دشمنوں کی سرکوبی کرنی چاہیے''۔ حسین نے کہا۔

''مگر حسین اس میں نقصان مسلمانوں ہی کا ہوگا۔ وہ آپس میں لڑ کر اپنی قوت کمزور کرلیں گے''۔ ٹیپو نے کہا۔

''یہ درست ہے۔ لیکن جو خود آگے بڑھ کر ہمارا درپے آزار ہو اس کے خلاف پیش قدمی کرنا ضروری ہے''۔ حسین نے جواب دیا۔

''اس چیز سے ابا غافل نہیں ہیں۔ ان کی دوررس نگاہیں بہت دور دور کا جائزہ لے چکی ہیں''۔ ٹیپو نے کہا۔

''ٹیپو ذرا داہنی طرف دیکھنا۔ آہ وہ آسمانی ساڑھی'' باتیں کرتے کرتے دفعتہً حسین نے ایک کنویں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ دونوں کسی بڑے قصبے کے قریب سے گزر رہے تھے کہ حسین کو دور سے کنویں پر کوئی شعلہ حسن بھڑکتا ہوا نظر آیا اور وہ کلیجہ تھام کر رہ گیا۔ اس کی اس بے اختیاری پر ٹیپو ہنسنے لگا۔

ONE URDU FORUM . COM
® SCANNED PDF By HAMEEDI

باب نمبر 11

''ٹیپو آؤ ذرا کنویں پر چل کر پانی پی لیتے ہیں۔ گھوڑے بھی پیاسے ہیں۔ انہیں بھی پانی دکھالیں تو اچھا ہے''۔ حسین نے بے چین ہوکر کہا

''تم ہی چلے جاؤ مجھے پیاس نہیں ہے''۔ ٹیپو نے مسکرا کر کہا۔

''مگر تمہارا گھوڑا پیاسا ہے۔ وہ پانی کی طرف بار بار دیکھ رہا ہے''۔ حسین نے بے چین ہوکر کہا۔

''میرا گھوڑا ابھی ہر قسم کے ضبط پر قادر ہے''۔ ٹیپو نے کہا۔

''کیوں جانور کا عذاب اپنے سر لیتے ہو۔ چلو نہ''۔ حسین اسی طرح اصرار کئے گیا۔

''اچھا میرے گھوڑے کو بھی ساتھ لیتے جاؤ میں یہاں درخت کے نیچے سائے میں تمہارا انتظار کرتا ہوں''۔ ٹیپو نے کہا اور گھوڑے پر سے اتر پڑا۔ اس کا گھوڑا واقعی پیاسا تھا حسین کے ساتھ خوش خوش کنوئیں کی طرف روانہ ہوا۔

کنویں پر ایک نوعمر وخوبصورت لڑکی پانی بھر رہی تھی۔ ایسی پرشباب ایسی مستِ ناز کہ اس کو قریب سے دیکھنے کا اشتیاق حسین کو کنویں پر گھسیٹ لایا۔ جب وہ ڈول کھینچتی تو اس کی نازک کمر لچک لچک جاتی تھی اور نیلی ساڑھی کا شوخ آنچل بار بار سینے پر سے پھسل جاتا تھا۔ اس کی خوبصورت ناک میں موتیوں کی ایک چھوٹی سی نتھ پڑی تھی جو اس کے شنگرفی لبوں کو چوم رہی تھی۔ سڈول اور خوبصورت کلائیوں میں طلائی کڑے تھے اور پیر میں ایک نازک سی چپل تھی۔

اس کے پاس اور تین چار لڑکیاں کھڑی ہوئی پانی بھر رہی تھیں مگر وہ اپنے حسن و شباب کی وجہ سے ان کی رانی نظر آرہی تھی۔ اب تک اس کی نظر حسین پر نہیں پڑی تھی لیکن جب اس نے گھوڑوں کی ٹاپیں سنیں تو گردن اٹھا کر دیکھا اور ہرنی کی طرح بدک اٹھی۔ مگر سوار پر نگاہ پڑتے ہی دلکش آنکھوں کی وحشت مٹ گئی۔ اس کے بجائے تحیر وشوق نے

ناول کیلئے ون اردو کے شکر گزار ہیں

لے لی۔

حسین علی جیسے طرحدار نوجوان کو دیکھ کر ہر لڑکی اس کی جانب بنگاہِ شوق دیکھنے لگی اور آرزو کرنے لگی کہ وہ اس کے قریب آ کر پانی پینے کو مانگے۔ حسین ان کی طرف تبسم کناں دیکھتا ہوا اسی قتالہ عالم کے قریب آیا اور ہاتھ منہ سے لگاتے ہوئے اس سے پانی مانگا۔ دونوں کی نگاہیں چار ہوئیں لڑکی شرما گئی۔

جب وہ کچھ نہیں بولی تو سہیلیوں نے اس کا مذاق اڑاتے ہوئے ہنس کر اس سے اپنی زبان میں کہا کہ پلاتی کیوں نہیں ہے پانی۔ اس پر آخری لڑکی نے اپنی زبان میں اس سے کچھ کہا۔ نامعلوم سوال تھا۔ یا ویسے ہی کوئی چھیڑ، حسین نے کچھ سمجھا ہوتا تو جواب دیتا۔ ایسے ہی ہنس کر چپ ہو گیا۔ اور پھر اشارے سے پانی مانگا۔

اب کے لڑکی نے کوئی لمبا سا جملہ کہا جس کو چند الفاظ کے اضافہ کے ساتھ اس کی سہیلیوں نے بھی مسکرا مسکرا کر دہرایا۔ حسین کو فارسی، کچھ مرہٹی اور تامل زبان آتی تھی اور کناڑی بالکل واجبی واجبی۔ اس لئے اس نے اپنی ٹوٹی پھوٹی کناری میں پوچھا کہ تم لوگ کیا کہہ رہی ہو۔ میری سمجھ میں کچھ نہیں آتا۔ اس کی غلط ملط کناری کو سنکر لڑکی ہنس دی اور اس کی سہیلیوں نے قہقہہ لگایا۔

''کیا تمہارے پاس کوئی برتن نہیں ہے۔ آخر پانی پیو گے کس میں''؟ لڑکی نے شستہ کناری میں حسین سے پوچھا۔

''چلّو ہی میں پلا دو یا لاؤ تمہارا ڈول منہ سے لگا لوں''۔ حسین نے ہنس کر کہا۔

''واہ تمہارے کپڑے گیلے ہو جائیں گے''۔ لڑکی نے مسکرا کر کہا۔

''باتیں کیے جانا بائی مگر بیچارے کو پانی مت پلانا''۔ ایک سہیلی نے ہنس کر لڑکی سے کہا۔

''تم کون ہو''؟ دوسری شوخ لڑکی نے حسین سے پوچھا

''مسافر ہیں کوئی چور ڈاکو نہیں ہیں''۔ حسین نے ہنس کر جواب دیا۔

''شکل ولباس سے تو کوئی سردار معلوم ہوتے ہو پر تمہارا دھرم کیا ہے''؟ اسی شوخ لڑکی نے پوچھا۔

''ہم ایک خدا کو ماننے والے ہیں اور مسلمان کہلاتے ہیں''۔ حسین نے جوابدیا

''اچھا تم مسلمان ہو تب تو ہم تمہیں پانی پینے کے لئے اپنے برتن نہیں دے سکتے''۔

® SCANNED PDF By HAMEEDI
ONE URDU FORUM . COM

تیسری لڑکی نے کہا۔

''تو میں بھی پیاسا مر جانا گوارا کروں گا مگر تمہارے برتنوں میں پانی نہیں پیوں گا''۔ حسین نے کہا اور گھوڑوں کو پانی پلانے کے لئے حوض کی طرف لے جانے لگا۔

''ٹھہریئے، آپ میرے لوٹے میں پانی پی لیجئے''۔ نیلی ساڑھی والی حسینہ نے کہا۔

اسکے بعد اپنی سہیلیوں پر خفا ہوتی ہوئی بولی۔

''تم لوگ بڑی کٹر ہو ایک پیاسے انسان کو پانی پلانے سے انکار کرتی ہو''۔ حسین نے پرسپاس نظروں سے اس حسینہ کو دیکھا اور مسکرا کر بولا

''جتنی اچھی تمہاری صورت ہے اتنی ہی اچھی سیرت بھی معلوم ہوتی ہے''۔ لڑکی نے جلدی سے اپنی لٹیا، مانجھی اور حسین کی طرف بڑھا دی۔ حسین نے ڈگڈگا کر پانی پیا۔ اس کی محسنہ بنظر پسندیدگی اس کی طرف دیکھتی رہی۔

''وہ تمہارا ساتھی پیاسا ہوگا۔ وہ نہیں آیا پانی پینے''؟ دوسری لڑکی نے پوچھا۔

''وہ کسی کے ہاتھ کا پانی نہیں پیتا صرف مسلمان ہی کا پانی قبول کرتا ہے''۔ حسین نے کہا۔

''اچھا! چاہے اسے کتنی ہی پیاس لگے''؟

''ہاں دیکھ لو پیاسا بیٹھا ہے مگر تمہارے ہاتھ کا پانی پینے یہاں نہیں آیا''۔ حسین نے جواب دیا

''کہو تو میں پانی پلا آؤں اسے جا کر''؟ ایک سہیلی نے حسین سے پوچھا۔

''اس کے قریب بھی نہ جانا۔ وہ بہت بڑا آدمی ہے اور عورتوں سے سخت گھبراتا ہے''۔ حسین نے کہا

''تم بھی گھبراتے ہو کیا عورتوں سے''؟ حسینہ نے دریافت کیا اور مسکرانے لگی اس کا تبسم بڑا دل آویز تھا۔

''اگر گھبراتا تو تمہارے پاس آتا کیسے۔ تم تو بڑی سندر لڑکی ہو''۔ حسین نے کہا۔

لڑکی شرما گئی پھر مسکرانے لگی اور بولی

''کہاں سے آنا ہوا اور کہاں کا ارادہ ہے''؟

''بہت دور سے آ رہے ہیں اور کنارا ریاست جا رہے ہیں''۔ حسین نے کہا۔

''آج ہماری بستی میں ہی ٹھہر جاؤ کنارا تو ابھی یہاں سے بہت دور ہے پھر

راستے میں اور کوئی بستی بھی نہیں ملے گی''۔حسینہ نے کہا

''یہ ہمارے زمیندار کی بیٹی ہے اس کے گھر چلے جاؤ گے تو بڑا آرام ملے گا''۔ اس کی سہیلی نے کہا۔

''نہیں ہماری منزل کا ہرج ہوگا اس کے علاوہ میرا ساتھی سردار نہیں مانے گا''۔ حسین نے کہا۔

''مگر راستے میں قیام کے لئے کوئی جگہ نہیں ملے گی کیونکہ اب کوئی گاؤں میلوں تک نہیں آئے گا۔ رات ہوجائے گی تو کیا جنگل میں گزارو گے۔اس جنگل میں بے شمار ڈاکو اور باٹ مار بھرے پڑے ہیں۔ اس کے علاوہ شیر، چیتے علیحدہ''۔حسینہ نے کہا۔

''ہم نہ تو ڈاکوؤں سے ڈرتے ہیں نہ شیر چیتوں سے''۔حسین نے کہا۔

''مگر رات بسر کرنے کے لئے کوئی پڑاؤ یا پناہ کی جگہ تو ہونی چاہئے۔جنگل کے مقابلہ میں بہر طور بستی کے اندر قیام کرنا اچھا ہے۔تم اپنے ساتھی سے پوچھ لو۔ممکن ہے وہ تمہاری طرح ضدی نہ ہو''۔حسینہ نے مسکرا کر کہا۔

''نہیں میری سندر بہن ضدی میں بھی نہیں مگر مجھے معلوم ہے کہ میرا ساتھی تمہاری پیش کش قبول نہیں کرے گا''۔حسین نے جواب دیا۔

''دیکھو ہم اسے بلانے جاتے ہیں ممکن ہے ہمارا کہنا مان لے''۔دولڑکیوں نے کہا اور دوڑتی ہوئی ٹیپو کے پاس پہنچیں اس نے جوان آفت کی پرکالا لڑکیوں کو دیکھا تو احترام کے طور پر اٹھ کھڑا ہوا اور مسکرانے لگا۔

''چلو ہماری کنورانی نے بلایا ہے تمہیں''۔ان لڑکیوں نے کہا مگر جب ٹیپو کے پر جلال چہرے پر نظر پڑی تو ان کی شوخی کافور ہوگئی۔وہ دلکش چہرہ حسین کے چہرے سے مختلف تھا۔یہاں شان و دبدبہ تھا اور حسین خوبصورت ہی خوبصورت تھا۔ ٹیپو کو کنڑی اچھی طرح آتی تھی چنانچہ خندہ پیشانی سے بولا:۔

''کون ہے تمہاری کنورانی اور اسے ہم مسافروں سے کیا سروکار ہے''؟

''یہ وہی آپ کو بتائے گی۔آیئے آپ ہمارے ساتھ۔بس چلے آیئے''۔لڑکیوں نے اسے مذبذب پا کر اصرار کرتے ہوئے کہا۔ادھر کنوئیں پر سے حسین نے بھی ہاتھ ہلا کر آنے کا اشارہ کیا۔ آخر بادل نخواستہ ٹیپو آگیا۔ نیلی ساڑھی والی حسینہ اب تک حسین کی مردانہ وجاہت کی گرویدہ تھی اب جو اس نے ایک سادہ لباس و سادہ اطوار مگر پر جلال ٹیپو کو دیکھا تو جیسے اس کی عظیم شخصیت سے مرعوب ہوگئی ہو۔ادب سے سیڑھیوں پر سے اتر پڑی۔ شاید ان کے ہاں یہ طریقہ تھا کہ خود سے افضل کسی انسان کے مقابلہ میں بلند جگہ پر کھڑا نہ ہوا جائے۔

''کیا بات ہے حسین''؟ ٹیپو نے دریافت کیا۔

''یہ لڑکیاں کہہ رہی ہیں کہ آگے جا کر کوئی بستی میلوں تک موجود نہیں ہے اس لئے بہتر ہے کہ ہم اس قصبہ میں ہی شب باش ہوجائیں''۔حسین نے کہا۔

''یہ تمہاری ایجاد معلوم ہوتی ہے۔ رنگینی دیکھی اور پھسل پڑے''۔ٹیپو نے مسکرا کر کہا''ورنہ ان بیچاری لڑکیوں کو کیا معلوم کہ آگے بستی ہے یا نہیں''۔

''کیا یہ کوئی راجہ ہے''؟ حسینہ نے ٹیپو کی طرف دیکھتے ہوئے سرگوشی میں حسین سے دریافت کیا۔

''ہاں بہت بڑا راجہ''۔حسین نے جواب دیا۔

''مہاراج'' آخر حسینہ نے لب کشائی کی۔

''اس بستی میں آپ کے قیام سے ہماری عزت بڑھ جائے گی اس لئے آج یہیں رہیں۔میں مکان پر پہنچ کر ابھی پتاجی کو یہاں روانہ کرتی ہوں''۔

ٹیپو نے ہر چند انکار کیا۔مگر سب لڑکیاں انہیں سوگند دلا کر بھاگ گئیں۔تھوڑی دیر میں بستی کے چند معزز ہندو حاضر ہوئے اور ٹیپو کی منت سماجت کر کے بستی میں لے گئے ان لوگوں میں سے کسی کو معلوم نہ تھا کہ یہ ایک جلیل القدر نواب کا بیٹا ہے اور خود بھی آئندہ کا ایک جلیل القدر سلطان ہے ٹیپو کے بشرے ہی سے ہویدا تھا کہ وہ کوئی بہت بڑا انسان ہے اسی لئے ہر شخص اسے دیکھ کر اطاعت کے طور پر جھک جاتا تھا۔ اس نے ایک ہی رات کے قیام میں مسلمانوں کی عظمت و کردار کا نقشہ جما دیا۔اور صبح گاؤں والوں کو بہت کچھ داد و دہش کی۔

ONE URDU FORUM . COM ® SCANNED PDF By HAMEEDI

ONE URDU FORUM . COM
® SCANNED PDF By HAMEEDI

باب نمبر12

''صبح ہوتے ہی بستی والوں کو جب معلوم ہوا کہ رات کو یہاں دس بارہ مسلمان آئے ہیں تو تمام لوگ زمیندار کے مکان میں سمٹ آئے۔ پھر جس نے ٹیپو کو دیکھا اس کے دبدبہ سے سحر زدہ سا ہو گیا۔ ہر شخص کو ٹوہ تھی کہ یہ آخر کون لوگ ہیں۔ کہاں سے آئے ہیں اور کہاں جا رہے ہیں۔ کوئی انہیں نظام کی فوج کے سردار سمجھا۔ کسی نے انہیں نواب کرناٹک کا رشتہ دار جانا اور جو دانا لوگ تھے ان کا خیال تھا کہ ہو نہ ہو یہ اپنے زمانے کے سب سے مشہور اور طاقتور نواب حیدر علی کے آدمی ہیں۔

ٹیپو سلطان اور میر حسین علی سیاسی مصلحت کی بنا پر اپنا صحیح تعارف نہیں کرا سکتے تھے اپنے متعلق انہوں نے صرف اتنا بتایا کہ تاجر پیشہ لوگ ہیں اور مالا بار کے علاقوں میں اپنے مال کی منڈیوں کو دیکھنے جا رہے ہیں۔ مگر سمجھدار لوگ اس بیان سے مطمئن نہیں ہوئے۔ ان نو واردوں کو دیکھنے۔ پوچھ گچھ کرنے اور ان کے حالات معلوم کرنے لوگ رات ہی سے آنے شروع ہو گئے تھے اس سے زمیندار کی اسی حسین لڑکی کو جو کنوئیں پر ملی تھی بڑی تکلیف ہو رہی تھی۔ وہ خود کو اصل میزبان سمجھتی تھی۔ اس کے مہمانوں کو لوگ ناحق آ کر پریشان کر رہے تھے۔ ٹیپو سے تو وہ فرطِ ادب سے بات کرنے میں جھجکتی تھی مگر حسین کو اپنا جانا بوجھا آدمی سمجھنے لگی تھی۔ اس لئے صبح ناشتہ پر اس نے ہمدردانہ لہجہ میں اس سے کہا کہ ناشتہ کر کے وہ آرام کرے اور کسی سے بات نہ کرے۔ اسوقت اس نے عنابی رنگ کی ساڑھی باندھ رکھی تھی۔ جس نے اس کے حسن میں چار چاند لگا دیئے تھے۔ شاید اسے ہلکے رنگ کے بجائے شوخ رنگ زیادہ پسند تھے۔ اسی وجہ سے خود بھی شوخ تھی۔

''میں بیمار تھوڑا ہی ہوں کہ آرام کروں''۔ حسین نے اپنے حسین میزبان سے کہا۔

''اچھا تم نے میرے بھائی کو تو آرام کی اجازت دے دی لیکن مجھ سے کچھ نہیں

کہا۔ کیا میں پہرہ دوں بہن''؟ ٹیپو نے مسکرا کر حسینہ سے پوچھا۔

''حضور پہرہ دیتے کیا اچھے لگیں گے۔ آپ کے ساتھ اتنے آدمی ہیں وہ پہرہ دے لیں گے''۔ لڑکی نے مؤدبانہ کہا۔

''کیا تم اپنے بڑے بھائی سے حضور سرکار کہہ کر ہی مخاطب ہوا کرتی ہو''؟ ٹیپو نے مسکرا کر دریافت کیا۔

''میری بڑی خوش قسمتی ہے کہ آپ جیسا بھائی مجھے ملا مگر میں مان نہیں سکتی آپ ضرور کہیں کے راجہ ہیں۔ مجھ سے تو نہ چھپایئے مجھے تو بتا دیجئے''۔ لڑکی نے کہا۔

ٹیپو ہنسنے لگا

''اگر میں کہیں کا راجہ بن گیا تو تمہیں سب سے پہلے اطلاع دوں گا'' اس نے کہا

''کیا آج پانی بھرنے نہیں جاؤ گی''؟ حسین نے اس سے پوچھا۔

''میں روزانہ کنوئیں پر نہیں جاتی۔ کبھی کبھار چلی جاتی ہوں۔ پھر آج آپ ہمارے مہمان ہیں۔ مہمان کو اکیلا چھوڑ کر کیسے جاؤں''۔

''تم نے اچھا ہی کیا کہ نہیں گئیں ورنہ ہم تمہاری کوئی چیز لے کر بھاگ جاتے''۔ حسین نے ہنس کر کہا۔

لڑکی بھی ہنسنے لگی

''آپ کا نام کیا ہے سردار''؟ لڑکی نے حسین سے دریافت کیا۔

ٹیپو سے دریافت کرنے کی جرأت نہیں کر سکتی تھی۔

''پہلے تم اپنا نام بتاؤ'' حسین نے کہا۔

''چھمی''۔ لڑکی نے اپنا نام بتاتے ہوئے کہا۔

''سچ مچ تم چھمی ہو'' حسین نے کہا۔

''آؤ حسین اب باہر چل کر بیٹھیں''۔ آخر ٹیپو نے کہا۔

''اچھا آپ کا نام حسین ہے''۔ لڑکی نے مسکرا کر کہا

حسین نے اثبات میں سر ہلایا اس کے بعد دونوں باہر چلے گئے۔ چھمی بھی حسین کے پیچھے پیچھے چلی مگر کچھ دور جا کر رک گئی کیونکہ باہر ٹیپو کے آدمی بیٹھے ہوئے تھے۔ دونوں اپنے آدمیوں میں جا بیٹھے اور روانگی کی تیاری کرنے لگے کہ اتنے میں دس بارہ معزز اور سمجھدار آدمی آئے اور زمیندار بھی آ گیا جو ٹیپو کا میزبان تھا۔ سب نے آ کر مہمانوں کو سلام

ککیا اور حلقہ کی شکل میں بیٹھ گئے۔

''یہ لوگ آپ سے ملنے کے بہت مشتاق تھے''۔زمیندار نے اپنے مہمانوں سے کہا۔

''اور آپ سے کچھ عرض کرنا چاہتے ہیں''۔

''شوق سے۔ہم ہر امکانی خدمت سے دریغ نہ کریں گے''۔ٹیپو نے خندہ پیشانی سے جواب دیا۔

''پہلے تو حضور یہ بتائیں کہ کون ہیں اور کہاں سے آئے ہیں''۔ایک سربراہ آدمی نے پوچھا۔

''دیکھو ہم کوئی پراسرار یا بھیدی قسم کے انسانوں میں سے نہیں ہیں بلکہ سب کے دوست ہیں اس لئے ایسے سوالات نہ کرو جن سے نہ تمہارا کوئی تعلق ہو نہ فائدہ''۔ٹیپو نے فہمائش کے طور پر ملائم لہجہ میں کہا۔

''یہ ہم نے اس لئے دریافت کیا ہے کہ معلوم نہیں آپ مرہٹوں کے طرفدار ہیں یا نظام کے یا سب سے بڑے نواب حیدر علی کے''۔دوسرے شخص نے کہا۔

''یہ معلوم کئے بغیر بھی تم اپنا حرف مطلب بیان کرو ہم ہر طرح تمہاری مدد کو تیار ہیں۔ ٹیپو نے مسکرا کر کہا۔نپولین کی طرح وہ بھی صغیر سنی ہی سے اپنے تبسم کے ذریعہ لوگوں کو فتح کر لیتا تھا۔

''خیر صاحب آپ کوئی بھی ہوں ہم ایمانداری سے اپنی شکایات آپ سے بیان کرتے ہیں پہلی شکایت تو یہ ہے کہ مرہٹوں نے ہمارا ناک میں دم کر رکھا ہے۔ ہم کسی کے لینے دینے میں نہیں مگر جب کبھی وہ ادھر سے گزرتے ہیں ہماری کھیتیوں کو تباہ کر جاتے ہیں۔ ہمارے مویشی لے جاتے ہیں اور ہماری عورتیں بھی ان سے محفوظ نہیں رہتیں اس کے علاوہ ہمارا مال و اسباب بھی لوٹ لیتے ہیں۔ دوسری شکایت یہ ہے کہ نظام کی فوجیں بھی ہمیں پامال کرتی رہتی ہیں اور تیسری شکایت یہ ہے کہ نائر سردار اور راجہ بھی ہم سے زبردستی اناج لے جاتے ہیں''۔زمیندار نے ٹیپو سے اپنی بستی کی مشکلات بیان کرتے ہوئے کہا۔

''اچھا نواب حیدر علی کے متعلق بھی تمہیں کوئی شکایت ہے''؟ ٹیپو نے دریافت کیا۔

''ان کا اور ان کے آدمیوں کا آج تک ادھر سے گزر نہیں ہوا۔مگر جب بدنور اور اس سے دور دور کے قلعہ حیدر علی نے فتح کر لئے ہیں ہمیں ڈر رہتا ہے کہ کبھی ان کے آدمی

ONE URDU FORUM . COM ® SCANNED PDF By HAMEEDI

بھی ہماری بستیوں پر نہ چڑھ دوڑیں''۔ زمیندار نے کہا۔

''جہاں تک مجھے نواب حیدر علی کے متعلق معلوم ہوا ہے کہ وہ ایسا آدمی نہیں ہے''۔ ٹیپو نے کہا

''بلکہ اس کے برعکس وہ غریب گاؤں والوں کی حفاظت کرتا ہے۔ ان کی مدد کرتا ہے اور ان کے جان و مال سے کوئی تعرض نہیں کرتا''۔

''سنا میں نے بھی ہے کہ وہ اتنا بڑا نواب ہے مگر بڑا دیالو ہے'' پہلے والے آدمی نے کہا۔

''کیا آپ کبھی حیدر علی سے ملے ہیں۔ اسے جانتے ہیں''؟ زمیندار نے دریافت کیا۔حسین کو اس سوال پر ہنسی آنے لگی مگر ضبط کر کے رہ گیا۔

''ہاں میں ان سے کئی بار مل چکا ہوں''۔ٹیپو نے جواب دیا۔

''اب آپ کی ان سے کب ملاقات ہوگی''؟ تیسرے آدمی نے دریافت کیا۔

''صحیح مدت نہیں بتا سکتا ممکن ہے جلد ملاقات ہو جائے یا دیر سے ہو۔اگر تم ان کے پاس اپنا کوئی پیغام بھیجنا چاہتے ہو تو میں بخوشی ان تک پہنچا دوں گا''۔

''صاحب آپ ان سے اتنا کہہ دیجئے کہ کسی طرح ہمیں مرہٹوں سے بچائیں اور اگر وہ مالابار کے علاقہ تک کا ایک چکر لگا جائیں تو ہمیں نائروں سے بھی نجات مل جائے گی''۔زمیندار نے کہا۔

''میں ضرور تمہارا یہ پیام ان تک پہنچا دوں گا اور مجھے امید ہے کہ وہ تمہاری ضرور مدد کریں گے۔ رہے نائر تو ان کے ظلم سے ہندو اور مسلمان دونوں کو نجات مل جائے گی''۔ ٹیپو نے وعدہ کیا۔ سب لوگوں نے بڑی مسرت کا اظہار کیا۔اور ٹیپو کو دعائیں دینے لگے۔

''حالانکہ نائر خاندان برہمنوں سے نہیں ہے مگر وہ خود کو ہم برہمنوں سے بھی زیادہ سمجھتے ہیں''۔ایک برہمن دیوتا نے کہا۔

''یہ ان کی غلطی ہے ورنہ پیدا کرنے والے کے نزدیک تمام انسان برابر ہیں۔ لیکن یہ سمجھ میں نہیں آیا کہ تم بھی ہندو اور نائر خود کو بھی برہمن کہتے ہیں پھر بھی تم کو کیوں ستاتے ہیں''۔حسین نے پوچھا۔

''بات یہ ہے سردار''۔ایک شخص بولا

''کہ ہمارے زمیندار کی بیٹی بڑی سندر ہے اس سے کنارا کا ایک رئیس بیاہ کرنا

ناول کیلئے ون اردو کے شکر گزار ہیں

چاہتا تھا مگر وہ نہ تو لڑکی کو پسند تھا اور نہ اس کے پتا کو اس لئے انکار کر دیا گیا۔ اس پر اس نے جا کر راجہ کو ایسا بھڑکایا کہ وہ ہمارا دشمن ہو گیا تھا''۔

''مگر اسی راجہ نے اپنی اکلوتی راجکماری کی شادی ایک مسلمان رئیس زادے سے کی ہے اور اب اس کا داماد راج کر رہا ہے''۔ ٹیپو نے کہا۔

''اس سے کیا ہوتا ہے وہ مسلمان راجہ نائروں کی پوری برادری کو نہیں دبا سکتا جب تک نائروں کا زور نہیں ٹوٹے گا ہمارے علاقوں میں امن نہیں ہو سکتا''۔

''پھر تم اپنی لڑکی کی شادی اپنی ہی برادری کے کسی اچھے سے لڑکے کے ساتھ کیوں نہیں کر دیتے''۔ حسین نے کہا۔

''بات تو ٹھہر گئی ہے اس کی لڑکا بھی اچھا ہے مگر میری لڑکی اب بھی چپ ہے''۔ زمیندار نے کہا۔

''اس سے ہمیں خوشی ہوئی کہ آپ لوگ بیاہ شادی کے معاملہ میں لڑکی کی مرضی کا پاس کرتے ہیں ورنہ ہندوستان میں تمام ایسے رشتے باپ طے کر ڈالتے ہیں۔ بہر نوع تم لڑکی کو سمجھاؤ''۔ ٹیپو نے کہا۔

''وہ زمیندار کی اکلوتی بیٹی ہے۔ یہ اسے نہیں سمجھائیں گے''۔ ایک بوڑھے نے مسکرا کر کہا۔

''ہاں یہ آپ بزرگوں کا فرض ہے۔ زمیندار ہمیں افسوس ہے کہ اپنے ساتھ روپیہ پیسہ لے کر نہیں چلے تھے۔ خیر یہ مالا تمہاری لڑکی کو اپنی طرف سے بھائی کے تحفے کے طور پر دیتا ہوں۔ اس کی شادی میں اس کو چڑھانا''۔ ٹیپو نے اپنے گلے سے قیمتی مالا اتار کر کہا اور اب اپنی کلغی میں سے ہیرا نکال کر بھی بچھی کے نام پر نذر کیا۔ سب لوگ ان قیمتی تحفوں کو ہاتھوں میں لے کر فخر و مسرت سے دیکھنے لگے اور ٹیپو کی اعلیٰ ہمتی کی داد دینے لگے۔ زمیندار کی مسرت کی تو انتہا نہ تھی۔

''اچھا یہ تحفہ دوسرے بھائی کی طرف سے قبول کرو۔ اگرچہ یہ حقیر ہے مگر سچے دل سے دیا گیا''۔ حسین نے اپنی انگوٹھی زمیندار کو دیتے ہوئے کہا۔ وہ مسرت و ممنونیت سے فقط اتنا کہہ سکا۔

''اس کی کیا ضرورت تھی سردارو۔ مسلمان کتنے اچھے ہوتے ہیں کہ دوسروں کی بہو بیٹی کو اپنی ماں بہن کے برابر سمجھتے ہیں''۔

ONE URDU FORUM . COM
® SCANNED PDF By HAMEEDI

''بچھی کو بلاؤ زمیندار۔ وہ بھی اپنے نئے بھائیوں کے دیئے ہوئے قیمتی تحفوں کو دیکھ کر خوش ہو گی''۔ اسی بوڑھے نے کہا۔

''انہیں کیوں تکلیف دیتے ہو۔ وہ یہاں آتے شرمائے گی''۔ ٹیپو نے کہا۔

''شرمائے گی کس سے؟ ہماری تو گودوں میں کھلائی ہوئی ہے''۔ لوگوں نے کہا۔

چنانچہ بچھی کی طلبی ہوئی اور وہ اٹھلاتی ہوئی اپنے باپ کے پاس آ کر بیٹھ گئی۔ اس کے پیچھے پیچھے گھونگھٹ نکالے ہوئے اس کی ماں بھی آ گئی۔

''دیکھ تو بیٹی یہ تیرے ان مسلمان بھائیوں نے تیرے چڑھاوے کے لئے کیا دیا ہے''؟ زمیندار نے بچھی کو قیمتی ہار، ہیرا اور انگوٹھی دیتے ہوئے کہا۔ پہلے تو بچھی ان بیش بہا تحائف کو دیکھ کر خوشی سے جامہ میں پھولی نہ سمائی۔ مسرت سے انہیں ہاتھوں میں لے کر الٹ پلٹ کرنے لگی۔ مگر جب اسے خیال آیا کہ یہ ان کی ہنوز رضا حاصل نہ کردہ شادی کا تحفہ ہے تو جلدی سے اس نے ان کو رکھ دیا۔

''یہ پردیسیوں سے کیوں لے لئے پتا جی تم نے''؟ اس نے اپنے والد سے کہا۔

''یہ تو ہم نے خود بڑے فخر سے تمہیں پیش کئے ہیں بچھی''۔ حسین نے کہا

بچھی نے اپنی ساحرانہ آنکھیں اٹھائیں اور حسین کو دیکھ کو بولی۔

''تم نے بھی''؟ ان الفاظ میں اس کی معصوم دل کی شکایت تھی کہ کیا تم بھی چاہتے ہو کہ میں دوسرے کی ہو جاؤں اور اس سے خوش ہو گے''۔ حسین علی شاید اس کی اس حسین کنایہ کو سمجھ گیا تھا ایک سیکنڈ کے لئے جھجکا پھر اس نے بچھی کی کسی نامعلوم و موہوم توقع یا تمنا کو یہ کہہ کر ہمیشہ کے لئے توڑ دیا۔

''ہاں ہاں کیوں نہیں، کیا مجھے تمہارے بیاہ سے خوشی نہیں ہو گی''؟

''بچھی کی ماں بھی ان دونوں اجنبیوں کو گھونگھٹ کی اوٹ میں سے دیکھ رہی تھی اور جو قیمتی تحفے انہوں نے اس کی لڑکی کو دیئے تھے ان کو بھی اٹھا اٹھا کر مسرت سے پرکھ رہی تھی۔ حیرت اس کو بھی تھی کہ بہت معمولی سی مہمانداری کا معاوضہ ان اجنبی سرداروں نے اتنا دیا تھا کہ کوئی بڑا آدمی ہی دے سکتا تھا۔ ضرور وہ کہیں کے راجہ مہاراجہ ہوں گے۔

''آخر تھوڑی دیر بعد ٹیپو اور میر حسین رخصت ہونے لگے۔ انہوں نے اپنے ساتھیوں کو پہلے ہی روانہ کر دیا تھا۔ کہ منزل کا حرج نہ ہو۔ زمیندار نے اور تمام گاؤں والوں نے بڑی عزت اور محبت کے ساتھ اپنے مہمانوں کو رخصت کیا اور ان سے وعدہ لیا کہ

ناول کیلئے ون اردو کے شکر گزار ہیں

وہ ان بستی والوں کو نہیں بھولیں گے۔ دم رخصت حسین نے ادھر ادھر نظریں دوڑا کر مچھی کو تلاش کیا مگر وہ لاپتہ تھی۔ شاید اس نے جدائی کی الم انگیز گھڑی سے خود کو بچانے کے لئے روپوشی اختیار کر لی تھی۔

''مجھے مسرت ہے حسین کہ عوام میرے والد کو ان حکمرانوں کی طرح لوٹ مار کرنے والا انسان نہیں سمجھتے بلکہ نجات دہندہ سمجھتے ہیں''۔ ٹیپو نے راہ میں حسین سے کہا۔

''یہ ابا جان کا حسن اخلاق ہے کہ وہ مذہبی تعصب یا خونریزی کی لذت کی خاطر دھاوے نہیں کرتے بلکہ صرف دشمنانِ امن کی سرکوبی کو قدم اٹھاتے ہیں''۔ حسین نے جواب دیا۔

''بہرنوع یہ جو مطالبات ابھی ہمارے سامنے آئے ہیں وہ تنہا اسی بستی والوں کے نہیں ہیں بلکہ اس نواح اور تمام علاقوں کے لوگوں کی آواز ہے۔ انشاء اللہ ہم جلد مرہٹوں کا زور توڑ دیں گے اور نائروں سے بھی نمٹ لیں گے''۔ ٹیپو نے کہا اور گھوڑا تیز کر دیا۔

ONE URDU FORUM . COM
® SCANNED PDF By HAMEEDI

باب نمبر13

ٹیپو اور میر حسین جلد جلد راہ طے کرتے ہوئے آخر ریاست کنارا میں جا پہنچے۔ وہاں کے راجہ علی کو (علی وہی نوجوان تھا جس کی شادی بسلسلہ محبت راجہ نائر کی لڑکی سے ہوئی تھی اور اب وہ خود راجہ بنا دیا گیا تھا) جب خبر پہنچی کہ جلیل القدر حیدر علی کا فرزند دلبند ٹیپو سلطان آیا ہے اور باہر خیمہ زن ہے تو بہت سے تحائف لے کر حاضر ہوا۔ سلطان ٹیپو نے اس کا خیر مقدم کیا اور اس کے اصرارِ بلیغ سے مع اپنے تمام ساتھیوں کے راجہ علی کا مہمان ہو گیا۔ سب لوگ محل میں منتقل ہو گئے۔

ٹیپو نے یہاں ایک دن بیکار ضائع نہیں کیا علی نے کہا بھی کہ ابھی طویل سفر سے آئے ہو ذرا دم لے لو مگر ٹیپو دوسرے ہی زور علی کی ایک رجمنٹ کے ہمراہ سواحل مالا بار اور آس پاس کے علاقوں کے معائنہ کے لئے روانہ ہو گیا۔ مالا بار کے رتبے میں اب بھی کئی چھوٹی چھوٹی ہندو ریاستیں تھیں جو متحد ہو کر موپلوں پر آٹوٹتی تھیں اور صرف اس جرم میں کہ وہ ان کے مطیع کیوں نہیں ہوتے ان پر ظلم کرتی رہتی تھیں۔

غرض اس علاقے میں مسلمانوں پر تشدد کا سلسلہ جاری تھا۔

علی اگرچہ اب ایک معقول سی ریاست کا حکمران تھا۔ اس کے قبضہ میں خزانہ بھی تھا۔ اور فوج بھی خاصی تھی مگر وہ بتیس دانتوں میں زبان بنا ہوا تھا وہ تو خود بڑا بہادر واقع ہوا تھا اس لئے یکا یک دشمن اس کو نرغے میں لینے سے ڈرتے تھے ورنہ اس کو پیس ڈالتے۔ علی کی پشت پر اب تک کوئی بڑی حکومت ایسی نہیں تھی جو ہنگامی حالات پیدا ہو جانے پر اس کی امداد کو آتی۔ اسی سبب سے وہ خود پیش قدمی کر کے اپنے دشمنوں پر حملہ آور نہیں ہو سکتا تھا۔ مگر شب و روز موقع کی تاک میں ضرور رہتا تھا۔

ٹیپو نے بھیس بدل کر تمام علاقہ کا معائنہ کیا تا کہ کسی کو کوئی شبہ نہ ہو۔ ایک ماہ سے زائد عرصہ تک وہ ادھر ادھر پھرتا رہا اور اس کی زیرک نگاہوں نے اندازہ لگایا کہ موپلے بحری

امور میں مہارت تامہ رکھتے ہیں۔اگر ان کو منظم کر کے سمندری بیڑا بنالیا جائے تو یہ ایک بہت قوی بحری طاقت کا پیش خیمہ ہوگا۔ چنانچہ اس نے فوراً اپنے چند آدمی دوڑا کر اپنے والد کو تمام صورت حالات سے بے کم وکاست باخبر کیا حالانکہ حیدر علی سے استصواب کرنے میں وقت ضائع ہو رہا تھا۔ مگر ٹیپو اپنے باپ کا اس قدر فرمانبردار بیٹا تھا کہ بچوں کی طرح ہر معاملہ میں اس کی اجازت کے بغیر کوئی قدم نہیں اٹھاتا تھا۔

ٹیپو اپنے والد کا اتنا سعادتمند لڑکا تھا کہ جوان ہونے کے بعد بھی جبکہ اہم مہمات پر وہ بحیثیت جنرل کے معرکہ آرا رہنے لگا تھا اس نے بغیر کسی کی ترغیب کے از خود اپنے باپ کو یہ میثاق لکھ کر پیش کیا تھا:۔

۱۔ میں بغیر اپنے والد کے مشورے کے کوئی کام نہیں کروں گا۔اگر کبھی ایسی غلطی سرزد ہو جائے تو مجھے پچاس دروں کی سزا دی جائے۔

۲۔ ہمیشہ اپنا فرض ادا کرتا رہوں گا اور ادائے فرض وتبلیغ حق میں کسی کی رورعایت نہ کروں گا۔

۳۔ اگر کبھی مجھے اس کا مجرم سمجھا جائے تو پھانسی کی سزا دی جائے۔

۴۔ کبھی رشوت نہیں لوں گا اور نہ رشوت خوروں کی حوصلہ افزائی کروں گا۔عدم تعمیل کی صورت میں سزائے موت کا مستحق سمجھا جاؤں گا۔

۵۔ ریاست کے امور کسی پر برملا نہ کروں گا۔ اگر لغزش ہو جائے تو جو غدار کی سزا وہ میری سزا۔

خود سوچئے جو شخص اس قدر ضابطہ پرست، محبِ وطن اور پاک باطن ہو وہ کس قدر اعلیٰ ظرف و بلند کردار کا انسان ہوگا۔دنیا نے ٹیپو سلطان جیسے بے نفس بہادر محبِ وطن اور پاک طینت مسلمان سولہویں سترہویں صدی میں پیدا نہیں کئے ہوں گے۔ چنانچہ مالا بار کے مسائل پر بھی وہ اپنی ضابطہ پسندی کی بنا پر کوئی قدم کیسے اٹھا سکتا تھا۔

نواب حیدر علی اپنے قابل فخر بیٹے کی اصابت رائے۔ذہانت اور تدبر سے کلی طور پر مطمئن تھا اور اس نے اس کو اختیارات بھی دے رکھے تھے کہ جنگ وصلح فوج کشی و مراجعت میں اس کے مشورے کا انتظار نہ کیا کرے بلکہ خود مناسب کارروائی پر عمل پیرا ہو جایا کرے مگر پھر بھی ٹیپو نے اپنے احسن طریقوں کو نہیں بدلا۔اپنے قابل باپ سے ہر معاملہ میں استصواب کرنا فرض سمجھتا رہا۔

ONE URDU FORUM . COM
® SCANNED PDF By HAMEEDI

آخر چند روز بعد ہرکارے حیدر علی کا جواب باصواب لے آئے۔اب ٹیپو سلطان راجہ علی سے صاف صاف گفتگو کرنے کے لئے آزاد تھا۔

''میں اپنے غائر معائنہ کے بعد اس فیصلہ پر پہنچا ہوں''۔ٹیپو نے دوسرے روز علی کو بلا کر کہا

''کہ حضرت نواب حیدر علی کی جانب سے یہاں ایک مضبوط بحری بیڑہ قائم کیا جائے''۔

یہ تو علی کی عین تمنا تھی سن کر بے حد خوش ہوا

''یہ بہترین تجویز ہے اور میں دل سے اس کا موئد ہوں۔ اس کے علاوہ میں وعدہ کرتا ہوں کہ صاحب سطوت نواب کے زیر تحت ہر قسم کی خدمت کو حاضر رہوں گا''۔علی نے کہا۔

''بس تو آپ کو قبلہ والد صاحب کی طرف سے امیر البحر مقرر کیا جاتا ہے آپ اس ریاست کے تو حکمران ہیں ہی سلطنت میسور آپ کو یہ مزید اعزاز عطا کرتی ہے''۔ٹیپو سلطان نے مسکرا کر کہا۔

علی آداب بجالایا۔

''اب آپ بہت ہی جلد بڑی سرعت سے بحری فوج کی بھرتی شروع کر دیجئے اور بسرعتِ تمام سمندری طاقت بڑھا لیجئے۔مجھے یہ دیکھ کر بڑی مسرت ہوئی کہ

''موپلوں کے پاس چند اچھے جہاز موجود ہیں اور وہ اعلیٰ درجہ کے ملاح ہیں''۔ ٹیپو نے کہا۔

اس کے بعد سند تقرری کے طور پر علی کو ایک نسخہ قرآن پاک اور ایک تلوار عطا کی گئی اور اس نے حلف وفاداری اٹھایا۔

یہ اتنا بڑا کام تھا کہ اس کو ٹیپو جیسا زیرک انسان ہی تکمیل تک پہنچا سکتا تھا۔ اگر حیدر علی بھی اس طرف آتا تو شاید اتنا ٹھوس کام سرانجام نہیں دے سکتا تھا۔اس اسکیم نے ریاست میسور کو سمندری حملوں سے محفوظ کر دیا تھا۔ کیونکہ انگریز اس زمانے میں سواحل پر چھاپے مارتے رہتے تھے جن کا مقابلہ بری فوج کرنے سے قاصر رہ جاتی تھی۔ اس طرح ریاست میسور نے کئی جگہ شدید نقصانات اٹھائے تھے۔

اس کار عظیم سے فراغت پا کر ٹیپو چند روز بعد دوسری راہ سے بدنور یعنی حیدر نگر کی

طرف روانہ ہوگیا تا کہ وہاں کے حالات کو سدھارے۔ بدنور کی بدکردار رانی جلاوطن کردی گئی تھی۔غداری کی پاداش میں برہمن وزیر سزائے موت پاچکا تھا اور مہابدی جس کی حمایت میں حیدر علی لڑا تھا۔ عدم وفاداری کے جرم میں سزائے قید بھگت رہا تھا۔ اب یہاں کوئی فتنہ ساز جماعت نہیں رہی تھی اس لئے نواب کا ایجنٹ ہوشیاری سے تمام امور چلا رہا تھا۔

بدنور میں تقریباً دو ماہ قیام کر کے ٹیپو اپنے والد سے سرنگا پٹم میں آملا اور اپنی تمام روداد سنائی۔ باپ نے اپنے ہونہار فرزند کی پیٹھ ٹھونکی اور اسے انگریزوں کی سرکوبی کو روانہ کردیا۔تقریباً چھ ماہ تک ٹیپو ان مہمات میں پھنسا رہا اس دوران میں ادھر علی نے خوب زور پکڑ لیا۔ اب چونکہ اس کی پشت پناہی کو حیدر علی جیسا باجبروت انسان تھا جس کے نام سے دشمن کانپتے تھے اس لئے اس نے بڑھ بڑھ کر حملے شروع کردیئے۔دوسری طرف ایک مضبوط بحری بیڑہ تیار کرلیا جب یہ جنگی بیڑہ حرکت میں آیا تو اس نے ان تمام جزائر کو فتح کرلیا جن تک مسلمانوں کے قدم نہیں پہنچے تھے۔ وہاں کا راجہ مقابلہ کو آیا مگر علی نے اسے شکست دی۔آخر اس نے اطاعت قبول کرلی لیکن چند روز کے بعد پھر منحرف ہوگیا اب کے علی نے اس کو نہیں بخشا، گرفتار کر کے اس کی آنکھیں نکلوا ڈالیں۔

علی کی ان حیرت انگیز فتوحات سے نائر بھی دم بخود ہوگئے اور برائے چندے چپ ہوکر بیٹھ گئے۔ اب علی نے سوچا کہ اپنے کارناموں کے روئداد جا کر حیدر علی کو خود سنائے اور اس کی مزید خوشنودی حاصل کرے چنانچہ اندھے راجہ کو لے کر حیدر علی کی خدمت میں منگلور پہنچا۔علی کو معلوم نہ تھا کہ حیدر علی صرف ایک فاتح حکمران ہی نہیں ہے بلکہ عادل انسان بھی ہے اس نے جو غریب راجہ کی آنکھیں نکلی ہوئی دیکھیں تو اس کو بڑا رنج ہوا۔راجہ بھی اس ظلم کا نواب سے دادخواہ ہوا آخر طے یہ ہوا کہ نواب کی عدالت میں مقدمہ باقاعدہ پیش ہو۔چنانچہ راجہ کو موقع دیا گیا کہ اپنی روئداد سنائے۔ اس نے تمام قصہ بیان کیا۔ اس کے بعد نواب علی کی طرف مخاطب ہوا

''آپ کے حکم سے راجہ کی آنکھیں نکالی گئی تھیں''؟

''جی ہاں کیونکہ اطاعت کے بعد انہوں نے بدعہدی کی تھی''۔علی نے جواب دیا

''ٹھیک ہے۔ بدعہدی کرنے کے بعد آپ نے راجہ کو پھر گرفتار کرلیا تھا۔چنانچہ نظر بند کیوں نہیں کردیا۔ایک انسان کی آنکھیں نکالنے کا ظلم کیوں کیا''۔نواب نے کہا۔

''تا کہ اور غداروں کو عبرت ہو''۔علی نے جواب دیا۔

ONE URDU FORUM . COM
® SCANNED PDF By HAMEEDI

''اور کتنے غداروں سے آپ کا سابقہ پڑا تھا''؟ نواب نے دریافت کیا۔

''راجہ کو سزا دینے کے بعد پھر کوئی سر نہ اٹھا سکا بندہ نواز''۔علی نے جواب دیا۔

''اگر کوئی سر اٹھاتا تو آپ اس کی بھی آنکھیں نکلوا دیتے''؟ نواب نے پوچھا

''عرض نہیں کرسکتا کہ اس کو کیا سزا دی جاتی''۔علی نے کہا۔

''تمہارا کیا خیال ہے ٹیپو سلطان کیا علی راجہ نے اس راجہ کے ساتھ انصاف کیا ہے''؟ نواب نے اپنے بیٹے سے دریافت کیا۔

''میں آپ کے مقابلہ میں مصنف نہیں بن سکتا قبلہ''۔ٹیپو نے جواب دیا۔

''میں راجہ علی کی اس حرکت کو ظلم سمجھتا ہوں۔لہٰذا سزا کے طور پر ان سے امیر البحر کا عہدہ چھینتا ہوں اور راجہ تم کو ایک جاگیر عطا کرتا ہوں جس سے تمہارے تمام مصارف پورے ہوتے رہیں گے''۔حیدر علی نے وہیں فیصلہ سناتے ہوئے کہا۔

چنانچہ علی مغموم ہوکر واپس اپنی ریاست کی طرف روانہ ہوا اور راجہ کو جاگیر دے دی گئی۔

علی کی معزولی کی خبر تمام مالابار میں پھیل گئی۔دشمنوں کو جب یہ معلوم ہوا کہ نواب حیدر علی اس کا سرپرست نہیں رہا ہے تو پھر نائروں نے سر اٹھایا اور موپلوں کے قتل کی گرم بازاری شروع کردی۔سیاست بھی عجیب ہی چیز ہے۔ اس میں اگر کوئی بربنائے انسانیت، رحم وعدل یا ایسا کام کر گزرتا ہے جو سیاسی مصالح کے منافی ہو تو جلد اس کا نتیجہ نکل آتا ہے حیدر علی نے راجہ کے ساتھ بے لاگ انصاف کیا تھا اور علی کو اس کی بے رحمی کی سزا دی تھی مگر اس شرافت وصداقت کی اس کو خود سزا مل گئی۔ اس کے امیر البحر کے معزول ہوتے ہی عام دشمنوں نے امن پسند لوگوں کا جینا اجیرن کردیا۔ شاید سیاست کا شجرۂ نسب شیطان سے ملتا ہے۔

باب نمبر14

جب یہ پہلے بیان کیا جاچکا ہے کہ امیر البحر کے عہدے سے علی کا معزول ہونا غضب ہوگیا۔ مالابار کے علاقوں میں شدید بدامنی پھیل گئی اور نائروں کو یہ خبر ملتے ہی کہ علی اب تنہارہ گیا ہے انہوں نے پھر بڑھ بڑھ کر موپلوں پر حملے کرنے شروع کردیئے۔ پرانے زمانے میں بھی کسی حکمران کا اکیلا رہ جانا اور کسی دوسری طاقت سے اتحاد نہ رکھنا اس کے لئے مصیبت ہو جاتا تھا۔ وہ ہر طرف سے خطرات میں گھر جاتا تھا آج بھی حکومتوں کو اپنے حلیف و ہمدرد ڈھونڈنے پڑتے ہیں تاکہ آڑے وقت میں ایک دوسرے کی باہمی امداد کرسکیں۔ اس میں جوڑتوڑ کی جاتی ہے سازباز ہوتی ہے اور جو ممالک غیر جانبداری کا دعویٰ کرتے ہیں یا غیر جانبدار رہنے کی کوشش کرتے ہیں وہ ہنگامی حالات میں نہ تو غیر جانبدار خود رہ سکتے ہیں اور نہ بلا کسی کے سہارے کے اپنی ہستی برقرار رکھ سکتے ہیں۔

ٹیپو سلطان کو بھی اپنے زمانہ حکومت میں قدم قدم پر اسی قسم کی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ اس کے خلاف مرہٹوں، نظام اور انگریزوں نے اتحاد ثلاثہ قائم کرلیا تھا۔ اسی لیے اس کو حکومتِ فرانس سے استمداد کرنا پڑا تھا۔

غرض ایک طرف تو نواب حیدر علی اپنی دوسری مہمات میں مصروف ہوگئے ادھر مالابار میں علی کی قوت ٹوٹ جانے سے اصل میں مسلمانوں کی قوت ٹوٹ گئی اس سے نائروں نے خوب فائدہ اٹھایا اور موپلوں نے اپنا ایک وفد تیار کیا اور نواب حیدر علی کی خدمت میں روانہ کیا تاکہ اپنی بپتا سنائیں اور دشمنوں کے مظالم سے نجات دلانے کی اس سے درخواست کریں۔

''لیکن ہم نے آپ کے علاقوں میں نائروں کا زور توڑ دیا تھا پھر انہوں نے کس طرح سر اٹھایا''؟ حیدر علی نے وفد سے دریافت کیا۔

''آپ چونکہ بذات خاص اس طرف کبھی تشریف نہیں لائے۔ اس لئے نائروں کی

ذہنیت سے پورے طور پر آگاہ نہیں ہیں یہ عجیب قوم ہے جو صرف طاقت کا لوہا مانتی ہے''۔ اراکین نے جواب دیا۔

''طاقت کا لوہا تو دنیا مانتی ہے۔ جب زمانہ زیادہ متمدن و مہذب ہو جائے گا اس وقت بھی حکومت طاقت و قوت ہی کی چلے گی۔ کمزور ہمیشہ موت کا شکار ہوتے رہیں گے''۔ جہاندیدہ حیدر علی نے کہا۔

''خیر تو ہماری درخواست کا کیا جواب ہے''؟ اراکین نے دریافت کیا۔

''ہمیں آپ کی درخواست منظور ہے۔ اب آپ خاموشی سے چلے جائیں کسی سے اس ملاقات کا ذکر نہ کریں۔ پیچھے سے ہم آتے ہیں۔ مطمئن رہیئے''۔ حیدر علی نے کہا چنانچہ وفد اسے دعائیں دیتا ہوا رخصت ہوا۔

حیدر علی نے چند ہی روز بعد ادھر ادھر سے کچھ فوج جمع کی اور دوسری مہمات میر حسین کے سپرد کرکے ٹیپو کو اپنے ہمراہ لیا اور روانگی کی تیاری کرنے لگا۔ اس بار میر حسین علی خان کے چھوٹے بھائی میر حسن علی خان نے نواب سے درخواست کی کہ اس کو شرف ہمراہی بخشا جائے۔ حسین علی اور حسن علی دونوں حقیقی بھائی تھے۔ حسین بڑا تھا اور ہمیشہ مہمات میں شریک رہ کر کارہائے نمایاں کرنے سے تاریخ کے صفحات میں آگیا تھا۔ حسن کو یہ مواقع کم ملے تھے۔ اسی لئے ہم اس کا ذکر کہیں نہیں دیکھتے۔

حسین علی اور حسن علی کی عمر میں بمشکل دو سال کا فرق ہوگا اور دونوں میں اس قدر حیرت انگیز مشابہت تھی کہ بعض اوقات خود بخود نواب کو دھوکا ہو جاتا تھا۔

صرف ٹیپو ہی ان کی مشابہت سے دھوکا نہیں کھاتا تھا کیونکہ بڑا بھائی قد آور تھا اور چھوٹا اس کے مقابلہ میں کم۔ جس قدر حسین خوشرو تھا تقریباً اتنی ہی اچھی شکل وصورت حسن نے پائی تھی۔ اپنے بڑے بھائی کی طرح حسن بھی رومانی واقع ہوا تھا اور اتنا ہی پاکباز لیکن حسین کی مانند وہ ٹیپو سے زیادہ بے تکلف نہ تھا بلکہ اس کا ادب کرتا تھا۔ حسین کی بے تکلفی کی وجہ تو یہ تھی کہ وہ اور ٹیپو رضائی بھائی تھے اور تقریباً ہم عمر۔ یوں دیکھا جائے تو حسن بھی ٹیپو کا دودھ شریک بھائی تھا آخر اسی کی ماں نے تو ٹیپو کو دودھ پلایا تھا۔

نواب حیدر علی تقریباً بیس ہزار فوج لے کر مالابار کی جانب روانہ ہوئے۔ جب ریاست کنارا کے قریب پہنچے تو راجہ علی کو ان کی آمد کی خبر ہوئی اور وہ اسی وقت استقبال کو حاضر ہوا۔ نواب کی رکاب کو بوسہ دے کر شرف میزبانی بخشنے کی درخواست کی۔

ONE URDU FORUM . COM ® SCANNED PDF By HAMEEDI

''ہم آرام وراحت کے لئے نہیں آئے ہیں راجہ صاحب بلکہ باغیوں اور دشمنوں کی سرکوبی کو آئے ہیں''۔حیدر علی نے مسکرا کر کہا۔

''میں آپ کے ہمرکاب ہوں حضرت''۔راجہ علی نے دست بستہ کہا۔

''یہاں کے گردونواح کے کیا حالات ہیں''؟ حیدر علی نے دریافت کیا۔

''ناگفتہ بہ۔دشمنوں نے ہم پر عرصہ حیات تنگ کر رکھا ہے۔ نائروں کو کسی طرح اطلاع ہوگئی تھی کہ آپ تشریف لانے والے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے ایک جمعیت کثیر جمع کرلی ہے اور ندی کے اس کنارے آپ کے مقابلہ کو تیار کھڑے ہیں''۔راجہ علی نے جواب دیا۔

''ہم بھی ان کے مقابلہ کو تیار ہیں''۔حیدر علی نے کہا۔

پھر فوج کو دو حصوں میں تقسیم کر کے ایک کو اپنے ہمراہ لیا دوسرا ٹیپو کے سپرد کیا اور دریا کی طرف یہ لشکر دو طرفہ روانہ ہوا۔ چنانچہ چند گھنٹوں کے اندر ہی دونوں فوجوں کا آمنا سامنا ہوا اور لڑائی چھڑ گئی۔ اس زور کا معرکہ پڑا کہ دریا کا پانی سرخ ہوگیا۔جس لشکر میں ٹیپو جیسا جیوٹ اور خود حیدر علی جیسا سورما ہو اسے کون شکست دے سکتا تھا۔ راجہ علی نے بھی شجاعت کے وہ جوہر دکھائے کہ حیدر علی نے بے ساختہ اسے داد دی۔ادھر حسن نے بھی دشمنوں کے پرے صاف کردیئے۔غرض دن ڈھلتے ڈھلتے نائروں کے پیر اکھڑ گئے اور وہ ہزاروں مقتولین اور لاتعداد زخمی چھوڑ کر میدان سے بھاگ نکلے حیدر علی نے دور تک ان کا تعاقب کیا۔

حیدر علی اس جنگ میں راجہ علی کی بہادری دیکھ کر بہت خوش ہوا اور اسے واپس اپنے امیر البحر کے عہدے پر بحال کردیا۔ اس فتح کے بعد حیدر علی نے کالی کٹ کا رخ کیا۔ نائروں کی شکست سے آس پاس کے حکمرانوں کے حوصلے ٹوٹ گئے تھے۔راجہ کالی کٹ حیدر علی کی یورش کی خبر سن کر گھبرا گیا۔ یہاں کے راجہ کا نام رامزن تھا۔ چنانچہ وہ بہت سے قیمتی تحائف لے کر نواب کی خدمت میں حاضر ہوا اور امان طلب کی۔

''آپ کو اور آپ کی رعایا کو امان دی جاتی ہے لیکن قلعہ ہمارے حوالے کرنا پڑے گا''۔نواب نے راجہ رامزن سے کہا۔

''میں سب کچھ آپ کی خدمت میں حاضر کرنے کو تیار ہوں۔قلعہ میں تشریف لے چلیں''۔راجہ نے عرض کیا

چنانچہ حیدر علی نے بغیر ایک قطرہ خون بہائے کالی کٹ کا قلعہ لے لیا۔ راجہ سے کوئی تاوان نہیں طلب کیا گیا نہ اس کے خزانے سے کچھ لیا گیا۔

لیکن اس فتح سے راجہ کے مصاحب خوش نہ تھے چنانچہ انہوں نے راجہ کو غیرت دلائی اور اس کو اکسایا کہ نواب کو حیلے سے مار ڈالے۔

''یہ مجھ سے نہ ہوگا۔نواب نے ہمارے ساتھ کوئی بدسلوکی نہیں کی ہے۔سب کو امان بخشی ہے پھر اس سے بیر مول لینے سے کیا فائدہ''؟ راجہ نے جواب دیا۔

''آپ بزدل ہیں کہ نواب سے ڈر گئے''۔مصاحبوں نے طنزیہ کہا

''اگر تم بہادر تھے تو خود کیوں نہیں اس کے مقابلے کے لئے نکلے بلکہ قلعہ میں پوشیدہ ہونے والوں میں پیش پیش تم ہی لوگ تھے۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ مفت میں خونریزی ہو۔ بندگانِ خدا مارے جائیں۔ پھر نواب ہم سے کہیں زیادہ قوی ہے''۔راجہ نے کہا۔

''تم سخت ڈرپوک ہو اب نواب تم کو اپنا غلام بنا کر رکھے گا''۔مصاحب نے کہا

''حیدر علی کسی کو اپنا غلام نہیں سمجھتا۔سب کو دوست کے برابر جانتا ہے''۔راجہ نے کہا۔

غرض بہت تو تو میں میں ہوئی اور تمام مصاحب اور رشتہ دار خفا ہو کر چلے گئے جب رات زیادہ چلی گئی تو انہوں نے جمع ہو کر سازش کی پھر محل کو آگ لگا دی اور سب طرف کے دروازے بند کردیئے۔غریب راجہ آگ میں جل کر مر گیا۔صبح حیدر علی کو اطلاع ہوئی تو اس کو بے انتہا رنج ہوا اس نے اسی وقت مفسدوں کو گرفتار کر کے قرار واقعی سزا دی۔

نائر شکست کھا کر بھاگ تو نکلے تھے مگر ان کی قوت نہیں ٹوٹی تھی چنانچہ پھر انہوں نے اپنی منتشر فوج کو مجتمع کیا اور کالی کٹ پر حملہ آور ہوئے نواب مقابلہ کو نکلے اور معمولی سی جنگ کے بعد پھر نائروں کو بھگا دیا۔ان مراحل کو ختم کرنے کے بعد نواب ریاست کوچین کی طرف بڑھے۔ مگر کوچین کے راجہ نے بھی مقابلہ کے بجائے اطاعت کو ترجیح دی اس طرح نواب کا کوچین پر بھی قبضہ ہوگیا۔

بارش کا موسم شروع ہوگیا تھا۔ اور مالابار کے علاقوں میں بلا کی بارش ہوتی ہے اس لئے نواب نے بغرض دور اندیشی کو ہمبور کا رخ کیا تاکہ بے پناہ بارش کی وجہ سے یہاں گھر کر نہ رہ جائیں۔ نائروں نے اس تعطل سے خوب فائدہ اٹھایا۔ انہیں معلوم تھا کہ ندی

ONE URDU FORUM . COM
® SCANNED PDF By HAMEEDI

نالے اور مواج دریاؤں کو عبور ہوا ہے نواب چڑھائی نہیں کر سکے گا۔ اس لئے انہوں نے برسات کے زمانہ میں بہت سی فوج جمع کر لی اس دفعہ ان کی مدد کے لئے راجہ ٹراونکور اور دوسرے حکمران بھی ان کے ساتھ تھے۔ چنانچہ اس کثیر جماعت نے بڑھ کر کالی کٹ اور پھر پونانی کے قلعہ کا محاصرہ کر لیا۔

نائروں نے اتنا ہی نہیں کیا بلکہ حیدر علی کے کئی عمال گرفتار کر کے قتل کر دیئے پھر جو انہوں نے لوٹ کھسوٹ اور خونریزی شروع کی تو تمام امن وامان کا خاتمہ ہو گیا۔ پھر پہلے کی طرح موپلوں کو اپنے ظلم وستم کا تختہ مشق بنانے لگے اور ان کا صفایا شروع کر دیا۔ یہ ایسی شر انگیز حرکتیں تھیں کہ اگر ان کا سدباب نہ کیا جاتا تو تمام مالا بار کا علاقہ وحشت و بربریت سے تباہ ہو جاتا۔

موپلوں نے اپنی تباہی کی داستان سے نواب کو باخبر کرنے کے لئے خفیہ قاصد روانہ کئے ادھر اس کی کالی کٹ میں مقیم فوج کے چند آدمی چپکے سے قلعہ سے نکل کر نواب کی طرف روانہ ہوئے ان ابتر حالات کو سنکر نواب کو بڑا غصہ آیا فوراً ہی اپنی سپاہ لے کر طوفان کی طرح روانہ ہوا شدید بارش ہو رہی تھی۔ لہٰذا نواب نے سواروں کو حکم دیا کہ گھوڑوں کی زین کھول ڈالیں اور ننگی پیٹھ پر سفر کریں۔ اسی طرح پیادوں کو موم جامے کی برساتیاں دی گئیں پھر یہ فوج متلاطم دریاؤں میں کود پڑی اور تلاطم پانی۔ کیچڑ وغیرہ سے کھیلتی ہوئی دشمن کے سر پر جا پہنچی۔ حیدر علی اور ٹیپو ایک معمولی سپاہی کی طرح اپنے اپنے گھوڑوں کو سنبھالتے ہوئے۔ دلدلوں کو عبور کرتے ہوئے سروں پر آ گئے۔

نائروں کے وہم وگمان میں بھی نہ تھا کہ حیدر علی بلا کی طرح اس بلا کی برسات میں آ پہنچے گا تاہم انہوں نے بغرض حفظ ماتقدم ایک بڑی چوڑی اور گہری خندق میں زبردست مورچے قائم کر رکھے تھے۔ نواب کی فوج قریب پہنچی تو اس پر پناہ گاہ میں دشمنوں نے اس قدر گولیوں کی بارش کی کہ اگلے دستے کا صفایا ہو گیا۔ حیدر علی نے یہ صورت حال دیکھ کر اپنی فوج کو چار حصوں میں تقسیم کیا ایک حصہ پرتگیز افسر کے سپرد کیا۔ دوسرا فرانسیسی افسر کی نگرانی میں رہا تیسرا ٹیپو کی کمان اور چوتھے پر خود۔ پرتگیز افسر نے نواب سے اجازت چاہی کہ حملہ کا حکم دے۔ چنانچہ اجازت ملنے پر اس نے خندق پر ہلہ کیا لیکن دشمن نے لکڑی کی دیواریں اتنی مضبوط کھڑی کر رکھی تھیں ان گولیوں کا کوئی اثر نہ ہوا دشمن نے نواب کے پرتگیز افسر والے دستے کو پسپا کر دیا اور اس جاں فروشی میں پرتگیز آفسر بھی حق نمک ادا کرتا ہوا کام آیا۔

ONE URDU FORUM . COM
® SCANNED PDF By HAMEEDI

یہ حالت دیکھ کر اس بار فرانسیسی افسر نے اجازت چاہی اس کا حملہ بھی بیکار گیا اور مفت میں اس کے بہت سے آدمی مارے گئے۔ اب تو ٹیپو کو سخت غصہ آیا۔ باپ سے طالب اجازت ہوا نواب اپنے دو تجربہ کار افسروں کا حشر دیکھ چکا تھا اجازت دینے میں ہچکچایا کہ کس طرح جوان وصالح بیٹے کو موت کے منہ میں دیدہ دانستہ دھکیل دے مگر ٹیپو نے سخت اصرار کیا۔ آخر باپ کو دل پر جبر کر کے اجازت دینی پڑی۔

ٹیپو نے اپنے آدمیوں کو منتشر کر کے اس قدر تیزی سے حملہ کیا کہ آناً فاناً میں خندق کے بہت قریب جا پہنچا۔ پھر فوراً ہی لکڑی کی دیواروں کو آگ لگا دی۔ اس کے بعد وہ حصار کو توڑ کر دشمنوں میں شیر نر کی طرح جا پہنچا تو سب کو تہ تیغ کر کے رکھ دیا۔ اس جنگ میں لاتعداد نائر مارے گئے۔ اور ان کی مجموعی قوت کا خاتمہ ہو گیا۔ نواب نے اپنے بیٹے پر سے زر وجواہر نثار کئے اور اپنے بہادر فرانسیسی افسر کو بھی دس ہزاری کا منصب عطا فرمایا۔

اس فتح کے بعد نواب کی چوطرف ہیبت اور دھاک بیٹھ گئی۔ اور دشمن کانپ اٹھے۔ ڈر کے مارے ادھر ادھر بھاگ چھوٹے اور تمام علاقہ نائروں کے شر سے پاک ہو گیا۔ نواب نے فوراً برہمنوں کے ذریعہ اعلان کرایا جس سے عوام کی جان میں جان آئی۔ بعد ازاں نواب نے عوام کو حقوق بخشی کے سلسلہ میں یہ احکام صادر کئے۔

۱۔ نائروں کا درجہ برہمنوں کے بعد تھا لیکن اب اور بھی کم کیا جاتا ہے۔

۲۔ اچھوت لوگ نائروں کی غلامی کے کام میں لئے جاتے تھے۔ آئندہ سے یہ قبیح چیز بھی موقوف۔

۳۔ پہلے صرف نائر ہی ہتھیار باندھنے کے مستحق سمجھے جاتے تھے اب اچھوت بھی باندھ سکتے تھے۔

اس اعلان کا یہ اثر ہوا کہ اچھوت تو اچھوت خود ہزاروں نائر اسلام کی طرف آ گئے۔

ان مہمات سے نواب ابھی فارغ ہوا ہی تھا کہ اس کو اطلاع ملی کہ مرہٹے فوج لے کر روانہ ہوئے ہیں۔ ابھی یہ اندازہ نہ ہو سکا تھا کہ ان کا رخ کس طرف تھا۔ اصل واقعہ یہ ہوا تھا کہ بدنور والوں کو معلوم تھا کہ نواب آجکل مالا بار کی طرف پھنسا ہوا ہے۔ چنانچہ انہوں نے مرہٹوں سے چپکے سے درخواست کی کہ مسلمانوں نے اس ہندو ریاست پر قبضہ کر رکھا ہے۔ اس لئے آ کر بدنور پر قابض ہو جائیں۔ لہٰذا مرہٹوں نے اسی طرف کا رخ کیا۔

''میں جہاں تک اندازہ لگا سکا ہوں مرہٹے بدنور کی طرف جا رہیں۔ بدنور میری

پسندیدہ ریاست ہے اس پر میں مرہٹوں کو کسی قیمت پر قبضہ نہیں کرنے دوں گا''۔نواب نے اپنے ساتھیوں سے کہا۔

''اگر اجازت دیں تو یہ خاکسار جا کر ان کا مقابلہ کرے''۔ٹیپو نے اپنے والد سے دریافت کیا۔

''میرا قصد پہلے ہی یہی تھا مگر بعد کو میں نے فیصلہ کیا کہ یہاں کے نظم ونسق کے لئے چندے تمہیں اور مستقلاً میر حسن علی کو چھوڑ دیا جائے اور خود جا کر مرہٹوں کی خبر لوں''۔ حیدر علی نے جواب دیا۔

''جو بندگانِ عالی کی رائے ہو''۔ٹیپو نے کہا۔

''حسن میں تم کو مالا بار کے علاقوں کا نگران کرنا چاہتا ہوں''۔نواب نے حسن سے کہا۔

''میں بسر وچشم اس خدمت کے لئے حاضر ہوں حضور والا''۔حسن نے جواب دیا۔

دوسرے روز حیدر علی نصف فوج لے کر روانہ ہوا اور نصف لشکر لے کر حسن کے چارج میں چھوڑ دیا۔ ٹیپو اور حسن کئی میل تک اس کے ساتھ سفر کرتے رہے یہاں تک کہ بارش کی وجہ سے اسی قصبہ میں پڑاؤ ڈالنا پڑا جہاں کنوئیں پر حسین کی ملاقات چھمی سے ہوئی تھی۔

ONE URDU FORUM . COM
® SCANNED PDF By HAMEEDI

باب نمبر15

یہ بستی ویسے بھی بڑی سدا بہار تھی۔ بارش سے اس پر اور جوبن آ گیا تھا۔ پھر اس خوش نما بستی میں چھمی جیسی حسین لڑکی رہتی تھی جس کو حقیقتاً اس آبادی کا چاند کہنا چاہیے۔ مگر یہ چاند جس خوشرو نوجوان کو دیکھ کر گہن میں آ گیا تھا افسوس وہ اس وقت حیدر علی کے ساتھ تھا۔ میر حسین علی خان سینکڑوں میل دور دوسری بعید مہمات میں پھنسا ہوا تھا۔اسوقت حیدر علی کے ساتھ اس کا ہم شبہ چھوٹا بھائی حسن تھا۔ جس کے فرشتوں کو بھی خبر نہیں تھی کہ چند ماہ پہلے اس کا بڑا بھائی یہاں کی ملکہ حسن کا دل لوٹ کر لے گیا ہے۔

زمیندار اور بستی کے لوگوں کو معلوم ہوا کہ حیدری لشکر اس علاقے کے دشمنوں کا خاتمہ کرنے کے بعد ان کی مبارک بستی کے پاس خیمہ زن ہے اور اس لشکر میں خود ہیبت ناک وفتحمند حیدر علی بھی موجود ہے تو پوری آبادی اس کے درشن کرنے کو صبح ہی صبح آ ٹوٹی۔ چونکہ اس قصبہ کا ذمہ دار اور سب سے زیادہ معزز فرد زمیندار ہی تھا۔

اس لیے وہ حسب حیثیت دیہاتی تحفے لے کر سلطان کی خدمت میں حاضر ہوا اس کے بعد دوسرے لوگوں نے بھی خلوص وادب سے نذرانے پیش کئے اور حیرت ورعب سے مرعوب ہو کر اس شخص کو دیکھنے لگے جس کی ہیبت سے دور دور تک دشمن کانپتے تھے۔

حیدر علی قصبے والوں کے ساتھ نہایت مہربانی کے ساتھ پیش آیا ان کو بٹھایا اور غربا میں تقسیم کرنے کو بہت سا روپیہ ان کو دیا۔ ٹیپو سلطان ابھی اس چھوٹے سے دربار میں نہیں آیا تھا۔آخر تھوڑی دیر بعد وہ اور اس کے ساتھ حسن بھی آ گئے۔زمیندار کے وہم وگمان میں بھی نہ تھا کہ ٹیپو کا کوئی تعلق حیدر علی کی فوج یا خود حیدر علی سے ہوگا۔ کیونکہ ٹیپو نے خود کو جب یہاں پہلے آیا تھا تو تاجر ظاہر کیا تھا۔ اب جو زمیندار اور اس کے ساتھیوں نے ٹیپو کو یہاں پایا تو حیرت سے اچھل پڑے۔ آخر زمیندار مسرت سے اٹھ کھڑا ہوا اور ٹیپو سے بولا۔

ناول کیلئے ون اردو کے شکر گزار ہیں

''آپ بھی سردار، کیا حضور نواب صاحب کے ساتھ ہیں''؟

''ہاں زمیندار تم سب ہو تو بخریت''؟ ٹیپو نے مسکرا کر جواب دیا۔

''مگر سردار آپ نواب صاحب کے ساتھ کس طرح ہیں''؟ زمیندار نے اسی حیرت سے پوچھا۔

''تم انہیں کس طرح جانتے ہو زمیندار''؟ حیدر علی نے زمیندار سے ٹیپو کے متعلق دریافت کیا۔

''میں راجہ علی سے جب ملنے گیا تھا تو راہ میں ہم نے یہیں قیام کیا تھا اور زمیندار کے ہم لوگ مہمان ہوئے تھے''۔ ٹیپو نے خود ہی جواب دیا۔

''خوب تم ہمارے ساتھ اس لڑکے کو دیکھ کر حیرت زدہ کیوں ہو زمیندار''؟ نواب نے زمیندار سے کہا۔

''کیونکہ انہوں نے پہلے خود کو تاجر بتایا تھا اور حضور کے ہمراہ پا کر ہمیں تعجب سا ہو رہا ہے''۔ قصبہ کے ایک معزز آدمی نے کہا۔

''یہ میرا لڑکا ہے اور اس کا نام ٹیپو سلطان ہے۔ پہلے انہوں نے اپنا اصل تعارف آپ لوگوں سے اس لئے نہیں کرایا تھا کہ یہ مصلحت کے خلاف تھا''۔ نواب نے مسکرا کر کہا۔

''یہ آپ کے کنور ہیں حضور''؟ زمیندار کے منہ سے انتہائی حیرت سے نکلا۔

''ہمیں اس پر اب رنج ہو رہا ہے کہ شہزادے صاحب ہمارے مہمان رہے لیکن ہم ان کی شایان شان کوئی تواضع نہ کر سکے۔ ہاں اس بات پر فخر ہے کہ حضور کے فرزند دلبند نے ہمیں شرف میزبانی بخشا تھا''۔ زمیندار نے کہا۔

اس کے بعد وہ ہاتھ باندھے ہوئے آگے بڑھا تا کہ ٹیپو کے پیر چھوئے مگر اس نے اس کو بازو رکھتے ہوئے کہا

''ہم نے جو تم سے وعدہ کیا تھا زمیندار شکر ہے وہ پورا کر دیا''۔

''ہم لوگ تمام عمر آپ کا احسان نہیں بھولیں گے کہ آپ نے ہمیں نائروں کے ظلم سے نجات دلائی''۔ زمیندار نے کہا۔

''تعجب ہے کہ تم بھی ہندو اور نائر بھی ہندو پھر وہ تم لوگوں پر ظلم کرتے تھے''۔ نواب نے کہا۔

''وہ لوگ حضور ہمیں ہندو نہیں سمجھتے کیونکہ ہم شودر ہیں اسی لئے ہم سے غلاموں کا

ONE URDU FORUM . COM
® SCANNED PDF By HAMEEDI

سا برتاؤ کرتے تھے''۔ زمیندار نے جواب دیا پھر حسن کی طرف مخاطب ہوا وہ اس کو حسین ہی سمجھا اور قطعی ہم شکل ہونے کی وجہ سے اس مغالطہ میں حق بجانب تھا۔

''آپ نے سردار اب تک ہم سے کوئی بات نہیں کی۔ کیا خفا ہیں پچھمی تو رات دن آپ ہی کا ذکر کرتی رہتی ہے''۔ پچھمی کا نام سن کر ٹیپو بھی ذرا سٹپٹایا اور حسن تو دیوانوں کی طرح اس کی طرف دیکھنے لگا۔ اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آیا۔ اسی طرح حیدر علی بھی متعجب سا تھا۔

''معاف کرنا زمیندار۔ آپ کو کوئی مغالطہ ہوا۔ میں نے اس سے پہلے نہ تو کبھی اس بستی میں قدم رکھا تھا اور نہ آپ سے ملاقات ہوئی تھی''۔ آخر حسن نے کہا۔

''ہاں صاحب۔ آپ بڑے لوگ ہیں ہم غریبوں کو کیوں یاد رکھنے لگے حالانکہ شہزادے صاحب کے ہمراہ آپ بھی تھے۔ اور آپ نے بھی ہمارے غریب خانہ کو رونق بخشی تھی''۔ زمیندار نے کہا۔

اب اس جواب سے غریب حسن حیرت سے زمیندار کا منہ تکنے لگا۔ چنانچہ ٹیپو مسکرا کر بولا

''حسن کا کہنا درست ہے زمیندار۔ وہ ان کے بڑے بھائی تھے جو میرے ساتھ تمہارے مہمان ہوئے تھے اس وقت وہ ہمارے ساتھ نہیں ہیں بلکہ بہت دور ہیں''۔

''واہ شہزادے صاحب یہ وہی تو ہیں۔ آپ ہم سے ہنسی فرما رہے ہیں''۔ زمیندار نے کہا

حیدر علی بھی اصل معاملہ سمجھ گیا تھا۔ چنانچہ ہنسنے لگا اور زمیندار کے اس مغالطے کا لطف لینے لگا۔

''کیوں حضور والا! یہ وہی سردار ہیں نہ جو پہلے شہزادے کے ہمراہ آئے تھے''؟ اس دفعہ زمیندار نے خود حیدر علی سے اپنے الفاظ کی تائید چاہی۔

''جو تم اپنی خود آنکھوں سے دیکھ رہے ہو اس کے متعلق ہم سے کیوں دریافت کرتے ہو''۔ حیدر نے ہنس کر کہا۔

اب زمیندار کو بھی اطمینان ہوا کہ یہ صرف دل لگی تھی ورنہ یہ خوشرو نوجوان وہی ہے جس کے ذکر میں اس کی لڑکی مبتلا رہتی تھی۔

سب لوگ چلے گئے۔ دربار برخاست ہوا اب حسن نے تخلیہ میں ٹیپو کو جا لیا ہر چند بپاس ادب وہ ٹیپو سے بے تکلف نہ تھا مگر اس مغالطہ کی نوعیت اور پچھمی کی شان نزول کے

ناول کیلئے ون اردو کے شکر گزار ہیں

متعلق اس سے تفصیل طلب کرنا چاہتا تھا۔ ٹیپو نے ہنس ہنس کر تمام واقعہ اس کو سنایا اور آخر میں یہ بھی کہا کہ پچھی بہت حسین لڑکی ہے جس کو میں نے اور تمہارے بھائی نے بہن بنالیا تھا اور اس کے جہیز کے لئے کچھ نذر بھی کیا تھا۔

دوسرے روز ابر ذرا کھل گیا تھا۔ چنانچہ ٹیپو حسن کو لے کر ٹہلتا ٹہلتا کنوئیں کی طرف جا نکلا۔ چوطرف سبز گھاس اور آس پاس کی جنگلی جھاڑیوں اور پودوں میں جنگلی پھول بہار دکھا رہے تھے پھر پانی بھرنے والیوں کے پھول سے چہرے۔ یہ معلوم ہوتا تھا جیسے گلستان کے درمیان کنواں ایک نور کا حوض ہے۔ پچھی پابندی سے کنویں پر نہیں آتی تھی مگر آج موجود تھی۔ اس کی پہلے حسن پھر ٹیپو پر پڑی تو دیوانہ وار بھاگتی ہوئی آئی۔ ٹیپو کو تو اس نے نہ سلام کیا اور نہ اس سے مخاطب ہوئی مگر حسن کو دیکھ کر فرطِ محبت سے اس کا چہرہ جگمگا اٹھا تھا۔ آخر سرخوشی کے عالم میں بولی۔

''آپ آ گئے! میں تو رات دن آپ ہی کو یاد کرتی تھی''۔

اب حسن بھی سمجھ گیا اس لڑکی کو بھی وہی مغالطہ ہو رہا ہے جو اس کے والد کو ہوا تھا۔ مگر پچھی کے حسن و جوانی کو دیکھ کر اوہ سحر زدہ سا ہو گیا تھا۔ اس نے کتنی دلکش صورت پائی تھی اور حور کی طرح معصوم نظر آ رہی تھی حسن بیخود دی و محویت کے عالم میں اسے دیکھتا رہا۔

''کیا دیکھے جا رہے ہو بولتے کیوں نہیں''؟ پچھی نے اسے چپ پا کر تلملاتے ہوئے پوچھا۔ ٹیپو ہنسا اور آگے ٹہل گیا۔

''میں..... میں وہ نہیں ہوں۔ تمہیں دھوکا ہو رہا ہے حسینہ''۔

آخر حسن کی زبان سے نکلا۔ پچھی ان الفاظ سے حیرت زدہ ہو گئی۔ اس کا دل جیسے ٹوٹ گیا۔

''ہائے اتنی جلدی بھول گئے مجھے۔ باپو جی سے پوچھنا میں تمہیں دن رات یاد کرتی تھی''۔ اس نے چیخ کر کہا۔

''وہ شخص بڑا خوش نصیب ہے جس کو تم یاد کرتی تھیں۔ لیکن یقین مانو میں وہ آدمی نہیں ہوں جو یہاں اس سردار کے ساتھ آیا تھا''۔ حسن نے ٹیپو کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

''اے مالک! اتنا جھوٹ۔ چلو مجھ سے خفا ہو گئے ہو خیر، مگر جھوٹ نہ بولو'' پچھی نے رہانسی ہو کر کہا

ONE URDU FORUM . COM
® SCANNED PDF By HAMEEDI

''میں بالکل سچ کہتا ہوں۔ وہ میرے بڑے بھائی تھے جن کو تم نے دیکھا تھا۔ ہم دونوں بھائیوں کی شکل بہت ملتی جلتی ہے''۔ حسن نے اس کے مغالطہ کو رفع کرنے کی انتہائی کوشش کرتے ہوئے کہا

''میں کبھی نہیں مان سکتی۔ اچھا تم نے مجھے یہ انگوٹھی نہیں دی تھی''؟ اس نے اپنی ساڑھی کے پلو سے حسین کی دی ہوئی انگوٹھی نکال کر پوچھا۔ وہ اس کی نازک انگلی کے لئے بڑی تھی۔

''نہیں۔ یہ میرے بڑے بھائی صاحب نے تمہیں دی ہو گی۔ میں تو یہاں آج تک نہیں آیا اور تمہاری پیاری صورت آج کے سوا میں نے کبھی نہیں دیکھی تھی''۔ حسن نے کہا۔

مگر وہ کس طرح باور کر سکتی تھی اس کے سامنے اس کے خیالوں کا ہیرو گوشت پوست میں کھڑا تھا۔ حُسن کے تجاہل کو صرف یہ سمجھی کہ چونکہ وہ منہ سے اس کو بہن بنا گیا تھا اس لئے اس منہ بولے رشتہ کی بنا پر گریز کر رہا ہے۔ اس کا نازک دل خون ہا گیا اور محبوب کے دانستہ اغماز کی وجہ سے اس کی خوبصورت آنکھوں میں موٹے موٹے آنسو آ گئے۔

اس منظر کو دیکھ کر حسن کو بھی سخت تکلیف ہوئی۔ کس طرح اس ظالم کو سمجھائے کہ تجھے دھوکا ہو رہا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ بھائی صاحب اس کی پوری ہستی پر چھا چکے ہیں۔

''بھائی جان۔ خدا کے واسطے یہاں آیئے اور اس معصوم لڑکی کو حقیقتِ حال سے باخبر کیجئے۔ یہ تو میرے سمجھائے سے کچھ نہیں سمجھتی''۔ آخر حسن نے ٹیپو کو اپنی مدد کے لئے آواز دیتے ہوئے کہا۔

ٹیپو خود عشق و عاشقی سے نابلد تھا مگر اس لڑکی کی حالت دیکھ کر حیران رہ گیا۔ آخر قریب آ کر نہایت ملائمت سے بولا۔

''پچھی! میری ننھی سی بہن۔ یہ سردار ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ یہ وہ نہیں ہیں جو میرے ساتھ پہلے آئے تھے۔ بلکہ ان کے چھوٹے بھائی ہیں۔ ذرا غور سے ان کی طرف دیکھو، ان کا قد دیکھو ان کے بدن پر غور کرو''۔

''رات دن محنت کرتے ہیں اس لیے کچھ دبلے ہو گئے ہوں گے''۔ پچھی نے جواب دیا۔

''اچھا قد؟ کیا وہ بھی محنت کرنے سے گھس گیا''؟ ٹیپو نے مسکرا کر کہا۔

ناول کیلیئے ون اردو کے شکر گزار ہیں

''وہی تو قد ہے۔ یہ تو وہی ہیں''۔ پچھی نے حسن کو بغور دیکھتے ہوئے کہا
اب ٹیپو کو بھی ہار مان لینی پڑی۔ مار گیا حسین غریب کو۔ آخر پھر بولا۔
''لیکن پچھی تم ان میں اتنی دلچسپی کیوں لے رہی ہو۔ تمہارے والدین تو کہہ رہے تھے (جب وہ پہلے آئے تھے) کہ ایک دو مہینے بعد تمہاری شادی کسی اچھے سے لڑکے سے کرنے والے ہیں''۔
''میں نے انکار کر دیا۔ میں کسی سے شادی نہیں کروں گی''۔ پچھی نے خفگی سے جواب دیا۔
''کیا ان سے بھی نہیں''؟ ٹیپو نے حسن کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مسکرا کر پوچھا۔
پچھی کلی کی طرح کھل گئی۔ اس کے بعد لجا کر کنوئیں کی طرف بھاگ گئی۔
''چلو میاں حسن مبارک ہو۔ ایسی حسین دلہن تم چراغ لے کر ڈھونڈتے تو نہیں ملتی''۔ ٹیپو نے ہنس کر حسن سے کہا۔ مگر وہ کچھ پریشانی میں زبان نہ کھول سکا۔ کنوئیں پر اس نے پچھی کے حسین آنچل کو لہراتے ہوئے دیکھا۔ اس کے بعد اس کے دل میں مسرت کی لہریں اٹھنے لگیں۔ کس بلا کا حسن تھا اور کتنا تیکھا شباب''؟

ONE URDU FORUM . COM
® SCANNED PDF By HAMEEDI

باب نمبر16

حسن جب بستر پر دراز ہوا تو اسے بار بار پچھی کا خیال آئے جا رہا تھا کتنی دلربائی پائی ہے ظالم نے۔ سادہ بھی اور بانکپن بھی۔ وہ مرد واقعی بڑا ہی خوش نصیب ہوگا جو اس لڑکی کا ہاتھ تھامے گا۔ خدا کا شکر ہے وہ اس کی طرف کافی ملتفت تھی۔ یہ خیال آتے ہی حسن اس کے فریب خوردہ التفات کا تصور کرنے لگا اور اس نے اندازہ لگایا کہ اس کی یہ مسرت بالکل بیجا ہے کیونکہ پچھی نے کسی اور شخص کا جلوہ اس میں دیکھ کر توجہ ارزانی کی تھی۔ وہ تو کسی اور کو چاہتی ہے۔ وہ تو اس غائب شخص کا صرف معمول ہے۔ پھر جس شخص کو یہ ماہ جبیں لڑکی چاہتی ہے وہ خود حسن کا سگا بھائی ہے۔
اس تخیل کے آتے ہی حسن چونک پڑا اور خود پر نفرین کرنے لگا۔ اسے حق کیا ہے کہ اپنے بڑے بھائی کی طالب لڑکی سے محبت کرنے کی جرأت کرے یہ لڑکی تو اس کے لئے واجب احترام تھی۔ اگر بھائی صاحب بھی اس سے محبت کرتے ہیں تو اس لڑکی کی طرف نظر اٹھا کر دیکھنا بھی مباح نہیں۔ لیکن انہی تکلیف دہ خیالات کے درمیان اسے یاد آ گیا کہ ٹیپو کی زبانی معلوم ہوا تھا کہ حسین نے اس لڑکی کو منہ بولی بہن بنا لیا ہے۔ اس سے حسن کے تشویش انگیز خیالات میں سکون سا پیدا ہونے لگا اور وہ پھر پچھی کے تصور میں کھو گیا۔ نوجوان حسن بے شک بہت اچھا سپاہی تھا مگر اس جری شخص کو ایک دہاتی دوشیزہ نے لوٹ لیا تھا۔ حسن بالکل نوعمر لڑکا تھا اور بڑی مہمات میں شرکت کرنے کا اس کو کم موقع ملا تھا۔ اس لئے وہ عورت اور اس کے تصور کو اپنی سپاہیانہ زندگی کے منافی نہیں سمجھ سکتا تھا۔ ایک جنگ آزما کی حیثیت سے ابھی عشق و محبت جیسی معطل کن شے سے دور ہی رہنا لازم تھا۔ وہ خود کو دور نہ رکھ سکا اور حقیقتاً ساحرہ پچھی سے دل ہار گیا۔ اب بشرح صدر محبت کرنے میں صرف یہ امر حائل تھا کہ کسی طرح یہ ثابت ہو جائے کہ اس کا بڑا بھائی بھی اس لڑکی کی زلف کا اسیر نہیں ہے۔

ناول کیلئے ون اردو کے شکر گزار ہیں

انہی خیالات میں حسن زیادہ رات گئے تک نہ سو سکا اور صبح بیدار ہوا تو اس کے چہرے سے عاشقانہ شوریدہ سری و وحشت ہویدا تھی۔ جس کو دیکھ کر ٹیپو خوب ہنسا

''کیا بات ہے آج تمہارا حلیہ محبوبانہ کیوں ہو رہا ہے حسن میاں''؟ ٹیپو نے مسکرا کر پوچھا۔

''آپ سے بہت سی باتیں کہنا ہیں بھائی جان مگر ابھی نہیں پھر''۔ حسن نے جواب دیا۔

اسی اثناء میں نواب کا بلاوا آ گیا اور دونوں اس کی خدمت میں حاضر ہوئے

''کیا بات ہے میاں حسن۔ کچھ افسردہ سے نظر آتے ہو''؟ حیدر علی نے بھی اپنی عقابی نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے دریافت کیا۔

''کوئی بات نہیں قبلہ۔ رات کو مچھروں نے نہیں سونے دیا تھا''۔ حسن نے بات بناتے ہوئے کہا۔

''اچھا ہم آج بدنور کی طرف کوچ کرتے ہیں۔ ٹیپو سلطان بھی ہمارے ہمراہ جائیں گے تمہیں ہم مالا بار کا علاقہ سپرد کرنا چاہتے ہیں''۔ نواب نے حسن سے کہا۔

''بہت مبارک، میں جناب کی تمام توقعات انشاء اللہ پوری کر کے رہونگا''۔ حسن نے جواب دیا۔

''ہماری صرف دو تین ہدایات ہیں انہیں گرہ میں باندھ لو۔ صرف یہیں نہیں وہ ہر جگہ تمہارے کام آئیں گی''۔ نواب نے کہا۔

''حضور ارشاد فرمائیں۔ آپ مجھے ان سے سرمو منحرف نہ پائیں گے''۔ حسن نے ادب سے عرض کیا۔

''سفیر لوگوں پر اعتبار نہ کرنا وہ خواہ خود کو کتنا ہی تمہارا بہی خواہ ظاہر کریں ہر کڑی کا استقلال سے مقابلہ کرنا اور تمہیں ذرا انتشار کا شک ہو تو ہمیں فوراً مطلع کر دینا۔ تیسرے عورتوں سے دور رہنا تم ماشاء اللہ نوجوان وخوشرو ہو اس لئے بعید نہیں کہ یہ سحر تمہارے سامنے زیادہ آئے''۔ نواب نے مسکرا کر کہا۔

حسن نے تمام ہدایات پر عمل کرنے کا وعدہ کیا۔ آخری ہدایت ذرا اس کے چبھی افوہ نواب کس قدر زیرک واقع ہوا تھا۔ ابھی چبھی کی دھنک اس کی روح پر نمودار ہی ہوئی تھی کہ اس ہدایت نے اسے ڈھانک دیا۔

ONE URDU FORUM . COM
® SCANNED PDF By HAMEEDI

حیدر علی ابھی روانگی کی تیاری کر ہی رہا تھا کہ زمیندار بھاگا بھاگا حاضر ہوا وہ پریشان نظر آ رہا تھا۔ اسوقت اس کے ساتھ صرف دو آدمی تھے۔ آتے ہی اس نے نواب کو ڈنڈوت کیا اور ہاتھ باندھ کر کھڑا ہو گیا۔

''ہم جا رہے ہیں زمیندار، اطمینان رکھو اب تمہیں نائر پریشان نہیں کریں گے۔ رہے مرہٹے تو ہم ان کے علاج کی فکر میں بھی ہیں۔ تمہارے علاقہ کی حفاظت کے لئے ہم اپنی فوج اپنے نوجوان و بہادر حسن کی نگرانی میں چھوڑ کر جا رہے ہیں۔ یہ فوج بیشک مالا بار کے قریب اور تمہاری بستی سے دور قیام کرے گی مگر ہر وقت تمہاری امداد کو آ سکے گی''۔ نواب نے مہربانی سے فرمایا۔

زمیندار آداب بجالایا۔ اس کی سراسیمگی اور ادھر ادھر دیکھنے سے اندازہ ہوتا تھا کہ کچھ کہنا چاہتا ہے مگر نواب کی رعب خیز شخصیت کے سامنے زبان نہیں کھل رہی تھی۔

''کیا تمہیں ہم سے کچھ کہنا ہے''؟ آخر نواب نے ہی اس کے جذبات کو تاڑتے ہوئے دریافت کیا۔

''جی حضور ایک ضروری بات''۔ زمیندار نے کہا۔

''کہو اجازت ہے گھبراؤ نہیں''۔ نواب نے کہا۔

''حضور وہ بات ایسی ہے کہ اتنے آدمیوں میں ہماری زبان سے نہیں نکلے گی''۔ زمیندار کے ساتھیوں نے کہا۔

''اچھا تخلیہ''۔ نواب نے سب کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

ٹیپو اور حسن بھی اٹھ کر جانے لگا کہ زمیندار بولا۔

''شہزادہ صاحب کو اور ان کے سردار کو روک لیں''۔ اس نے ٹیپو اور حسن کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ چنانچہ دونوں رک گئے اب زمیندار پر پھر تذبذب طاری ہو گیا۔ آخر اپنے حواس پر قابو پا کر بولا

''حضور میں تو سخت پریشانی و مصیبت میں آ پڑا ہوں''۔

''ہوا کیا آخر''؟ نواب نے دریافت کیا۔

''میں اپنی لڑکی کی شادی برادری کے ایک ہونہار لڑکے سے کرنا چاہتا تھا۔ لڑکی کو بھی اس سے انکار نہیں تھا۔ مگر جب سے یہ سردار (حسن کی طرف اشارہ کر کے) آٹھ مہینے پہلے شہزادے صاحب کے ساتھ یہاں چکر لگا کر گئے ہیں میری لچھی کی عجیب حالت

ناول کیلیئے ون اردو کے شکر گزار ہیں

ہوگئی ہے۔اس نے ہنسنا بولنا کم کردیا تھا۔شادی سے صاف انکار تو نہیں کیا مگر جب سے برابر ٹال مٹول کئے جارہی ہے اب شاید اس نے ان سردار صاحب کو کہیں دیکھ لیا تھا تو گھر پر جا کر اپنا برا حال کرلیا۔ حضور وہ میری اکلوتی بیٹی ہے۔اور کیا کہوں''۔زمیندار وہانسا ہوکر چپ ہوگیا۔

''گھبراؤ نہیں صاف صاف کہو۔تمہاری بیٹی میری بیٹی ہے''۔نواب نے مہربانی سے فرمایا۔

زمیندار کی ہمت بڑھی، پھر بولا۔

''ماں اس کی حالت دیکھ کر گھبرا گئی بہت کچھ اس سے پوچھا مگر کچھ بتاتی ہی نہیں تھی۔ آخر ماں نے میری اور اپنی جان کی قسم دی تو بڑی مشکل سے بولی کہ اب وہ اپنا بیاہ برادری کے لڑکے سے نہیں کرنا چاہتی.....اگر شادی کرے گی تو صرف سردار صاحب سے کرے گی۔ بات بڑی چونکا دینے والی تھی۔ پہلے تو ماں سخت پریشان ہوئی پھر اس کو برا بھلا کہنے لگی۔اس پر میری بچھی نے زہر کھالینے کی دھمکی دی۔ اب میں اور میری بیوی رات سے اس کو سمجھا رہے ہیں مگر وہ برابر روئے جارہی ہے۔ اور اپنا برا حال کرلیا ہے حضور ہم شود رسہی مگر ہمارا خون برا نہیں ہے اس سے زیادہ میں کچھ عرض نہیں کرسکتا''۔

نواب عین اپنی روانگی کے وقت اس معمہ کو سن کر اس میں الجھ کر رہ گیا۔ وہ میدان جنگ میں دنیا کے اچھے جنرلوں میں سے ایک اچھا جنرل تھا۔اسی طرح اس نے نہایت اعلیٰ درجہ کا سیاسی دماغ پایا تھا مگر رزم کی اس حسین کڑی کا اسے تجربہ نہ تھا وہ سمجھ نہ سکا کہ کسی لڑکی پر کسی مرد کی محبت اس شدت سے غالب آسکتی ہے کہ وہ اپنی جان پر کھیلنے کو آمادہ ہوجائے۔بہر حال آج اس کے سامنے ایسی مثال آگئی تھی۔ اس گتھی کو حل کرنا تھا۔لیکن ابھی تھوڑی ہی دیر پہلے تو وہ حسن کو ہدایت کررہا تھا کہ عورت سے دور رہنا۔ابھی اس نے پیٹھ بھی نہیں موڑی تھی کہ اس کی اس ہدایت کے خلاف بغاوت کرنے بچھی آموجود ہوئی تھی۔

پھر ایک سب سے زیادہ تلخ حقیقت یہ تھی کہ جس شخص پر بچھی کا دل مائل ہوا ہے۔ وہ یہاں ہے کہاں۔وہ تو یہاں سے سینکڑوں میل دور کہیں الجھا ہوا تھا۔مگر بچھی نے اپنی محویت محبت میں یہ دیکھا ہی نہیں کہ جس کو اس کا دل پیار کرتا ہے وہ حسن نہیں ہے بلکہ بچھی کے اصل محبوب کی تصویر سے وہ دھوکا کھارہی ہے۔اس بیدرد حقیقت سے اسکو آگاہ کرنا ازبسکہ ضروری ہے اور ابھی تو خود اس کے باپ کا مغالطہ رفع کرنا ہے۔آخر سلطان نے ملائم

ONE URDU FORUM . COM
® SCANNED PDF By HAMEEDI

لہجہ میں کہا۔

''زمیندار! تمہاری پریشانی کے ہم پورے پورے شریک ہیں اور اطمینان رکھو ہم نہ تو تمہاری لڑکی کے ارمانوں کا خون چاہتے ہیں نہ تمہاری امیدوں کا لیکن تم دونوں باپ بیٹی سخت دھوکا کھارہے ہو۔یہ نوجوان وہ نہیں ہے جو آٹھ ماہ ہوئے ہمارے لڑکے کے ہمراہ تمہاری بستی میں آیا تھا۔ یہ اس کا حقیقی چھوٹا بھائی ہے اور دونوں میں اتنی حیرت انگیز مشابہت ہے کہ ان کو دیکھ کر اکثر ہم خود دھوکا کھا جاتے ہیں۔

چنانچہ تم پہلے تو اس چیز کو اچھی طرح سمجھ لو کہ یہ سردار تمہاری لڑکی کا اصل محبوب نہیں ہے اس کے بعد فیصلہ کرو کہ تمہیں کیا کرنا ہے''۔

ان کلمات کو سن کر زمیندار پہلے تو حیران رہ گیا۔ پھر اس روز کی ملاقات پر اس کو ٹیپو کے الفاظ یاد آئے جس نے کہا تھا کہ حسن اس سردار کا چھوٹا بھائی ہے،مگر زمیندار اس کو صرف مذاق سمجھتا تھا۔اب اس کے الفاظ کی صداقت کا اس کو یقین ہونے لگا کیونکہ نواب جیسا شخص اور اس کا ہونہار لڑکا جھوٹ نہیں بول سکتے تھے۔

''حضور نے یہ بات فرما کر تو میری پریشانیوں میں اور اضافہ فرمادیا۔میرے لئے تو یہ سردار اور ان کے بڑے بھائی دونوں برابر ہیں۔ ہاں البتہ بچھی جب اس حقیقت سے باخبر ہوگی تو عرض نہیں کرسکتا کہ اس کے کیا جذبات ہوں گے۔ بہر حال میں نے تمام اپنا معاملہ حضور کے سپرد کردیا ہے۔جس طرح سمجھیں اسے سلجھائیں''۔زمیندار نے کہا۔

''جہاں تک میرے سلجھانے کا تعلق ہے میں تو سلجھا چکا۔ تم کہتے ہو کہ تمہارے نزدیک یہ دونوں بھائی برابر ہیں۔اس سے ہمیں خوشی ہوئی اب آخری فیصلہ کرنا خود بچھی کے ہاتھ میں رہ گیا ہے چنانچہ تم ہماری طرف سے اس سے کہنا کہ بیٹی تو اب اپنے پہلے والے مرد کے چھوٹے بھائی کے لئے دیوانی ہورہی ہے جو حقیقتاً پہلے تیرا محبوب نہ تھا۔اگر تجھے یہ نوجوان بھی پسند ہے تو تیرا رشتہ اس کے ساتھ ہم اسی طرح کردیں گے گویا تو ہماری ہی بیٹی ہے''۔ زمیندار ان الفاظ کو سن کر بہت خوش ہوا دعائیں دیتا ہوا بولا

''اگر حضور یہ الفاظ لکھ کر بخش دیتے تو اس پگلی کو جلد یقین آجاتا''۔

نواب حیدر علی بالکل اُمّی تھے اس کا ایک واقعہ ہے کہ کوئی کاغذ ایک شخص دستخطوں کے لئے ان کے پاس لایا۔وہ دستخط بھی نہیں کرسکتے تھے۔بہر نوع اٹھا کر ویسے ہی اس پر کیڑے مکوڑے بنانے لگے۔ وہ شخص حیرت سے انہیں دیکھنے لگا تو مسکرا کر بولے ''قلم کو کیا

دیکھتا ہے یہاں دیکھو' یہ کہہ کرانہوں نے اپنی پیشانی کی طرف اشارہ کیا۔

''اس کی ضرورت نہیں۔ سپاہی کے الفاظ تحریر سے زیادہ دقیع ہوتے ہیں اس کے علاوہ ہمارے الفاظ کے یہ تمہارے دونوں ساتھی گواہ ہیں۔ اگر اس کے باوجود بھی اس کی سمجھ میں نہ آئے تو حسن کو موقع دینا وہ خود اپنی حقیقت اس کے ذہن نشین کرے۔ جب دیکھو کہ حقیقت اس پر منکشف ہوگئی ہے اور اس کا مغالطہ رفع ہوگیا ہے تو اس سے پوچھا جائے کہ آیا حسن بھی اسے پسند ہے۔ اگر اس کا جواب اثبات میں ہو تو ہمیں ان دونوں کی شادی میں کوئی عذر نہیں ہوگا۔ مگر یہ شادی اس وقت تک ملتوی رکھی جائے جب تک ہم اجازت نہ دے دیں''۔ نواب نے کہا پھر حسن سے مخاطب ہوا۔

''حسن! تم اس گتھی کو شاعرانہ طرز پر نہیں بلکہ سپاہیانہ انداز میں سلجھانا۔ خبردار کوئی لغزش نہ ہوجائے''۔ حسن نے وعدہ کیا۔

اس کے بعد نواب رخصت ہوا اور زمیندار اپنے تاحال غیر یقینی داماد کی طرف مسرت سے دیکھتا ہوا اپنے مکان کی طرف روانہ ہوا۔

باب نمبر 17

حسن نے نواب کی ہدایات پر پورا پورا عمل کیا۔ ہر چند بچھی کی حسین صورت ہر دم اس کے حافظہ میں رہنے لگی تھی مگر اس نے فرائض کو آگے رکھا اور ایک دو روز بعد گشت کے طور پر فوج کو لے کر گرد و نواح میں گھومنے کا پروگرام بنانے لگا۔ بارش اب بھی زوروں پر تھی کئی کئی دن تک تھمنے کا نام نہیں لیتی تھی حسن کو صرف یہ انتظار تھا کہ مینہ رکے تو ایک چکر مالا بار کا لگا آئے۔ لیکن مالا بار کے علاقہ میں اس بلا کی بارش ہو رہی تھی کہ ندی نالوں کی وجہ سے تمام راستے بند ہوگئے تھے۔ تاہم حسن نے چند آدمیوں کو راجہ علی کے پاس کنارا روانہ کیا تا کہ دیکھ کر آئیں کہ وہاں پھر کوئی فتنہ تو نہیں اٹھ کھڑا ہوا۔ ادھر راجہ علی کو یہ پیغام بھی پہنچا دیا کہ میں خود بارش تھمتے ہی ادھر آنے والا ہوں۔

اس روز زمیندار حیدر علی کے فیصلہ سے خوش خوش اپنے مکان کی طرف روانہ ہوا تھا۔ اس کو اپنے مغالطہ کے رفع ہونے سے بھی اطمینان تھا اگر چہ اس نے حسن اور اس سے پہلے یہاں کا چکر لگا جانے والے اس کے بھائی حسین کی صورتوں میں اب تک کوئی فرق محسوس نہیں کیا تھا۔ مگر چونکہ حیدر علی جیسے شخص نے یہ کہا تھا کہ حسن وہ شخص نہیں ہے جو پہلے آیا تھا بلکہ اس کا ہم شکل بھائی ہے تو زمیندار کو یقین کر لینا پڑا تھا مگر اس کے سامنے اب یہ مسئلہ آ گیا تھا کہ اپنی ضدن بیٹی کے ذہن میں کس طرح یہ حقیقت بٹھائے گا۔ کیونکر اس کے مغالطہ کا ازالہ کر سکے گا۔ سردست یہی تدبیر ممکن نظر آتی تھی کہ حیدر علی کے بیان کی تائید میں اپنے دونوں ساتھیوں کو بچھی کے سامنے پیش کرے اگر اس پر بھی اسے یقین نہ آئے تو نواب کی حسب ہدایت اس مغالطہ کو رفع کرنے کے لئے خود حسن کو اس کے پاس لیجائے۔

زمیندار نے جب اپنی بیوی کے ذریعہ بچھی کو اطلاع دی کہ آجکل جو سردار آیا ہوا ہے وہ دوسرا آدمی ہے اور پہلے آنے والے کا ہمشکل بھائی ہے تو اسے یقین نہیں آیا حالانکہ یہی الفاظ وہ حسن سے اور ٹیپو سے بھی دو چار روز پہلے سن چکی تھی۔ آخر زمیندار نے نواب کی

ONE URDU FORUM . COM
® SCANNED PDF By HAMEEDI

تصدیق کی تائید میں اپنے دو ساتھیوں کو اپنی صاحبزادی کے حضور پیش کیا۔

''بیٹی ہم یا تیرے ماں باپ دشمن تو ہیں نہیں کہ تیرا دل توڑنے کو جھوٹ سے کام لے رہے ہوں''۔ گواہوں نے بچھی سے کہا۔

''مگر نواب نے خود مجھے بلا کر کیوں نہیں یہ بات کہی''۔ ضدن بچھی اپنی بات پر اڑی رہی۔

''وہ اتنا بڑا نواب جس کو دن رات نا معلوم کتنی بڑی بڑی باتوں کی فکر لگی رہتی ہے ایک اتنی معمولی بات کی خاطر آخر کیوں اس قدر تکلیف کرتا''۔ گواہ نے کہا

بچھی چپ ہوگئی۔

''پھر بیٹی یہ بھی تو سوچ کہ جو سردار پہلے آیا تھا وہ تجھے اپنی منہ بولی بہن بنا گیا تھا اور تو ہے کہ اس کو اپنا پران ناتھ بنائے بیٹھی ہے''۔ ماں نے کہا

''خیر''۔ باپ نے اپنی لاڈلی بیٹی کا دل رکھنے کو کہا

''اگر تو اب بھی سمجھتی ہے کہ آج کل جو سردار اپنی بستی کے باہر ٹھہرا ہوا ہے وہی ہے جو پہلے آیا تھا تو خود اس سے باتیں کر کے اپنا شبہ رفع کر لے۔ اسے غور سے دیکھ لے''۔

یہ بات بچھی کی سمجھ میں آ گئی اور اس نے دوسرے روز اپنی ماں کے ذریعہ یہ خواہش ظاہر کی کہ اس سردار کو بلایا جائے چنانچہ حسن کے پاس شام کو پیام بھیجا گیا کہ اس بستی کی حسین ملکہ نے اس کو طلب کیا ہے۔

بارش کی سہانی رُت۔ جنگل میں مور اور پپیہے کی کُو کُو۔ آبشاروں کے نغمے اور اس پر حسن کا اپنا پرشباب و پر جذبات سینہ بچھی کو کنوئیں پر پہلی بار دیکھتے ہی یہ نوجوان اس ساحرہ سے اپنا دل ہار گیا تھا۔ چند یوم ہی میں اسے یہ بارش کی سہاونی راتیں محسوس ہونے لگیں تھیں۔ اگر اس پر پاس فرض غالب نہ ہوتا تو شاید وہ اپنی غارت گر لڑکی کے پاس جا پہنچنے میں خود پہل کر بیٹھتا۔ اب اس کا پیام سن کر اس کا دل خوشی سے اچھل پڑا۔ خوشی خوشی روانگی کی تیاری کرنے لگا مگر دفعتہً اسے حیدر علی کی ہدایت یاد آئی کہ غیر لوگوں پر بھروسہ نہ کرنا۔ آخر وہ پیغامبروں سے بولا۔

''مجھے چلنے میں تو کوئی عذر نہیں مگر یہاں چند نہایت ضروری کام ہیں اس لئے زمیندار اور ان کی بیوی وغیرہ کو تکلیف نہ ہو تو یہیں آ جائیں''۔

ONE URDU FORUM . COM
® SCANNED PDF By HAMEEDI

''آپ کوئی خطرے کی بات دل میں نہ لائیں سردار ہم گاؤں کے لوگ دھوکے باز نہیں ہوتے۔ اگر آپ اپنے اطمینان کے لئے اپنی پوری فوج اپنے ہمراہ لے چلیں گے تو ہمیں کوئی اعتراض نہیں ہوگا''۔ قاصدوں نے کہا۔

''میں کسی سے نہیں ڈرتا۔ اس لئے آپ یہ نہ سمجھیں کہ میں بر بنائے خوف آپ کے ساتھ نہیں جانا چاہتا۔ خیر چلو میں چلتا ہوں'' حسن نے کہا اس کو خیال ہوا کہ کے زیادہ معذرت خواہ ہونے سے یہ لوگ بزدل سمجھیں گے۔ چنانچہ چار آدمی اپنے ہمراہ لئے اور کاشانہ حسن کیطرف روانہ ہوا۔

کھانے کا وقت ہوگیا تھا۔ زمیندار نے پہلے ہی دعوت کا انتظام کر رکھا تھا۔ چنانچہ اس نے بڑے تپاک سے اپنے مہمانوں کا استقبال کیا۔ یہ اچھوتوں اور مسلمانوں کے اتحاد کی زریں مثال تھی۔ ویسے برہمن کی نظر میں مسلمان خود ایک حقیر اور اچھوت ہے۔ کھانے سے فارغ ہو کر آخر حسن کو ایک کشادہ سے دالان میں لیجایا گیا۔ اس کے ہمراہی ڈیوڑھی میں بطور پہرہ دار کے کھڑے ہوگئے۔

دالان میں ایک چارپائی پر زمیندار کی بیوی بیٹھی تھی اور اس سے متصل اس کی لاڈلی بیٹی کسی کے لئے چشم براہ تھی۔

''کھانا تو آپ کو پسند آیا ہوگا''۔ زمیندار کی بیوی نے حسن کو قریب میں ایک پلنگ پر بٹھاتے ہوئے کہا۔

''اتنا اچھا تھا کہ میں بھوک سے زیادہ کھا گیا۔ شاید انہوں نے پکایا ہوگا''۔ حسن نے اپنی آفتِ جاں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مسکرا کر پوچھا۔

''ہاں یہ کھانے پکانے میں بڑی سگھڑ ہے۔ آپ تو پہلے بھی اس کے ہاتھ کا کھانا کھا چکے ہیں''۔ پہلے جب آپ آئے تھے تو آپ کے ساتھ تھوڑے سے آدمی تھے۔ اتنی جلدی بھول گئے۔ ہمارے اسی مکان میں تو آ کر ٹھہرے تھے''۔ بچھی کی ماں نے اس طرح ابتدا کی کہ اگر یہ وہی شخص ہے تو مسلمان کی حیثیت سے جھوٹ بول کر کوئی بات چھپائے گا نہیں۔ حسن ہنسا اور دونوں ماں بیٹی کو اس کی ہنسی بھی بالکل حسین کی ہنسی معلوم ہوئی۔

''نہیں ماں۔ میں یہاں پہلے کبھی نہیں آیا جس کا ذکر کر رہی ہو وہ میرا بڑا بھائی تھا''۔

''میرے پتی بھی یہی کہتے ہیں اور ان کے تمام ساتھی بھی کیونکہ نواب صاحب

نے ان سے یہی کہا تھا۔ خیر میں تو مانے لیتی ہوں پر بچھی کو کسی طرح یقین نہیں آتا''۔ بچھی کی ماں نے کہا۔

''کیوں صاحب آپ کو کیوں نہیں یقین آتا۔ کیا آپ میرے اندر کوئی فرق نہیں پاتیں''؟ حسن نے مسکرا کر بچھی سے پوچھا۔ اس نے اپنی حسین آنکھیں اٹھائیں اسے دیکھتی رہی پھر مسکرا کر بولی۔

''کیسے مان لوں۔ آپ تو بنے بنائے وہی ہیں''۔ حسن پھر ہنسا

''کیا تمہیں میرے قد و جسم میں کوئی فرق نظر نہیں آتا''؟ اس نے پوچھا۔ وہ اس کی طرف دیکھ کر چپ ہوگئی۔ یا تو اسے حسین کا قد و قامت یاد نہ رہا تھا یا تفاوت اس کے لئے کوئی ایسا قابل ذکر نہ تھا۔

''اس سے کیا ہوتا ہے۔ آدمی کا بدن گھٹتا بڑھتا رہتا ہے''۔ آخر بچھی نے کہا۔

''تمہیں میرے متعلق بڑا شدید دھوکا ہو رہا ہے۔ کیا نام ہے تمہارا''۔ حسن نے کہا۔

''اچھا آپ نے مجھے جو انگوٹھی دی تھی یاد ہے؟ اور اس کے پتھر کا رنگ کیسا تھا''؟ بچھی نے پوچھا۔

''کاش میں نے تمہیں کوئی انگوٹھی نذر کی ہوتی۔ اور اسے اپنے ہاتھ سے تمہاری انگلی میں پہنایا ہوتا''۔ حسن نے مسکرا کر کہا

''لانا ماں وہ انگوٹھی یہ تو اب اپنی انگوٹھی سے ہی انکار کرنے لگے''۔ بچھی نے اپنی ماں سے کہا۔

''کہاں رکھی ہے تو نے''؟ ماں نے پوچھا۔

''صندوق میں ہوگی''۔ بچھی نے کہا

ماں انگوٹھی لینے دوسری کوٹھری میں گئی۔ جب تنہائی ہوگئی تو حسن نے آہستہ سے بچھی سے کہا۔ اس کے لہجہ میں رقت تھی

''بچھی خود سوچو کون بد بخت ہوگا کہ تمہیں نہیں چاہے گا۔ میں نے تمہیں صرف پرسوں ترسوں کنوئیں پر پہلی بار دیکھا تھا اور اب یقین دلاتا ہوں کہ تمہیں تمام عمر نہیں بھولوں گا''۔

بچھی نے شرمائی ہوئی نظروں سے اس کی طرف دیکھا اور چپ ہوگئی۔

ONE URDU FORUM . COM
® SCANNED PDF By HAMEEDI

''میں تلوار پر ہاتھ رکھ کر تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ جس کو تم نے پہلے دیکھا تھا وہ میرا بڑا بھائی تھا اور اس کا نام حسین ہے۔ مجھے حسن کہتے ہیں۔ اچھا ہوا کہ میرے بھائی تمہیں بہن بنا کر رخصت ہوئے تھے۔ ورنہ میں تو شاید دیوانہ ہو جاتا۔ تین روز پہلے تم کو کنوئیں پر پہلی بار دیکھ لینے کے بعد سے تم ہر دم میری آنکھوں اور دل کے سامنے رہتی ہو۔ اور میں تم سے صاف صاف کہتا ہوں کہ تم میری روح میں سما چکی ہو''۔ حسن نے کہا۔

اس اعلان سے بچھی کا دل خوشی سے اچھل پڑا اور اس کے خوبصورت چہرے پر مسرت دوڑ گئی۔ مگر وہ شرمائی شرمائی بیٹھی رہی۔ سپاہی کے لئے تلوار کی قسم سب سے بڑی قسم سمجھی جاتی ہے۔ اب بچھی کو بھی ان کے الفاظ کا یقین آنے لگا۔

''بولو۔ میری بات کا یقین آیا اب تو؟ کیا اب بھی مجھے وہی سمجھ رہی ہو جس کو تم نے تقریباً سال بھر پہلے دیکھا تھا''۔ حسن نے اس کی ٹھوڑی پیار سے اونچی کر کے پوچھا۔

''تمہیں اب یقین آ گیا''۔ بچھی نے جھکی جھکی نظروں سے جواب دیا۔

''اچھا میری محبت کا''؟ حسن نے پھر اس کا منہ اونچا کر کے پوچھا۔ اس بار بچھی لجا گئی اور اس نے آنچل میں منہ چھپا لیا۔

''جلد جواب دو اچھی بچھی تمہاری ماں آتی ہوگی''۔ حسن نے اس کا پلو ہٹاتے ہوئے کہا۔

''کرتی ہوں'' بچھی نفرط مسرت سے دبی زبان سے کہا ''میری محبت کا بھی یقین کرتی ہو نہ''؟

''تمہارے دل میں بھی میرا خیال ہے''؟ حسن نے اس کے نازک ہاتھ تھام لئے۔ بچھی نے نظریں اٹھائیں پہلے آنکھوں سے اقرار کیا پھر حسن کے مزید اصرار پر سر کو اثبات میں ہلایا۔ حسن نے بڑھ کر اس کی پیشانی چوم لی اور بچھی نے اس کی گردن میں ہاتھ ڈال دیئے۔ پھر فوراً دونوں جدا ہو گئے۔

''یہ ہے بیٹا وہ انگوٹھی''۔ چند منٹ بعد بچھی کی ماں نے نمودار ہو کر کہا۔

''بس ماں۔ اب میں مان گئی کہ یہ دوسرے آدمی ہیں۔ انگوٹھی دینے والے ان کے بھائی تھے اور میرے بھی منہ بولے بھائی''۔ بچھی نے اپنی ماں سے کہا۔ اسے بھی مسرت ہوئی۔

''خدا کا شکر ہے کہ یہ مغالطہ رفع ہوا۔ اب میں اپنے سلطان کی اجازت کا منتظر

ہوں اس کے بعد بچھی میرے گھر میں آجائیگی''۔حسن نے ہنس کر کہا اور اٹھ کھڑا ہوا۔

''بیٹھو نہ سردار۔ابھی سے کہاں چل دیئے''۔بچھی کی ماں نے کہا۔

''ہاں۔تھوڑی سی دیر اور بیٹھئے''۔بچھی نے بھی اسے جاتا دیکھ کر کہا۔

''بس اب اجازت دو بہت سے ضروری کام پڑے ہیں۔میں یہاں سے بہت خوش جارہا ہوں''۔حسن نے مسکرا کر کہا، پھر اپنی محبوبہ پر ایک پیار کی نظر ڈال کر رخصت ہوا اور اپنے ساتھیوں سے آملا۔بچھی خوش ہو کر اپنی ماں سے لپٹ گئی

باب نمبر18

یہ عین خونین زمانہ میں واقعہ محبت رونما ہوا تھا جس کو حیدر علی کی ہیبت بھی نہیں روک سکی تھی۔محبت کا ہو جانا تو کوئی ایسی انوکھی بات نہیں تھی۔البتہ اس کا کامیاب ہونا ذرا مشکل تھا۔مستقبل قریب میں اس کے امکانات نظر نہیں آتے تھے کیونکہ بچھی اور حسن کی شادی بغیر حیدر علی کی اجازت کے نہیں ہو سکتی تھی اور اس زبردست حکمران اور جنرل کو چھوٹی چھوٹی باتوں کی طرف توجہ صرف کرنے کا وقت نہ تھا۔ حقیقتاً بیاہ شادی کا مسئلہ ایسا ہے کہ یہ کسی تیسرے آدمی کے قبضے میں نہ رہے تو اچھا ہے۔مشکل صرف یہ ہے کہ کسی قدر مہذب ہو جانے کے باوجود ہمارے یہاں کے لڑکوں اور لڑکیوں کو انتخاب زوج کا سلیقہ اب تک نہیں آیا ہے۔

چونکہ بارش اب تک ہوئی جارہی تھی اس سے مرہٹے بھی تنگ آگئے تھے۔ بدنور تک پہنچنے کو تو وہ جا پہنچے تھے مگر ایک تو دھواں دھار بارش دوسرے حیدر علی کی آمد سے ان پر لرزہ طاری ہو گیا تھا۔ اس لئے بدنور کو چھوڑ بھاگے اور نواب نے وہاں پہنچ کر اپنے محبوب مقام کو پھر سنبھال لیا۔ ازسرنو مستحکم نظم ونسق قائم کیا فوج کی چھاؤنی بنائی لوگوں میں اتحاد و تنظیم کی روح پیدا کی اور میسور کی طرف روانہ ہو گیا۔حیدر علی کو اپنی عمر میں ایک لمحہ سکون کا نصیب نہیں ہوا۔ اس اولوالعزم انسان کی تمام عمر جنگ وجدال میں صرف ہوئی حتیٰ کہ پیام اجل بھی میدان جنگ ہی میں آیا۔ ہر چند اس کی موت قدرتی واقع ہوئی تھی یعنی لڑائی میں شہید نہیں ہوا تھا۔ مگر یوں مرتے دم تک میدان کارزار میں موجود رہا۔

حیدر علی کو تمام لڑائیاں تنہا لڑنی پڑیں۔افسوس اس کا کسی سے اتحاد نہ ہو سکا جن مسلمان حکمرانوں سے امید کی جاسکتی تھی کہ اپنے دوسرے مسلمان نواب کی مدد کریں گے۔ اور اپنا ایک اسلامی بلاک بنا کر ایک طرف مرہٹوں کو دوسری طرف انگریزوں کو روکیں گے۔وہ خود دوسروں کے ہاتھوں بکے ہوئے تھے۔ مثلاً نواب کرناٹک سخت انگریز پرست

ONE URDU FORUM . COM
® SCANNED PDF By HAMEEDI

واقع ہوا تھا اور اس کا غلام بنا ہوا تھا۔ ادھر مسلم کش نظام حیدر آباد ایک طرف مرہٹوں سے ملا ہوا تھا دوسری طرف انگریزوں سے۔ اسی طرح شاہنور کا نواب مرہٹوں سے گٹھ جوڑ کرتا رہتا تھا۔ اور یہ تمام اتحادِ خبیثہ صرف نواب حیدر علی کی تباہی کے لئے ہوتا تھا۔

جس زمانہ میں مرہٹوں نے نواب کی مکالفت میں بدنور پر حملہ کیا تھا۔ تو ان کی کمک کے لئے شاہنور کے نواب نے اپنی افغان فوج کا دستہ روانہ کیا تھا۔ اب مرہٹوں کے ٹل جانے کے بعد حیدر علی پر لازم ہو گیا تھا کہ وہ شاہنور پر بھی حملہ کرے اور وہاں کے دشمن اسلام نواب کو زک دے۔ چنانچہ حیدر علی نے بڑھ کر نواب عبدالحکیم والئی شاہنور کو جا گھیرا۔ آخر نواب شاہ نور نے ڈر کر صلح کر لی۔ ایک کروڑ روپیہ نذر کیا اور علاقہ کا بہت سا رقبہ بھی حیدر علی کے سپرد کرنا پڑا۔

یہاں کے انتظام سے فارغ ہو کر حیدر علی ابھی میسور پہنچا تھا کہ پیشوا مادھو راؤ ڈیڑھ دو لاکھ سے زیادہ کا لشکر عظیم لے کر میسور کی طرف بڑھا۔ اتنی بڑی فوج جس کے پاس ساز و سامان بھی اسی قدر تھا۔ میسور کی جان ناتواں کے لئے بہت زیادہ تھی۔ مرہٹوں کے اس یلغارِ عظیم کا یہ نتیجہ ہوا کہ نواب شاہنور نے بھی بغاوت کر دی۔ اب مرہٹوں نے آس پاس کے بہت سے علاقے فتح کر لئے اور میسور کا رخ کیا۔

حیدر علی کو یہ تمام تشویشناک اطلاعات مل رہی تھیں کہ ہمت ہارنے کے بجائے اس نے فوج جمع کرنی شروع کی۔ ادھر ملک کے غدار خوش ہو رہے تھے کہ اب میسور پر مرہٹوں کا قبضہ ہو جائے گا۔

نواب نے تھوڑی فوج دے کر رات کے وقت ٹیپو کو روانہ کیا کہ جنگل میں جا چھپے اور موقع ملتے ہی دشمن پر شبخون مارے۔ مرہٹوں کا ہراول دستہ جو پچاس ہزار سپاہیوں پر مشتمل تھا بڑھتا ہوا بہت قریب آ گیا تھا۔ آخر شجاع ٹیپو نے رات کو اپنی کمین گاہ سے نکل کر اس زور کا حملہ کیا کہ دشمن حواس باختہ ہو گیا، ٹیپو کا یہ حملہ بڑا ہی تیز تھا۔ اس میں اس نے تقریباً تمام مرہٹوں کی فوج کو کاٹ کر ڈال دیا تھا۔ دوسری طرف مرہٹوں کے لشکر خاص پر خود حیدر علی نے حملہ کیا جس سے پسپا ہو کر وہ بھاگ چھوٹے۔ آخر اپنی ان دونوں شکستوں سے گھبرا کر مادھو راؤ صلح پر مجبور ہو گیا۔ اس طرح مرہٹوں کی یہ بہت بڑی بلا برائے چندے پھر ٹل گئی اور ریاست میسور بال بال بچ گئی۔

آخر ۱۷۶۶ء میں میسور کے معزول راجہ کا انتقال ہو گیا۔ چونکہ اس نے کوئی اولاد

ONE URDU FORUM . COM
® SCANNED PDF By HAMEEDI

نرینہ نہیں چھوڑی تھی اس لئے حیدر علی کو فکر ہوئی کہ گدی کے لئے کس کو نامزد کرے۔ یہ حیدر علی کی انتہائی نیک نیتی و دیانت داری تھی کہ وہ میسور کے ہندو راجہ کا سلسلہ ختم نہیں کر دینا چاہتا تھا اس نے انتظام ریاست صرف اس لئے سنبھالا تھا کہ راجہ میں حکمرانی کی صلاحیت نہیں تھی۔ پھر اس کا محل سازشوں کا گہوارہ بنا رہتا تھا۔ اور وہ غدارانہ دشمنانِ وطن سے ساز باز کرتا رہتا تھا۔

''اب بتاؤ ٹیپو ہمیں کیا کرنا چاہئے''؟ اس نے میسور کی گدی کے سوال پر اپنے لڑکے سے استصواب کیا۔

''مجھ سے زیادہ آپ ہی سمجھتے ہیں قبلہ''۔ ٹیپو نے بپاس ادب کہا۔

''محمد علی تمہارا کیا خیال ہے''؟ اس نے اپنے مشیر خاص کمیدان محمد علی سے مشورہ لیا۔

''گدی کو خالی ہی رہنے دیجئے اور آپ ہی حکومت کا سلسلہ جاری رکھیئے''۔ اس نے جواب دیا۔

''مگر میں اس ریاست کے ہندو حکمران کا سلسلہ منقطع نہیں کرنا چاہتا''۔ نواب نے کہا۔

''اور چارہ کیا ہے راجہ نے کوئی لڑکا نہیں چھوڑا ہے''۔ محمد علی نے کہا۔

''یوں تو متوفی راجہ کے قریبی رشتہ داروں میں کئی چھوٹے بڑے لڑکے موجود ہیں مگر نہ تو ان کی کوئی تعلیم ہے نہ اچھی تربیت ہوئی ہے''۔ نواب نے کہا۔

''تو انہی لڑکوں میں سے کسی کا انتخاب کر کے گدی نشین کر دیجئے''۔ محمد علی نے کہا۔

''سوال تو درست ہے کہ ان لڑکوں میں مجھے ایک بھی ایسا نظر نہیں آتا جو بڑا ہو کر کام کا انسان ثابت ہو اور کوئی صلاحیت ظاہر کرے''۔ نواب نے کہا۔

''میرے ذہن میں ایک تدبیر آئی ہے جس سے کسی لڑکے کا میں امید کرتا ہوں کہ مناسب انتخاب ہو جائے گا''۔ ٹیپو نے اپنے والد سے کہا۔

''بتاؤ ہمیں بھی کیا تدبیر ہے وہ''؟ نواب نے پوچھا

''تمام لڑکوں کو جمع کیجئے اور میرے عمل کو ملاحظہ فرمایئے''۔ ٹیپو نے مسکرا کر نواب سے کہا۔

''آخر نواب نے راجہ کے خاندان کے تمام لڑکوں کو ٹیپو کے کہنے سے جمع کیا اور اشتیاق سے دیکھنے لگا کہ اس کا تدبر آشنا فرزند کیا تدبیر کرتا ہے جب تمام لڑکے جمع ہو گئے تو

ٹیپو قلیل وقفہ کے لئے باہر گیا۔ جب واپس آیا تو اس کے ہاتھوں میں بہت سے کھلونے تھے۔ ٹیپو نے وہ کھلونے لڑکوں کے سامنے ڈالدیئے اور ان سے کہا کہ ان میں سے اپنی اپنی پسند کی چیزیں اٹھائیں۔ لڑکے کھلونوں پر ٹوٹ پڑے کسی نے کچھ لیا کسی نے کچھ اٹھایا۔ آخر ایک لڑکے نے تلوار اور لیمو اٹھایا۔ ٹیپو نے اس لڑکے کا ہاتھ پکڑ لیا اور اپنے والد سے بولا۔

''بس یہی لڑکا راجہ بنانے کے لائق ہے''۔ حیدر علی ہنسنے لگا اور اس نے ٹیپو کی فراست کو سراہا۔ آخر اسی نابالغ لڑکے کو گدی نشین کر دیا گیا۔

حیدر علی کی تمام فتوحات بیشک اس کی اپنی شجاعت وقوت بازو کی رہین منت ہیں لیکن اس کو اگر ٹیپو جیسا نوجوان و بہادر بیٹا نہ ملتا تو بیک وقت اس کا مرہٹوں انگریزوں اور نظام سے کامیابی کے ساتھ نبرد آزما ہونا دشوار تھا۔ انگریز سمجھتے تھے کہ رات دن کی لڑائیوں اور مرہٹوں کی یلغار سے حیدر علی کافی ضعیف ہو چکا ہوگا۔ چنانچہ انہوں نے نظام کو اپنے ساتھ ملایا۔ دوسری طرف سے مرہٹوں کا سردار دس ہزار فوج لے کر ان کی مدد کو آ گیا اور یہ تینوں لشکر مل کر حیدر علی کو کچلنے کے لیے نکلے۔

ادھر انگریزوں نے ایک چال یہ چلی کہ حیدر علی کی توجہ ہٹانے کو انہوں نے اپنی تھوڑی سی فوج بمبئی سے طلب کر کے بنگلور کے ساحل پر اتار دی جس سے بدنور خطرے میں پڑ گیا۔ مگر حیدر علی نے فوراً قاصد دوڑا کر عشق زدہ حسن کو خط لکھا کہ اپنے امیر البحر راجہ علی سے کمک لے کر اپنی بحری فوج کے ذریعہ انگریزوں کی بحری سپاہ کو سنبھال لے۔ پھر تھوڑی سی فوج دے کر ٹیپو کو بھی اس طرف روانہ کر دیا۔

بہادر حسن اور راجہ علی نے اپنی قوت سے انگریزوں کی خاطر خواہ مرمت کی اور وہ شکست کھا کر اپنی بڑی فوج سے آ ملے۔ حسن اپنے علاقے کو نہیں چھوڑ سکتا تھا۔ اس لئے تعاقب کرنے سے قاصر تھا۔ آخر انگریزوں کا مقابلہ ٹیپو سے ہو گیا۔ ٹیپو کے پاس تھوڑی سی فوج تھی۔ اور دشمن کثیر تعداد میں مگر بہادر ٹیپو نے تمام عمر فوج کی کثرت و اقلیت کو درخور اعتنا نہیں سمجھا۔ اس کے نزدیک فتح اس میں تھی کہ ہتھیار اور اسلام کا صحیح استعمال نہایت صحیح موقع پر شجاعت سے کیا جائے تو فتح یقینی ہے۔

''انگریز چونکہ تعداد میں زیادہ تھے اور ان کا کمانڈر اسمتھو جیسا ہوشیار آدمی تھا۔ اس لئے ٹیپو نے چالاکی سے کام لیا۔ اس نے اپنی فوج کے ہاتھ میں بیشمار قسم کے رنگ

ONE URDU FORUM . COM
® SCANNED PDF By HAMEEDI

برنگ کے جھنڈے دے دئے اور مقابلہ کو آ گیا۔ انگریز سمجھے کہ دشمن کے ساتھ لشکر عظیم ہے چنانچہ مقابلہ کے بغیر ہی انہوں نے پیچھے ہٹ جانا مناسب سمجھا۔ لیکن ٹیپو یہ موقع کب دینے والا تھا۔ اس نے جالیا اور ایسی بے جگری سے لڑا کہ انگریزوں کے چھکے چھوٹ گئے۔ لاتعداد مارے گئے۔ بقیہ قلعہ بند ہو گئے۔ اس جنگ میں ٹیپو کے ہاتھ بے حساب ساز و سامان لگا۔

''یہ ٹیپو کی انگریزوں کے ساتھ تاریخی جنگ تھی جس کے انتظام کی فکر میں انگریز رات دن لگے رہتے تھے۔ سلطنت برطانیہ کو حیدر علی اور ٹیپو سے اسی بنا پر شدید بیر ہو گیا۔ پھر اس کے بعد جو ان کے بڑے بڑے جنرل مثلاً کرنل اڈ، میجر فیئر اور کرنل لینگ وغیرہ کو ان دونوں شجیع باپ بیٹوں نے ایسی شکستیں دیں کہ وہ ان کی جان کے دشمن ہو گئے۔

ان لڑائیوں کے بعد حیدر علی اور ٹیپو کو اور بے شمار لڑائیاں لڑنی پڑیں کبھی انگریزوں سے کبھی مرہٹوں سے گاہے نظام سے اور بیشتر ان تینوں کی مجموعی قوت سے مگر فتح ہمیشہ استقلال و پامردی کی ہوئی۔ آخر دکن کی طرف حیدر علی کے زمانے میں انگریز اتنے دب گئے کہ ان کو صلحنامہ مدراس کے ذریعے خود کو تباہی سے بچانا پڑا۔ اس صلح نامہ میں بھی حیدر علی نے جو فتحمند تھا ایسی ملائم شرائط رکھیں کہ انگریز نابود ہونے سے بچ گئے۔ یہ اس کی سیاسی کمزوری کہئے یا کردار کی شرافت۔ مگر وہ بہادر انسان تھا دشمن کے ساتھ بھی ہمیشہ شرافت ہی برتتا تھا۔

''بیٹے اب میری آرزو ہے کہ تمہاری شادی کر دوں''۔ انہی لڑائیوں کے درمیان ایک روز نواب نے ٹیپو سے کہا۔

''آپ اس کی فکر نہ کیجئے ابا جان۔ ہمیں دشمن چین سے نہیں بیٹھنے دے رہے ہیں آج صلح کرتے ہیں کل اس سے منحرف ہو جاتے ہیں اس لئے ہمیں اپنی تمام توجہ اس وقت صرف اپنی مدافعت کی طرف رکھنی چاہیے''۔ ٹیپو نے جواب دیا۔

''مگر تم اب ماشاء اللہ جوان ہو گئے ہو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہیں دولہا دیکھنے کی خواہش میں اپنے ساتھ قبر میں لے جاؤں''۔ حیدر علی نے کہا

باپ کو اس قدر آرزومند پا کر ٹیپو بھی خاموش ہو گیا۔ اس سے باپ کو خوشی ہوئی۔

ONE URDU FORUM . COM
® SCANNED PDF By HAMEEDI

باب نمبر19

شب وروز کے ہنگامے اور جنگ وجدال سے حیدر علی کو فرصت نہیں ملتی تھی پھر بھی اس نے کچھ وقت نکال کر ٹیپو کی شادی کے مسئلہ کے لئے وقت نکالا۔ایک دوبار اس نے اس باب میں خود ٹیپو کا عندیہ لینا چاہا اس کا اپنی شادی کے معاملہ میں کہیں خاص رجحان ہے۔ مگر ٹیپو عورتوں کی دنیا کا آدمی نہ تھا۔ وہ محبت اور چاہت سے بالکل نا آشنا تھا۔ویسے بھی بزم کے معاملات میں وقت صرف کرنے کی اس کو فرصت نہیں تھی۔کیونکہ وہ بھی اپنے ہمہ عمل وحرکت باپ کی طرح شب وروز مہمات میں لگا رہتا تھا۔ اس کا کوئی رجحان نہ پا کر نواب نے آخر اپنی بیگم سے استصواب کیا کہ وہ اپنے چہیتے بیٹے کا دل ٹٹولے۔

''آپ نے ٹیپو کو اس قابل کہاں رکھا ہے کہ وہ اپنے لئے کوئی لڑکی پسند کرتا''۔ بیگم نے مسکرا کر کہا۔

''تم اگر اسے اپنے لائق بنانا چاہتی تھیں تو کیوں نہ اس کو اپنے گھٹنے سے لگا کر بیٹھ گئیں''۔نواب نے بھی تبسم سے کہا۔

''خیر میرا قصور سہی یہ بتائیے کہ آپ اپنے صاحبزادے کی نسبت کہاں کرنا چاہتے ہیں''؟ بیگم نے دریافت کیا

''میری مرضی بخشی نائطہ کی لڑکی کے متعلق ہے''۔نواب نے جواب دیا

بیگم چپ ہوگئیں۔

''خاموش کیوں ہوگئیں۔کیا تمہیں یہ رشتہ پسند نہیں''؟ نواب نے بیگم کو خاموش پا کر دریافت کیا۔

''کیا عرض کروں کچھ کہتے ڈر لگتا ہے۔آپ بے شک بڑے جہاندیدہ ہیں مگر شادی بیاہ کے معاملات آپ نہیں سمجھتے۔اہل نوائط کی لڑکی اپنے گھر میں لا کر آپ آئندہ کے لئے کسی فتنے کی بنیاد ڈال رہے ہیں آپ کیا نہیں جانتے کہ یہ نائطہ لوگ بڑے ہی مغرور ہیں اور اپنی نسل وخاندان کو سب سے افضل سمجھتے ہیں ایسا نہ ہو کہ رشتہ کر کے یہی لوگ ہمارے دشمن ہو جائیں''۔سمجھدار بیگم نے کہا۔

اور حقیقت یہ ہے کہ اس نے بڑی دوررس بات کہی تھی۔ نائطہ وہ لوگ تھے جو عرب کے بزرگ خاندان سے تعلق رکھتے تھے ان میں سے کچھ میسور میں بسلسلہ تجارت آ کر آباد ہو گئے تھے ان کو اپنی شرافت واعلیٰ نسبی پر اتنا غرور تھا کہ ہندوستان کے سلاطین تک کو مجہول النسب سمجھتے تھے۔اسی بنا پر نہ تو کسی کو اپنی بیٹی دیتے تھے اور نہ کسی کی لاتے تھے۔

حیدر علی اس خاندان میں اپنے بلند اقبال لڑکے کی شادی اس لئے کرنا چاہتا تھا کہ ایک تو اہل نوائط اعلیٰ نسب تھے دوم اس رشتہ سے وہ ان کی تالیفِ قلوب کرنا چاہتا تھا کیونکہ نائطہ لوگ وہ تمام مسلمانوں سے الگ تھلگ رہتے تھے۔بیگم کی دوررسی قابل داد تھی کیونکہ جب نائطہ لڑکی اس کی بہو بن کر آ گئی تو نوائط نے اس وقت تو حیدر علی کے جلال سے ڈر کر اپنی بیٹی دے دی تھی مگر وہ بعد کو حیدر علی کے خاندان کے دشمن بن گئے تھے۔ لوگوں کا کہنا ہے کہ ٹیپو سلطان کی سلطنت اور خود اس کے زوال کا باعث یہی لوگ ہوئے تھے۔ انہوں نے قدم قدم پر سلطان ٹیپو کے خلاف غداریاں کیں۔اسے ہر طرح کی زک پہنچائی اور ہمیشہ اس کے خلاف انگریزوں سے ساز باز کرتے رہے یہاں تک کہ سلطان اور خود سلطنت خداداد کا خاتمہ ہو گیا۔

''بیگم مجھے تمہارے خیالات سے اختلاف ہے۔آخر ہم بھی مسلمان ہیں۔ خاندان ہمارا بھی کوئی نیچا نہیں ہے پھر کوئی وجہ نہیں ہو سکتی کہ اہل نوائط ہمیں حقیر سمجھیں گے۔ اور ہمیں اپنی بیٹی دے کر ہمارے درپے آزار ہو جائیں''۔نواب نے کہا۔

''میں تو اپنی رائے کا اظہار کر چکی آگے آپ مختار ہیں''۔بیگم نے کہا

''تم نے تو بری جلد ہتھیار ڈال دیئے کوئی ایسی قوی وجہ بتاؤ کہ میری سمجھ میں آ جائے۔اہل نوائط سے میں بھی واقف ہوں''۔نواب نے کہا۔

''آپ میری سنتے کب ہیں۔ جانتی ہوں کہ کہنا سننا اکارت جائے گا''۔بیگم نے کہا۔

''تلوار ہاتھ میں رکھتے ہوئے بھی تمام عمر ہم نے تمہاری ناز برادری میں گزار دی پھر بھی تمہیں یہ شکایت ہے کہ ہم تمہاری نہیں سنتے''۔نواب نے مسکرا کر کہا۔

''اگر آپ کو میرا اتنا پاس ہے تو اپنے بچے کی شادی نائطہ خاندان میں نہ کیجئے''۔ بیگم نے کہا۔

''بس یہیں مجھے تم سے اختلاف ہے۔ میں تو اپنے بیٹے کی شادی نائطہ خاندان میں کروں گا''۔نواب اڑ گیا۔

''اب آپ ضد کرنے لگے۔ دیکھئے ٹیپو تنہا آپ کی اولاد نہیں ہے میری بھی ہے۔

''اچھا تو اس قضیئے کا حل اس طرح کیا جائے میں اپنے پسند کے خاندان کی لڑکی سے ٹیپو کی شادی کروں اور تم اپنے پسند کی لڑکی اس کے لئے لے آؤ''۔نواب نے اس مسئلہ کو اس طرح حل کیا گویا یہ بھی کوئی مہم تھی۔

''اچھی بات ہے اگر آپ کو اتنی ضد ہے تو میں بھی اپنی پسند کی لڑکی ٹیپو کے لئے لا کر رہوں گی''۔بیگم نے کہا۔نواب ہنسنے لگا۔

''ہماری اجازت ہے''۔اس نے کہا

''لیکن معلوم تو ہو تم کس لڑکی کو لانا چاہتی ہو''؟

''میری نگاہ میں لالہ میاں شہید چرکولی کی صاحبزادی رقیہ بانو ہے۔ اور وہ لوگ بھی آمادہ ہیں''۔بیگم نے جواب دیا۔

''تمہارے انتخاب کی داد نہ دینا ظلم ہوگا لیکن میرے ٹیپو کی پہلی بیوی نائطہ لڑکی ہی ہوگی''۔نواب نے کہا

''آپ کی مرضی۔مگر میری مرضی بھی پوری ہوگی''۔بیگم نے کہا۔

''میں اس کا مخالف نہیں۔دیکھو میں نے کتنا بڑا دل پایا ہے کہ تمہارے انتخاب کی مخالفت نہیں کرتا ہوں۔ ایک تم ہو کہ میری پسند کے خلاف جا رہی ہو''۔نواب نے مسکرا کر کہا۔

''اب یہ آپ مذاق مذاق میں مجھے ستانے بھی لگے نہ۔ میری کیا مجال کہ آپ کے حکم کی خلاف ورزی کروں لیکن نائطہ کی ذہنیت کو آپ سے زیادہ میں سمجھتی ہوں''۔

''خیر قصہ ختم کرو۔ٹیپو کے لئے تم اپنی پسند کی دلہن لاؤ۔میں اپنی پسند کی''۔نواب نے کہا۔

''اچھا اپنی بچی کا جس جگہ سے پیغام آیا ہوا ہے آپ اس کے تو مخالف نہیں ہیں''؟ بیگم نے پوچھا۔ٹیپو سلطان سے ایک چھوٹی بہن اور تھی اس کی شادی بھی طے ہو چکی تھی۔

''نہیں وہ لڑکا مجھے بھی پسند ہے۔ بڑا صالح ہے۔تمہاری مراد حافظ سید علی سے

ONE URDU FORUM . COM
® SCANNED PDF By HAMEEDI

ہے نہ''؟ نواب نے کہا۔

''جی ہاں! شکر ہے کہ آپ نے اس معاملہ میں اپنی رائے نہیں بدلی''۔بیگم نے کہا۔

''ہم رائے نہیں بدلا کرتے۔یہی وجہ ہے کہ جب ہم نے فیصلہ کر لیا تھا کہ نائطہ بھولائیں گے تو وہ آ کر رہے گی۔رہی اپنی لڑکی تو اس رشتہ وہیں ہوگا جس لڑکے کے باب میں ہم دونوں متفق ہیں''۔نواب نے کہا۔

غرض دوسرے روز نواب خود نوائط کے پاس اپنے صالح فرزند کا پیغام لے کر پہنچا۔حیدر علی کی تمام زمانے میں دھاک بیٹھی ہوئی تھی۔ نوائط بھی اس پیغام کو مسترد کرنے کی جرأت نہیں پا رہے تھے۔ پہلے تو چپ ہو گئے۔آخر ڈر کر انہوں نے رشتہ قبول کر لیا۔ مگر نواب کے پیٹھ موڑتے ہی نوائط آپس میں لڑنے لگے کہ یہ کیا کیا کہ اپنے اعلیٰ خاندان کی لڑکی ایک کم تر خاندان میں دینے کو آمادہ ہو گئے۔بہر حال یہ رشتہ ان کے پندار و غرور کی شکست تھی جس کا ملال ان لوگوں کو ہمیشہ رہا اور بدخواہ ہو گئے۔آخر دوسرے ماہ ٹیپو سلطان کی بڑی دھوم دھام سے بارات چڑھی اور وہ مغرور نائطہ کی لڑکی کو جاہ و چشم سے بیاہ لایا۔اس کے چند ہی روز بعد بیگم کی مرضی کے مطابق رقیہ بانو بھی ٹیپو کی روجیت میں آ گئی۔فرمانبردار سعادتمند لڑکے کی فرط ادب سے زبان تک نہ کھلی کہ میرے تلوار چلانے والے بازوؤں پر یہ ڈبل حسین بار کیوں لادا جا رہا ہے۔ اس شادی کے بعد نواب کی صاحبزادی کا نکاح بھی ہو گیا۔اور شہباز صاحب کی دونوں لڑکیوں کا عقد بھی تربیت علی خان نائطہ اور یٰسین صاحب سے ہو گیا۔غرض ان شادیوں کا ہنگامہ و جشن سرنگاپٹم میں ہفتوں تک منایا جاتا رہا۔

جیسا کہ پہلے لکھا جا چکا ہے کہ ٹیپو رنگین مزاج اور بزم کا انسان نہ تھا۔ اپنی شادی کے ایک ہفتہ بعد ہی مہم پر جانے کی تیاری کرنے لگا۔ماں نے سمجھایا بھی کہ ابھی دونوں دلہنوں کے ارمان بھی پورے نہیں ہوئے ہوں گے کہ تم بھاگ رہے ہو۔

''امی میرا سب سے بڑا ارمان وطن و قوم کی خدمت کرنا ہے۔آپ میری بیویوں کو بھی یہی تعلیم دیجئے''۔ٹیپو نے اپنی ماں سے کہا۔

''لیکن بیٹے یہ تعلیم تم ہی اچھی طرح دے سکتے ہو۔اسی لیے تو کہہ رہی ہوں کہ ابھی دلہنیں تم سے اچھی طرح مانوس بھی نہیں ہو پائی ہوں گی کہ تم چلے جا رہے ہو''۔ماں نے کہا۔

آخر اپنی والدہ کے اصرار پر ٹیپو سلطان کو ایک ہفتہ اور قیام کرنا پڑا۔

لیکن یہ قیام نہ ہونے کے برابر تھا کیونکہ وہ صبح سے جو لشکری کاموں میں مصروف ہوتا تو رات کو محل میں قدم رکھتا۔ ماں کبھی پیار سے سمجھاتی کبھی ڈانٹتی کہ اس طرح یہاں رکنے کا کیا فائدہ۔ کوئی نیا دلہا اپنے مکان سے اس طرح غائب نہیں ہوتا۔

''امی میرا مقصد زندگی عیش وعشرت میں بسر کرنا نہیں ہے آپ تو خود جانتی ہیں کہ اگر ابا جان یا میں اپنے فرائض میں کاہلی برتنے لگیں تو کیا ہماری سلطنت برقرار رہ سکتی ہے''۔ ٹیپو نے جواب دیا۔

''اچھا ٹھہر۔ میں دلہنوں کو بلا کر پوچھتی ہوں کہ وہ تیرے غائب رہنے سے کڑھتی تو نہیں''۔ ماں نے ہنس کر کہا۔

''بلا لیجئے۔ اگر انہیں بھی ذرا وطن کی محبت ہوئی تو وہ شا کی نظر نہیں آئیں گی۔ پھر ان کا اور میرا ساتھ عمر بھر کا ہے۔ لیکن میں نے اپنے کاموں میں ذرا غفلت برتی تو وقت مجھے معاف نہیں کرے گا۔ اور آئندہ کا مؤرخ میری کوتاہیوں کو ہرگز درگزر نہیں کرنے کا''۔ ٹیپو نے کہا۔

''اپنے مؤرخ تم ہی ہو۔ اچھا یہاں آ کر بیٹھو میرے پاس مین دلہنوں کو بلا کر لاتی ہوں''۔

''دونوں کو ایک ساتھ نہ بلوایئے۔ علیحدہ علیحدہ آئیں تو اچھا ہے تا کہ ایک دوسرے کی رائے کا سہارا نہ لے سکیں''۔ ٹیپو نے مسکرا کر کہا۔

انچہ بیگم نے پہلے اپنی لائی ہوئی بہو کر طلب کرنا چاہا۔

ٹیپو نے مسکرا کر کہا۔ علی المراتب آنی چاہیں۔ پہلے بڑی بعد میں چھوٹی

ماں اس کی انصاف پسندی سے خوش ہوئی غرض پہلے نائطہ خاندان کی دلہن آئی اور خوش دامن کا آداب بجالائی پھر مسکرا کر اپنے میاں کو بھی شرماتے شرماتے سلام کیا۔ عربی النسل وشریف خاندان کی لڑکی تھی حسن وعفت اس کے قدم چوم رہے تھے۔ ساس نے پیار سے اس کو اپنے پاس بٹھایا پھر مسکرا کر بولیں۔

''کیوں بیٹی تمہیں اپنے دولہا کی غیر حاضریاں ناگوار تو معلوم نہیں ہوتیں''؟

''امی گستاخی معاف آپ کا سوال صحیح نہیں ہے۔ میں غیر حاضر کب رہتا ہوں۔ بسیرے کے لئے اپنے آشیانے میں آ کر تو آرام کرتا ہوں''۔ ٹیپو نے درمیان میں بولتے ہوئے کہا۔

ONE URDU FORUM . COM
® SCANNED PDF By HAMEEDI

''تم چپ رہو، ہاں بیٹی میرے سوال کا جواب دو''۔ بیگم نے پھر بہو سے پوچھا وہ شرما کر چپ ہوگئی۔

''خدا کے لئے منہ سے کچھ بولئے ورنہ امی جان کو سچ مچ گمان ہوجائے گا کہ آپ کو فی الحقیقت کوئی شکایت ہے''۔ ٹیپو نے مسکرا کر اپنی دلہن سے کہا۔ اس پر دلہن اور بھی شرما گئی۔

''اچھا اگر اپنے میاں کے سامنے کچھ کہنے سے شرماتی ہو تو چپکے سے میرے کان میں کہہ دو''۔ ساس نے اسے پیار کر کے کہا۔ دلہن فرطِ حیا وادب سے اب کچھ نہیں بولی بلکہ آہستہ سے بیگم کے ہاتھ کو بوسہ دے کر جانے لگی لیکن بیگم نے روک کر پھر اسے بٹھا لیا اور بولیں۔

''ہم سے بھی نہیں بولتیں۔ کیا خفا ہو''؟

''امی حضور۔ ایسی بات کہہ کر مجھے شرمندہ نہ کیجئے''۔ بہو نے ساس کے کان کے پاس منہ لے جا کر آہستہ سے کہا۔

''اچھا تو جواب دو۔ تمہیں اپنے میاں کی دن بھر کی غیر حاضری شاق تو نہیں گزرتی''؟ بیگم نے پھر سوال دہرایا۔ آخر ان کے اصرار پر بہو نے نفی میں سر ہلا دیا۔

''ہمیں بیٹی تمہارے سر ہلانے سے تشفی نہیں ہوئی۔ میں ذرا تفصیل سے جواب چاہتی تھی''۔ بیگم نے کہا۔ دلہن پھر شرما کر چپ ہوگئی۔

''آپ کسی گونگے انسان سے بات کرنے کی توقع عبث کر رہی ہیں امی جان''۔ ٹیپو نے مسکرا کر کہا اور اپنی دلہن کی طرف دیکھا۔

''خیر میں دوسری کو بلواتی ہوں۔ اس کو بولتا دیکھ کر شاید بڑی دلہن کی بھی ہمت بڑھ جائے''۔ بیگم نے کہا۔

''اب تو آپ کسی تیسری کو بلوایئے جس کو دیکھ کر یہ شاید دونوں جلنے لگیں اور اس سلسلہ میں لڑ لڑ کر باتیں کرنے لگیں''۔ ٹیپو نے ہنس کر کہا۔

غرض بیگم کا بلاوا دوسری دلہن کے پاس بھی پہنچا۔ چنانچہ فوراً حاضر ہوئی۔ مگر بڑی سے زیادہ شرم وحیا کی پڑیا بنی ہوئی۔ آ کر اس نے بھی پہلے خوشدامن کو آداب کیا پھر اپنے شوہر کو۔

''امی جان ابھی تم سے بڑے سخت سوالات کرنے والی ہیں ذرا سنبھل کر جواب

دینا اور سچ سچ بات کہنا''۔ٹیپو نے اپنی دلہن کو چھیڑنے کی غرض سے کہا۔

''چپ رہو تم''۔ماں نے اس کو ڈانٹتے ہوئے کہا۔پھر پیار سے اس کو بھی اپنے پاس بٹھالیا اور مسکرا کر بولیں۔

''کیا یہ صحیح ہے دلہن کہ تمہارا میاں دن بھر تمہارے پاس سے غائب رہتا ہے۔مگر تمہیں ناگوار نہیں گزرتا''۔بیگم کو نا معلوم کیوں اس مقدمہ سے اتنی دلچسپی تھی بھلا یہ شریف زادیاں اس سوال کا جواب دے سکتی تھیں۔دوسری دلہن بھی شرم سے دوہری ہوگئی۔

''توبہ ہے لڑکیو۔میرے پاس آکر تمہاری زبان آخر سل کیوں ہوجاتی ہے۔بولتی کیوں نہیں''ساس سے اسے بھی چپ پا کر کہا۔اتنے میں باہر سے پیر کی چاپ ہوئی اور پھر نواب اندر داخل ہوئے۔ یہاں یہ دل چسپ سماں دیکھا تو پہلے تو حیران ہوئے پھر ہنس کر بولے۔

''اچھا محفل جمی ہوئی ہے۔ ہمیں اطلاع بھی نہیں کی''۔نواب کو دیکھ کر دونوں بہوئیں اور ٹیپو آداب سے اٹھ کھڑے ہوئے۔

''ٹیپو تم''۔شاید بیگم سمجھ گئی تھیں کہ نواب اپنے بیٹے سے کوئی باز پرس کرنے والے ہیں چنانچہ ان کی بات کاٹ کر بولیں۔

''اس سے کچھ نہ کہئے وہ تو پچھلے ہفتہ ہی باہر کہیں روانہ ہونے والا تھا مگر میں نے اصرار کر کے ایک ہفتے کے لئے روک لیا۔مگر اس کا رکنا نہ رکنا برابر ہے۔ دن بھر فوج کے کاموں میں گم رہتا ہے۔ رات کو دیر میں مکان کے اندر قدم رکھتا ہے میں اس وقت دلہنوں کو بلا کر ان سے یہی دریافت کر رہی تھی کہ آیا کہ ان کو اپنے میاں کی یہ طویل غیر حاضری ناگوار تو نہیں گزرتی مگر یہ اللہ کی بندیاں ایسی چپ ہیں کہ منہ سے کچھ کہتی ہی نہیں''۔

''کون۔تمہارے سامنے بات نہیں کرتی ہوں گی دلہنیں۔دیکھو ابھی مجھ سے بات کرتی ہیں''۔نواب نے مسکرا کر کہا۔پھر لڑکیوں سے مخاطب ہوا۔

''کہو بیٹیو کیا تم گوارا کروگی کہ دشمن ہمارے دین و وطن کو تاراج کرتے رہیں اور تمہارا شوہر آرام سے مکان میں عیش کرتا رہے''؟۔

''ہرگز نہیں ابا جان۔ ہماری تو عین تمنا ہے کہ ہم بھی مذہب و ملک کے کام آئیں''۔دونوں دلہنوں نے کہا۔ نواب بہت خوش ہوئے پھر مسکرا کر اپنی بیگم سے بولے۔

''تم تو کہتی تھیں کہ یہ بات ہی نہیں کرتیں''؟

''آپ تو جادوگر ہیں''۔بیگم نے کہا۔

اس کے بعد نواب نے ٹیپو کو حکم دیا کہ آج ہی دھاڑواڑ کی مہم پر روانہ ہوجائے کیونکہ مرہٹوں میں پھوٹ پڑ چکی ہے اس سے فائدہ اٹھانے کا یہ زریں موقع تھا۔ دھاڑواڑ مرہٹوں کے مقبوضات میں تھا۔خود ان کے علاقہ پر یہ ٹیپو کا پہلا حملہ تھا۔

ONE URDU FORUM . COM
® SCANNED PDF By HAMEEDI

باب نمبر20

نواب حیدر علی کو ایک عرصہ سے عارضہ سرطان تھا۔ اس موذی مرض نے اس کی پشت چھلنی کر دی تھی مگر اس کے باوجود اس نے کبھی راحت و آرام سے کام نہیں لیا بلکہ برابر مہمات و شدید محنت کے کاموں میں حصہ لیتا رہا نتیجہ یہ ہوا کہ سرطان پشت پر چھا گیا اور اس کو اٹھنا بیٹھنا دوبھر ہو گیا۔ اسی دوران میں نایئروں نے پھر اپنی جمعیت کثیر فراہم کر کے سر اٹھانا شروع کر دیا تھا۔ اگرچہ اس طرف حسن علی خان مامور تھا جو اپنی محبوبہ مچھی کو ادائے فرض کے سلسلہ میں برائے چندے بھول کر مالا بار چلا گیا۔ پھر اس نے اور راجہ نے مل کر نایئروں کو حتی الوسع دبایا۔ لیکن جب ان کی تعداد بہت زیادہ ہو گئی تو حسن نے نواب کے پاس کمک کی درخواست روانہ کی۔ نواب خود نایئروں کی سرکوبی کے لئے روانہ ہونے لگا مگر بیگم نے مخالفت کرتے ہوئے کہا کہ آپ کو آرام کی سخت ضرورت ہے ایسا نہ ہو کہ راہ میں خدانخواستہ طبیعت اور زیادہ خراب ہو جائے۔

''میں آرام کا عادی نہیں''۔ نواب نے کہا۔

''لیکن حضور ابا ایسی حالت میں آپ کا سفر کرنا کسی طرح مناسب نہیں''۔ دلہنوں نے بھی مخالفت کی۔

''اچھا تو میں سردست سلطان ٹیپو کو روانہ کر دونگا۔ لیکن میرا دوسری طرف جانا ناگزیر ہے''۔ نواب نے کہا۔

چنانچہ اس نے ٹیپو سلطان کو طلب کیا اور اسی سے بولا۔

''فرزند تم آج ہی مالا بار کی طرف روانہ ہو جاؤ۔ نایئروں نے پھر سرکشی کی ہے۔ حسن اور راجہ علی پریشان ہیں ان کی جا کر مدد کرو۔ میں بھی اگلے ہفتے تک ارکاٹ کی طرف چل دوں گا''۔

''بہت مبارک۔ لیکن آپ کو ابھی آرام کی ضرورت ہے۔ میں مالا بار سے جلد ہی

ONE URDU FORUM . COM
® SCANNED PDF By HAMEEDI

لوٹ آؤں گا اور ارکاٹ کے معاملات بھی ساتھ ہی ہموار کرتا آؤں گا''۔ ٹیپو نے جواب دیا۔

''نہیں تم کو مالا بار میں کچھ عرصہ تک قیام کرنا ہوگا۔ یہاں تک کہ فتنہ کلیتہً فرو ہو جائے۔ جب تک میں نہ کہوں اور کسی طرف کا رخ نہ کرنا اور نہ مراجعت''۔ نواب نے اس کو ہدایات کرتے ہوئے کہا۔

''بہت اچھا۔ مگر آپ آرام فرمائیں۔ مجھے آپ کی طرف سے تشویش رہے گی''۔ ٹیپو سلطان نے باپ سے عرض کیا۔ حیدر علی نے شفقت و محبت سے اس کی پشت پر ہاتھ پھیرا اور اس کا قوی دل آج نا معلوم کیوں اپنے بیٹے سے جدا ہوتے وقت ملول ہو رہا تھا۔ ٹیپو نے اس کے ہاتھ کو بوسہ دیا اور روانہ ہوا۔

''ٹیپو سلطان مارا مارا سے مالا بار پہنچا اور پھر حسن کو ہمراہ لے کر راجہ علی سے جا ملا۔ اس نے حالات کی تحقیق کی کہ آخر نایئروں کو اس بار سر اٹھانے کی مہلت کس طرح مل گئی۔

''یہ عجیب سرزمین ہے بھائی صاحب۔ اس طرف عورتیں مردوں پر ٹوٹی پڑتی ہیں چنانچہ جہاں جہاں میں نے اپنی فوج کی ٹکڑیوں کو مقرر کیا تھا وہاں سپاہی سے لیکر افسر تک عیاشی میں پڑ گئے۔ اس غفلت کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہمارے دشمن جو پہلے ہی خفیہ طریقے پر تیاریوں میں مصروف تھے زیادہ منظم ہو گئے۔ حسن نے ٹیپو کو صورت حال سے باخبر کرتے ہوئے کہا۔

''اور تمہارے معاشقہ کا کیا حشر ہوا''؟ ٹیپو نے مسکرا کر حسن سے دریافت کیا۔

''زندہ ہے اور میری زندگی کے ساتھ ہے مچھی بڑی ہی عفیف و وفا شعار لڑکی ہے اب تک میرے نام پر بیٹھی ہے اور بیٹھی رہے گی۔ حسن نے جواب دیا۔

''اور تم''؟ ٹیپو نے دریافت کیا۔

''میں بھی حسب الحکم حضرت قبلہ اپنی بات پر قائم ہوں جب حضور اعلیٰ اجازت مرحمت فرمائیں گے تو نکاح کر لوں گا۔ مگر آپ تو چپ چاپ فارغ ہو لئے جھوٹوں پوچھا بھی نہیں''۔ حسن نے کہا۔

''بھئی میں نے ابا جان سے عرض تو کیا تھا کہ تم کو بھی شرکت کی دعوت دیں ادھر تمہارے بڑے بھائی کو بھی بلا لیں کیونکہ ہماری شادی کا جشن ایک ماہ سے بھی زیادہ دنوں تک منایا گیا تھا مگر ابا جان نے فرمایا کہ نہ تو تم کو مالا بار سے ہٹانا مناسب ہے نہ حسین کو کروگ کی سرحد سے۔ میں بھی چپ ہو گیا''۔ ٹیپو نے کہا۔

''غرض ٹیپو نے دو ماہ کے اندر اندر پھر نایئروں کے فتنے کا خاتمہ کر دیا۔ پھر راجہ علی کے پاس دو ہزار اور حسن کے پاس تین ہزار سپاہی چھوڑ کر منگلو کی طرف روانہ ہوا۔

''اگر اجازت ہو تو بے جی تک میں بھی آپ کے ہمراہ چلوں''؟ حسن نے ٹیپو سلطان سے دریافت کیا۔ بیجی اس خوشنما بستی کا نام تھا جہاں اس کی حسین پچھمی رہتی تھی۔

''اپنی پچھمی سے ملنے کو جی چاہتا ہے''؟ ٹیپو نے مسکرا کر دریافت کیا۔ حسن ادب سے خاموش ہو گیا۔

''اچھا چلو لیکن دو چار روز سے زیادہ وہاں قیام نہ کرنا۔ جلد واپس اس طرف آ جانا''۔ ٹیپو نے حسن سے کہا۔

''آپ یہاں سے کس طرف جایئے گا''۔ حسن نے دریافت کیا۔

''پہلے منگلو جاؤں گا۔ پھر جدھر کا حکم ملے گا'' ٹیپو نے کہا۔

غرض ایک ہفتہ میں دونوں بیجی جا پہنچے۔ ٹیپو نے یہاں قیام نہیں کیا بلکہ اپنی راہ لی۔ پچھمی اپنے دلدادہ کو دیکھ کر فرطِ محبت سے پھولی نہ سمائی۔ لپک کر اس کی آغوش میں جذب ہو گئی۔ حسن نے اسے کلیجہ سے لگا لیا۔

''اب تو میں تمہیں نہیں جانے دوں گی''۔ اس نے حسن کو گلے سے لپیٹ کر کہا۔

''نہیں پچھمی یہ ناممکن ہے۔ تم اور تمہاری محبت بھی مجھے اپنے فرائض سے نہیں روک سکتی''۔ حسن نے کہا۔

اس کے الفاظ کا پچھمی نے برا نہیں مانا بلکہ اس کی شجاعت کی داد دی۔

''اچھا تو اب کے مجھے بھی اپنے ہمراہ لیتے چلنا''۔ پچھمی نے کہا۔

''نہیں جان۔ نکاح سے پہلے میں تمہیں اپنے ساتھ نہیں لے جا سکتا''۔ حسن نے جواب دیا۔

''پھر آپ اپنے نواب صاحب کو لکھئے نا''۔ پچھمی نے شرماتے شرماتے کہا۔

''اپنے نواب سے تو میں بہت ڈرتا ہوں مگر اپنے بھائی ٹیپو سلطان سے سفارش کراؤں گا۔ پھر جلد ہم انشاء اللہ بامراد ہو جائیں گے''۔ حسن نے جواب دیا۔ اس نے یہاں بمشکل دو روز قیام کیا۔ لاکھ پچھمی اور اس کے والدین روکتے رہے لیکن دوسرے روز وہ روانہ ہو گیا۔

ابھی ٹیپو سلطان منگلو پہنچا ہی تھا کہ اس کو اپنے پدر بزرگوار کا خط ملا۔

ONE URDU FORUM . COM
® SCANNED PDF By HAMEEDI

''کب آیا تھا یہ خط''؟ سلطان نے پڑھنے سے پیشتر دریافت کیا۔

''چار روز ہو گئے ہوں گے حضرت۔ سنا ہے کہ حضور نواب بہادر کی طبیعت ناساز ہے''۔ ایک افسر نے کہا۔ سلطان نے دھڑکتے ہوئے دل سے خط کھولا۔ اس میں تحریر تھا۔

جانِ پدر!

اگر تم نایئروں کے فتنے کو فرو کر چکے ہو اور کسی دوسری طرف رخ کرنے کا ارادہ نہ ہو تو ہماری آنکھوں کو اپنے دیدارِ راحت آثار سے آ کر جلد منور کرو۔ اگر تمہیں کوئی اہم کام ہو تو تحریر کرو تا کہ ہم مزید سامان جنگ اور کمک روانہ کریں۔

یہ خط نواب نے سرنگا پٹم سے تحریر نہیں کیا تھا بلکہ ارکاٹ کے قریب سے لکھا تھا۔ اس کے یہ معنی کہ اس نے آرام کرنے کے بجائے پھر کسی مہم کا رخ کیا تھا۔ اس خط کو پڑھ ٹیپو سلطان کا دل نامعلوم زور زور سے کیوں دھڑکنے لگا۔ اس کا بہادر باپ اتنی رقت سے بہت کم خط لکھا کرتا تھا۔ بہرحال وہ فوراً روانہ ہوا۔

افسوس اس عرصہ میں اس جلیل القدر اولوالعزم اور شیر صفت انسان کا انتقال ہو چکا تھا۔ حیدر علی جیسا شخص دنیا سے اٹھ گیا تھا اور اس کے مہجور و بدنصیب بیٹے کو اپنے شفیق باپ کا آخری دیدار نصیب نہیں ہوا۔ حیدر علی نے جب سرنگا پٹم سے نایئروں کی سرکوبی کو اپنے لختِ جگر کو روانہ کیا تھا تو اس کا دل پہلی بار اس جدائی سے کڑھا تھا۔ کس کو خبر تھی کہ یہ باپ بیٹے کی آخری ملاقات تھی۔

کس قدر باہمت تھا حیدر علی۔ موت قریب تھی۔ مندرجہ بالا خط سے اپنی رحلت سے صرف ایک دن پیشتر تحریر کرایا تھا مگر اس میں نہ تو اپنی شدید علالت کا ذکر کیا تھا نہ سقیم حالت کا۔ اس طرح خط لکھا تھا جیسے صرف بر بنائے محبت اپنے بیٹے سے ملنا چاہتا ہے۔ عین موت کے دن تک نواب فوجی احکام صادر کرتا رہا بلکہ خاص موت کی گھڑی تک بیس ہزار فوج ارکاٹ کی طرف۔ پانچ ہزار کسی اور طرف روانہ ہونے کا اس نے حکم دیا تھا۔ اس کے بعد بے شمار نقد و جواہر خیرات کیے۔ پھر کلمہ پڑھنے میں مصروف ہو گیا۔ ساتھ ہی تلاوت قرآن پاس سنتا رہا۔ اس حالت میں نامعلوم کب چپ چاپ داعی اجل کو لبیک کہہ گیا انا للہ وانا الیہ راجعون ۱۱۹۵ھ کی آخری شام تھی یعنی اس کی صبح ۱۱۹۶ھ سے ہونے والی تھی۔ عیسوی تاریخ وسن سات دسمبر ۱۷۸۲ء تھا۔ کسی نے اس کی تاریخ وفات کہی تھی۔

حیدر علی خان بہادر

۱۱۹۶ھ

حیدر علی کی خبر مرگ کو بالکل پوشیدہ رکھا گیا تھا۔مبادہ مفسدین آمادہ فساد ہوجائیں۔ ٹیپوسلطان کو جب اپنے عظیم المرتبت والد کے انتقال کی خبر ہوئی تو اس کا قوی دل فرطِ صدمہ سے بیٹھ گیا۔ کئی روز تک نہ اس نے کسی سے بات کی نہ کچھ کھایا پیا۔اس کی نگاہوں کے سامنے بار بار وہ سین آئے جارہا تھا جب وہ آخری بار سرنگا پٹم سے جدا ہورہا تھا۔

نواب کو سرنگا پٹم میں دفن کیا جاچکا تھا۔ ٹیپوسلطان باپ کی قبر پر پہنچ کر بہت دیر تک خاموشی سے آنسو بہاتا رہا۔اس نے آس پاس سے سب کو ہٹادیا تھا۔اور اس کے بعد قرآن پاک لے کر بیٹھ گیا اور ختم کر کے اٹھا۔

سوم کے بعد کئی روز تک فقراء ومساکین کو کھانا کھلانے کا سلسلہ جاری رہا۔ بے شمار حفاظ مقرر کئے گئے جو شب و روز مرحوم کے مرقد پر قرآن خوانی کرتے رہتے تھے۔اس مرعوب کن ومحبوب نواب کی موت سے تمام محبّ وطن ہندو تک مغموم تھے کیونکہ نواب نے ان کو اتنی مراعات بخشیں تھیں کہ اپنے ہندو راجہ سے بھی اس قدر نہ پاسکے تھے۔

ONE URDU FORUM . COM
® SCANNED PDF By HAMEEDI

باب نمبر21

نواب حیدر علی کی وفات کے بعد اب فقیر کی اس پیش گوئی کے پورے ہونے کا وقت آگیا تھا۔فقیر نے ٹیپوسلطان سے بچپن میں کہا تھا کہ وہ ریاست میسور کا سلطان بنے گا۔چنانچہ اس کے الفاظ صحیح نکلے اور ٹیپوسلطان کی تخت نشینی کی بڑے زور وشور سے تیاریاں ہونے لگیں۔ بہت سے قیدی رہا کئے گئے اور لاتعداد فقراء ومساکین یتیم اور بیواؤں کو کھانا کھلایا گیا۔ ٹیپو نے اس روشن ضمیر فقیر کو لاکھ تلاش کیا مگر ایسے لوگ پھر کہاں ہاتھ آتے ہیں۔

تخت نشینی سے قبل ٹیپوسلطان نے تمام فوج کا معائنہ کیا۔ پیادہ،سوار،توپخانہ غرض پوری فوج کا جائزہ لینے کے بعد اس نے بہت جلد مزید بھرتی کا کام شروع کردیا۔ گاؤں گاؤں قریہ قریہ لوگوں کو فوج میں شامل ہونے کی ترغیب دلانے کے لیے اس نے آدمی روانہ کئے اور بہت جلد ایک فوج کثیر جمع ہوگئی جس کی ٹریننگ کے لئے کچھ فرانسیسی افسر اور کچھ مقامی تجربہ کار جنرلوں کو مقرر کیا گیا۔اسکے بعد سلطان نے تمام اپنی باجگزار ریاستوں اور تعلقوں کو مراسلات روانہ کئے کہ مابدولت کے جشن تاجپوشی میں شریک ہوکر خوشنودی حاصل کریں۔ اس کے لئے جن ریاستوں سے نواب مرحوم کے زمانہ میں تعلقات اچھے نہ تھے۔ ان کو بھی شرکت کی دعوت دی گئی تاکہ ان سے دوستانہ مراسم پیدا ہوں مگر مرہٹے،نظام اور نواب ارکاٹ اپنی حاسدانہ ذہنیت اور دشمنی کی بنا پر نہیں آئے۔

اس چہل پہل کے دوران میں ایک چھوٹا سا واقع ظہور پذیر ہوا جس کا تعلق ٹیپوسلطان کی نجی زندگی سے ہے۔اس سے اندازہ ہوگا کہ سلطان کس قدر پاکباز اور متقی تھا۔کوئی حسین لڑکی اس پر اپنے شباب،حسن اور عشووں سے قابو نہ پاسکی۔ مرہٹہ خاندان کی ایک رئیس زادی جس کا نام شاید سبیتا تھا شروع ہی سے سلطان کی وجاہت و

شجاعت پر دل و جان سے فدا تھی۔ اپنے زمانۂ شہزادگی میں جب کبھی بوقت فرصت وہ سیر و شکار کو نکلتا تو وہ رئیس زادی اس کی زیارت کو کہیں نہ کہیں آ کھڑی ہوتی اور بنگاہ شوق اس کو دیکھنے لگتی مگر ٹیپو نیچی نظریں کیے گزر جاتا۔

اس کی ان بے اعتنائیوں سے آخر تنگ آ کر اس نے ایک دفعہ کھڑکی میں سے اس پر اپنے ہاتھ سے سونے کا کڑا اتار کر اس کے مارا جو شانے پر لگا۔ سلطان نے گردن اٹھا کر اوپر دیکھا وہ قتالہ عالم نظر آئی تو سلطان نے مسکرا کر وہ کڑا واپس اس کے پاس پھینک دیا اور کہا کہ ابھی ہماری ریاست میں سونا اتنا سستا نہیں ہوا کہ اس کو یوں ضائع کر رہی ہو۔ یہ شرمیلے سلطان کے پہلے کلمات تھے جو اس حسینہ سے کہے گئے تھے اس کی آواز و گفتگو کو سن کر وہ بہت خوش ہوئی تھی۔

اب جبکہ ٹیپو کی تخت نشینی میں دو تین دن رہ گئے تھے کہ سبیتا اپنی معتمد کنیز کو لے کر روانہ ہوئی اور سلطان کو باغیچہ میں آ پکڑا۔ اس وقت وہ ٹہل رہا تھا اور اپنی اگلی مہمات پر غور کر رہا تھا۔ اس محویت میں وہ ماہ پارہ سبیتا کو آتا ہوا نہ دیکھ سکا۔ جب وہ بالکل سامنے آ کھڑی ہوئی تو سلطان نے نظر اٹھا کر دیکھا اور اپنے آگے ایک شعلۂ جوالہ کو پایا۔ سلطان گھبرا گیا، سبیتا کے ہاتھ میں پھولوں سے بھری ایک تھالی تھی اس کو متوجہ پا کر سبیتا نے وہ تھالی از راہِ عقیدت اس کے پیروں میں رکھ دی اور خاموش کھڑی ہو گئی۔

''ارے سبیتا! تم کدھر سے آ گئیں۔ کیسے آ گئیں''؟ سلطان نے قدرے سراسیمگی سے دریافت کیا۔

''آپ کے سر پر دو چار دن میں راج مکٹ رکھا جانے والا ہے میں نے سوچا کہ پھر فرصت ملے نہ ملے اس لئے یہ بدھائی لے کر آئی ہوں''۔ سبیتا نے شیریں لہجہ میں کہا۔ سلطان نے پھولوں کی تھالی اٹھالی اور اس کے اندر اپنا قیمتی ہار ڈال دیا۔

''بڑی تکلیف کی تم نے۔ تمہارا بہت شکر گزار ہوں''۔ سلطان نے کہا۔

''سلطان جی آپ مجھ سے ایسی روکھی روکھی باتیں نہ کیا کریں۔ میں بچپن سے آپ کو جانتی ہوں مگر آپ نے مجھ سے کبھی پریم نہیں کیا''۔ سبیتا نے لب شکوہ کھولے۔

''مہربانی ہے تمہاری''۔ سلطان صرف اس قدر کہہ سکا پھر جلدی سے بولا۔

''اچھا اب جاؤ ایسا نہ ہو کہ کسی کی نظر پڑ جائے''۔

''میں صرف یہ کہنے آئی تھی کہ میرا بیاہ اگلے ماہ میں کشن راؤ سے ہو رہا ہے،

ONE URDU FORUM . COM
® SCANNED PDF By HAMEEDI

سبیتا نے کہا۔

''میں مبارکباد پیش کرتا ہوں اور اطمینان رکھو تمہاری شادی میں ضرور شریک ہوں گا''؟ سلطان نے جواب دیا۔ اس کی اس رکھائی پر سبیتا کو بڑا صدمہ ہوا اس کا خیال تھا کہ ٹیپو اس خبر بد کو سن کر تڑپ اٹھے گا مگر یہ بے حس انسان تو الٹی مبارکباد دے رہا ہے۔

''سلطان جی''۔

''ابھی میں سلطان نہیں ہوا ہوں سبیتا دیوی''۔ ٹیپو نے مسکرا کر کہا۔

''سلطان تمہارا نام بھی تو ہے''۔

''اچھا میرا نام لے رہی ہو۔ بڑی خوشی ہوئی''۔ ٹیپو نے مسکرا کر کہا۔ سبیتا جل کر جانے لگی تو سلطان نے اسے روک کر کہا۔

''خفا ہو کر نہ جاؤ سبیتا۔ اگر میں تمہاری دنیا کا آدمی ہوتا تو تمہیں سر آنکھوں پر بٹھاتا مگر خدا نے مجھے نہ بزم آرائی کا دل دیا ہے اور نہ فرصت''۔ سبیتا نے کوئی جواب نہیں دیا تو سلطان نے پھر کہا۔

''واقعی تم تو ناراض ہو گئیں''۔

''آپ کو میری ناراضگی کی کیا پرواہ''۔ سبیتا نے آہستہ سے کہا۔

''مجھے مردوں سے زیادہ عورتوں کی خفگی کا خیال رہتا ہے کیوں کہ وہ زود رنج ہوتی ہیں اور فوراً آمادۂ انتقام ہو جاتی ہیں''۔

''میں ایسی نہیں ہوں''۔ سبیتا نے کہا۔

''میں بھی تمہیں انمول سمجھتا ہوں۔ اچھا ایک وعدہ کرو گی''؟

''کیا''؟ سبیتا نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''یہ کہ ہمیشہ اپنے شوہر اور اپنے دیس کی وفادار رہو گی''۔ ٹیپو نے کہا۔

''یہ ہمارا دھرم ہے''۔ سبیتا نے جواب دیا۔

''مجھے بے حد مسرت ہوئی۔ تم بہت ہی اچھی لڑکی ہو۔ اچھا اب جاؤ۔ میں ہمیشہ دعا کرتا رہوں گا کہ تم سکھ چین کی زندگی بسر کرو''۔ ٹیپو نے کہا۔ ایسے شخص کو محبت کے واسطے دینا یا اس سے محبت کی اپیل کرنا بے سود تھا۔ چنانچہ مایوسانہ آہستہ آہستہ قدم اٹھاتی ہوئی چلی گئی۔ آخر ٹیپو کی تخت نشینی کے ایک ماہ بعد اس کی شادی کشن راؤ سے ہو گئی اور وہ بہت ہی وفادار و عفیف بیوی ثابت ہوئی۔

ٹیپو اپنے والد کے غم میں سوگوار تھا اور عرصہ تک سوگوار رہنا چاہتا تھا مگر ایک تو امور سلطنت میں خلل واقع ہو رہا تھا دوسرے بغیر راعی کے اندیشہ تھا کہ بغاوت کے فتنے نہ اٹھ کھڑے ہوں۔ آخر امراء کے کہنے سننے سے دل پر جبر کیا۔ ماں کا بھی برابر یہی اصرار تھا کہ جلد سلطنت کے انتظام سنبھال لے۔

آخر بیس محرم ۱۱۹۶ھ میں تاج شاہی زیب سر کیا۔ اس کے بعد ایسا شاندار جشن منایا گیا کہ سرنگا پٹم دلہن کی مانند سجایا گیا۔ توپیں داغی گئیں۔ شہر میں زبردست چراغاں ہوا اور امراء وارا کین سلطنت نے نذر و تحفے پیش کئے۔ جشنِ تاج پوشی کا حال ملا فیروز نے بڑی تفصیل سے لکھا ہے۔

سلطان کا ارادہ میر صادق کو وزیر اعظم اور پورنیا کو وزیر مال بنانے کا تھا۔ کاش وہ ایسا نہ کرتا۔ کیونکہ یہی وہ دو رسوائے عالم غدار ہیں جو سلطان کی شہادت اور سلطنت خداداد کی تباہی کے باعث ہوئے ہیں۔ یہ غدارانِ وطن ہمیشہ انگریزوں سے ملے رہے اور سلطان کی بیخ کنی میں مصروف رہے۔

''بھائی اپنے فیصلہ پر نظر ثانی کیجئے۔ میں نہ تو میر صادق کو قابل اعتبار سمجھتا ہوں نہ پورنیا کو''۔ برہان الدین نے کہا۔

برہان الدین سلطان کا برادرِ نسبتی تھا اور بڑا بہادر تدبر آشنا تھا۔

''تعجب ہے کہ تم ایسے قابل لوگوں کے لئے ایسے الفاظ استعمال کر رہے ہو''۔ سلطان نے کہا۔

''ہمارے ہاں ایک تو ویسے ہی ہوشیار آدمیوں کی کمی ہے دوسرے خواندہ انسان عنقا ہیں''۔

''خیر میں نے آپ کو آگاہ کر دیا ہے۔ لیکن اس کا خیال رکھیں کہ میر صادق ایک اقتدار پرست انسان ہے مجھے اندیشہ ہے کہ وہ اپنے اقتدار کی خاطر ریاست کے مفاد کے خلاف کوئی کام نہ کر گزرے''۔ برہان الدین نے کہا۔

''ذمہ داری انسان کو خود راہ راست پر لے آتی ہے ہم نے میر صادق کو ریاست کا سب سے زیادہ ذمہ دارانہ عہدہ دیا ہے امید ہے کہ وہ اپنے فرائض انجام دینے میں کوتاہی نہ کرے گا''۔ سلطان نے کہا۔

''لیکن آپ شاید پورنیا کے پچھلے حالات بھول گئے ہیں۔ اس کو آپ نے

ONE URDU FORUM . COM
® SCANNED PDF By HAMEEDI

وزیر مالیات بنایا ہے حالانکہ یہ وہ شخص ہے جو پہلے رانیوں سے ملتا جلتا رہتا تھا اور ممکن ہے کہ اب بھی ملتا ہو''۔ برہان الدین نے میر صادق اور پورنیا کے متعلق بڑی صحیح رائے کا اظہار کیا تھا۔ آئندہ کے واقعات خود ثابت کریں گے کہ برہان الدین اپنے خدشات میں کس قدر حق بجانب تھا۔

''اچھا اب یہ بتاؤ کہ ہم تمہاری شادی کی فکر کریں یا نہیں''؟ ٹیپو نے بات کا رخ بدلتے ہوئے مسکرا کر کہا۔

''کہاں کرنا چاہتے ہیں آپ میری شادی''؟ برہان الدین نے پوچھا۔

''ایسی جگہ جہاں تم بھی خوش ہو جاؤ گے''۔ سلطان نے کہا۔

''خیر دیکھا جائے گا۔ ابھی تو ہمیں فوری اس امر کی ضرورت ہے کہ فتنہ پردازوں کی سرکوبی کریں اور اندرون ملک دشمنوں کو بھی قرار واقعی سزا دیں''۔ برہان الدین کے کہا۔

''میں تمہیں کورگ کی طرف روانہ کرنا چاہتا ہوں۔ وہاں کچھ بغاوت کے آثار پیدا ہو رہے ہیں''۔

''کورگ کی طرف میر حسین علی خان جیسا شجاع انسان موجود تو ہے۔ اگر آپ میری بھی ضرورت سمجھتے ہیں تو چلا جاؤں گا''۔

''اچھا تو کرناٹک کی جانب چلے جانا۔ مجھے بڑا رنج ہے برہان الدین کہ نواب کرناٹک ہمیشہ ہمارے خلاف انگریزوں سے ساز باز کرتا رہتا ہے۔ حضور ابا جان کئی بار اس کو تنبیہ کر چکے تھے۔ فوج کشی بھی ہوئی تھی مگر وہ اپنی بدذاتی سے باز نہیں آتا۔

''اس کو نیچا دکھانے کی یہی صورت ہے کہ اب کے حملہ کر کے اس کو گرفتار کر لیا جائے''۔ برہان الدین نے جواب دیا۔

ناول کیلیئے ون اردو کے شکر گزار ہیں

باب نمبر22

سلطان ٹیپو کی زندگی اپنے نامور باپ سے بھی زیادہ آتشیں تھی۔ حیدر علی کی وفات کے بعد دشمنوں نے یہ سمجھ لیا تھا کہ رات دن کی لڑائیوں سے سلطنت خداداد بہت ضعیف ہوگئی ہوگی اس لئے اب اسکو ختم کر دینا آسان ہے۔ اگر میسور کو حیدر علی اور اس کے بعد ٹیپو سلطان جیسا فرماں روا نہ ملتا تو آج جغرافیہ میں اس ریاست کا کوئی وجود نہ ہوتا۔ ان دونوں باپ بیٹے نے اپنا خون پسینہ بہا کر اس ریاست کو سینچا تھا۔ مگر افسوس دشمن نے اس کو پھلنے پھولنے کا موقع نہیں دیا۔

سلطان ابھی تخت پر بیٹھا ہی تھا۔ کہ ہر طرف سے بغاوت وفساد کی خبریں آنے لگیں ایک خبر سے تو سلطان کو بہت رنج ہوا۔ نواب کے لے پالک لڑکے ایاز خان نے بڑی غداری کی۔ اس نے کوڑیال بندر کو انگریزوں کی بمبئی میں مقیم فوج کے حوالے زبردست رشوت لے کر کر دیا۔ دوسری طرف سے خبر آئی کہ انجے شامیا (ایک ہندو سردار) خود دارالسلطنت سرنگاپٹم کی فکر میں ہے اس نے قلعہ دار سے سازش کر کے حرم سراء سلطانی کو قید کرنے کی تیاری شروع کر دی تھی تا کہ سلطنت ہی پر قابض ہو جائے۔

ابھی ان ابتریوں کی طرف سلطان متوجہ ہوا ہی تھا کہ ایک خبر آئی کہ نواب عبدالحکیم خان والی کڈپہ کے بھائی نے انگریزوں سے خفیہ طور پر سازش کر کے اپنی خودمختاری کا اعلان کر دیا ہے۔ اسی طرح کنانور کی آفت کی پرکالہ رانی نے کسی کے بہکائے میں آ کر سرکشی شروع کر دی ہے۔ سلطان ان مسلسل ابتریوں سے مطلق ہراساں نہ ہوا۔ اس نے فوراً ہی بدرالزمان نائطہ، صلابت خان، میر غلام علی اور میر معین الدین کو مختلف سمتوں میں روانہ کیا۔ اس وقت تو یہ چاروں سلطان کے وفادار تھے مگر آگے جا کر سخت غدار ہو گئے تھے۔

حیدر نگر حیدر علی نے بسایا تھا اس لئے ٹیپو کو بھی وہ بہت عزیز تھا اس پر انگریز قابض ہو گئے تھے چنانچہ ادھر کا رخ خود سلطان نے کیا۔ انگریزوں سے مقابلہ ہوا۔ بڑا

ONE URDU FORUM . COM
® SCANNED PDF By HAMEEDI

خونریز معرکہ پڑا آخر اٹھارہ، انیس دن کی سخت جنگ کے بعد سلطان نے قلعہ انگریزوں سے چھین لیا اس معرکہ سے فارغ ہو کر سلطان کوڑیال بندر کی طرف بڑھا کیونکہ اس کو اطلاع ملی تھی کہ کرنل کیمبل کی سرکردگی میں انگریزی فوج کسی طرف جا رہی ہے۔ آخر سلطان نے کرنل کیمبل کو راہ میں جالیا اور دن بھر کی لڑائی کے بعد کیمبل کو شکست ہوئی۔ اس میں تمام انگریزی سپاہ قتل ہوئی اور سلطان کے ہاتھ بہت ساز وسامان لگا۔

کوڑیال بندر پر بھی انگریز قابض تھے۔ جس وقت وہاں سلطانی افواج پہنچیں تو موسلا دھار بارش ہو رہی تھی جس کی وجہ سے حملہ کرنا تو کجا اپنی فوج کو بچانا ہی دشوار نظر آتا تھا مگر سلطان ٹیپو نے ایک لمحہ ضائع کئے بغیر ایسا شدید حملہ کیا کہ چند ہی گھنٹوں میں قلعہ فتح ہو گیا اور انگریزی فوج کا سپاہ سالار جرنل میتھیوز گرفتار کر لیا گیا۔

سلطان کی یہ ایسی پے در پے کامیابیاں تھیں کہ ان سے انگریزوں کے حوصلے پست ہو گئے۔ آخر وہ صلح کے لئے مجبور ہو گئے۔ طرفین کے صلح نامے پر دستخط ہوئے اور کرناٹک سے لے کر ممالک محروسہ کی حدود کے بہت آگے تک کے ممالک سلطان کے قبضے میں آ گئے۔ اس برق ساماں کارگزاری پر سلطنت خداداد کی تاریخ ہمیشہ ٹیپو سلطان پر ناز کرتی رہے گی۔

ٹیپو سلطان کی تخت نشینی سے پہلے سلطنت خداداد کا مختصر سا خاکہ یہ ہے کہ یہ سلطنت ویسے تو بہت دور دور تک پھیل گئی تھی۔ حیدر علی جیسے الوالعزم حکمران نے اس کی توسیع کے سلسلہ میں بڑے بڑے سرکشوں اور مغرور حکمرانوں کو اپنا مطیع کر لیا تھا مگر سب سے زیادہ قوی تین دشمن جو اس کے زمانے سے چلے آ رہے تھے۔ ٹیپو کے راج میں بھی اسی قدر شدت سے موجود تھے۔ مرہٹے، انگریز اور نظام دکن۔ ان کم بختوں نے ان دنوں محبان وطن باپ بیٹوں کو کبھی ایک منٹ کے لئے چین سے نہیں بیٹھنے دیا۔

ان تینوں دشمنوں میں مرہٹے اس کوشش میں تھے کہ ریاست میسور کا تختہ الٹ کر وہاں ہندو راج قائم کریں۔ حالانکہ دیکھا جائے تو اس زمانہ میں ہر ہندوستانی کے لئے انگریز ایک مشترک بیرونی دشمن تھا جو ہندوستانیوں کی آپس میں پھوٹ سے ہمیشہ فائدہ اٹھاتا رہا تھا۔ کبھی وہ مرہٹوں کی پشت پر ہاتھ رکھ کر ہندوستان والوں کو باہم لڑا دیتا تھا کبھی نظام کی سرپرستی کر کے مسلمانوں کے ذریعہ تباہ کرا دیتا تھا۔ نظام کو چونکہ اپنی جاہ وعیاشی سے سروکار تھا اس لئے وہ وطن و مذہب کی پرواہ نہ کر کے انگریزوں کی غلامی میں اپنے ہی

بھائیوں کا گلا کاٹنے کو ہر دم تیار رہتا تھا۔

رہے دکن، میسور اور دوسری دکنی ریاستوں کے عوام تو ان کی اس وقت بھی وہی کیفیت تھی جو آج کی حکومت میں عوام کی حالت ہے۔ وہ افلاس، بیماری اور فاقوں میں اس وقت بھی مبتلا تھے۔ آج بھی مبتلا ہیں۔ لڑائیوں میں وہ پہلے بھی پستے تھے آج بھی پستے ہیں۔ تعلیم، معاش اور آسودگی سے وہ اس زمانہ میں بھی محروم تھے اور آج بھی ہیں۔ لیکن پھر بھی ان کے اندر ایک جذبہ تھا وہ یہ کہ بدیشی انگریزوں کو اپنے ملک پر چھا جانے کی اجازت نہ دیں۔ مگر ان غریبوں کی کیا چل سکتی تھی۔ حکومت تو غداران وطن کے ہاتھ میں تھی۔

انہی وجوہ کی بنا پر حیدر علی جیسے دور اندیش و بہادر انسان نے میسور کی ریاست اپنے ہاتھ میں لی تھی تا کہ بیرونی دشمن سے ملک کو پاک کر دے لیکن جب ملک کے اعضا ہی باغی ہو گئے تو وہ کیا کر سکتا تھا۔ مرہٹے اور نظام ہی اس کے خاتمے کے درپے ہو گئے تھے۔ اور ٹیپو سلطان کے ساتھ بھی انہوں نے اپنا وہ مسموم و ملک سوز رویہ رکھا۔ رات دن اس کے قتل کی فکر میں اور سلطنت خداداد کی تباہی کی کوشش میں لگے رہتے تھے۔

اگر ٹیپو سلطان متعصب ہوتا تو جبریہ طور پر ہندوؤں کو مسلمان کرنے میں کوئی چیز حارج نہ تھی مگر یہ اس کے دین کی تعلیم کے خلاف تھا اس نے تو ہندوؤں کو اس قدر مراعات بخش رکھی تھیں۔ کہ اس کے شاکی مسلمان بھی تھے۔ میسور کی ساٹھ لاکھ نفوس کی آبادی میں صرف چار لاکھ مسلمانوں کا ۱۹۴۷ء تک کا وجود اس بات کی گواہی دینے کو کافی سے زیادہ ہے کہ سلطان ٹیپو نے کبھی بزور شمشیر تبلیغ اسلام نہیں کی۔

ایک جنگ میں ٹیپو سلطان کے ہاتھ سے بے شمار انگریز مارے گئے اور دو سو، ڈھائی سو سے زیادہ قید ہوئے ان میں افسر و سپاہی سب شامل تھے۔ سلطان نے ان کے ساتھ ایسا شریفانہ برتاؤ کیا کہ کوئی دشمن اپنے مفتوح جنگی قیدیوں کے ساتھ ایسا بھلا سلوک روا نہ رکھتا ہوگا۔ انگریز قیدی حیرت زدہ رہ گئے۔ جب انہوں نے دیکھا کہ اس قدر باجبروت و قادر سلطان نہ تو ان کی طرح شراب نوشی کر کے مست رہتا ہے نہ عورتوں سے ان کی مانند عیش کرتا ہے۔ اس کے برعکس انہوں نے دیکھا کہ سلطان تو سلطان اس کی فوج کا ادنیٰ سپاہی تک شراب کو نہیں چھوتا۔ جس طرف سے سلطان گزرتا اس کے علاقے کی عورتوں کو ہاتھ تک نہ لگایا جاتا۔ سلطان ہر وقت نماز و روزہ کا پابند نظر آتا۔

ONE URDU FORUM . COM
® SCANNED PDF By HAMEEDI

ایک بادشاہ کو انگریزوں نے اتنا نیک پایا تو ان کے دل میں خود بخود اسلام کی سچائی نے گھر کرنا شروع کر دیا اور وہ سب کے سب مسلمان ہو گئے۔

اب یہ قیدی، قیدی نہ رہے بلکہ مسلمان تھے اور سلطانی فوج میں کام کر رہے تھے۔ اسی لشکر کشی کے زمانے میں سلطان نے ارکاٹ پر حملہ کیا تو علاقہ کی عورتوں نے تمام کھڑی ہوئی کھیتیوں میں آگ لگا دی۔ اس کا سلطان کو اتنا رنج ہوا کہ اس نے ان کی گرفتاری کا حکم دے دیا۔ چنانچہ بے شمار عورتیں گرفتار ہو کر لشکر سلطانی میں لائی گئیں۔

ان حسین باغیوں کو دیکھ کر سلطان پریشان ہوا کہ اب ان کا کیا کرے۔ آخر ایک تدبیر اس کے ذہن میں آئی اس نے نو مسلم انگریزوں سے دریافت کیا کہ آیا وہ شادی کرنے کو آمادہ ہیں۔ گرفتار شدگان میں چونکہ نوخیز لڑکیاں زیادہ تھیں انہیں دیکھ کر مسلم انگریز سپاہیوں کے منہ میں پانی بھر آیا جھٹ آمادہ ہو گئے۔ لیکن اب یہ سوال درپیش ہوا کہ خوبصورت لڑکیوں پر کئی کئی ٹوٹ پڑنے والے تھے۔ اس کو کس طرح حل کیا جائے۔ اس کی ترکیب سلطان نے یہ کی کہ ایک لمبی قطار میں پشت موڑ کر لڑکیوں کو کھڑا کر دیا گیا اسی طرح طویل قطار میں پشت موڑ کر انگیریزوں کو بھی اشارہ کر دیا گیا تا کہ نہ عورتیں مردوں کی صورتیں دیکھ سکیں نہ مرد عورتوں کی۔

جب یہ انتظام ہو گیا تو سلطان نے عورتوں کو مڑنے کا حکم دیا۔ اس کے بعد مردوں کو۔ اس طرح عورتوں اور مردوں کا آمنا سامنا ہو گیا اس کے بعد حکم ہوا کہ جس مرد کے بالمقابل جو لڑکی آئے اسے وہ لے سکتا ہے اس سے اس قدر خوشی، مسرت، رنج اور حسرت کا شور مچا کہ توبہ ہی بھلی۔ بہت سے لوگوں کو خوبرو لڑکیاں ملیں بہت سے خوبرو مردوں کے ہاتھ بدرو لڑکیاں آئیں۔ پھر بھیڑ میں وہ اپنی اپنی ہونے والے دلہنوں کو لے کر چلے تو بہت سے لوگوں سے دوسروں کی لڑکیوں پر قبضہ کر لیا۔ اسی طرح بہت سی وہ لڑکیاں جن کو اپنے حصے کے مرد پسند نہ آئے تھے بھاگ کر اپنے پسندیدہ مردوں کے پاس چلی گئیں۔ بہر نوع اسی روز قاضی طلب کئے گئے اور سب کے نکاح پڑھوا دیئے گئے۔

سلطان مختلف سمتوں میں جنگ و جدال میں الجھا ہوا تھا۔ انگریز تو اس کے پیچھے پڑے ہی رہتے تھے۔ کیونکہ وہ اندازہ لگا چکے تھے کہ جب تک ٹیپو سلطان جیسا تجربہ و مدبر حکمران میسور پر راج کرتا رہے گا۔ ان کا اقتدار دکن میں قائم نہیں ہو سکے گا۔ اس کی وجہ سے مدراس انگریزی گورنمنٹ بھی ضعیف رہے گی۔ یہی وجہ تھی کہ انگریز

رات دن ٹیپو کی فکر میں لگے رہتے تھے اور ہندوستانیوں کو ہندوستانیوں سے لڑاتے رہتے تھے تاکہ وہ کمزور ہوتے چلے جائیں اب جبکہ ٹیپو سلطان دوسری طرف متوجہ تھا انگریزوں نے کرنل لانگ کی سرکردگی میں ترچناپلی سے نکل کر کرور اور ڈنڈ بگل پر قبضہ کرلیا۔

یہاں کے قلعدار بھی انگریزوں سے مل گئے۔ بغیر مزاحمت کے قلعہ دشمنوں کے حوالہ کردیا۔ یہاں سے آگے بڑھ کر انگریزوں نے کڈلور کا رخ کیا۔ اب سلطان کو کہاں تاب تھی لشکر جرار لے کر امنڈا۔ انگریزوں نے اس جنگ میں اپنے آبی بیڑے کے جنگی جہازوں سے بھی کام لیا جو آگ برسا رہے تھے۔ اس جنگ میں سلطان کی فرانسیسی سپاہ بھی انگریزوں سے بڑی شجاع سے لڑ رہی تھی۔ یہ ایسی خونریز جنگ تھی کہ اس میں کئی بار دست بدست قوت آزمائی ہوئی تھی۔ آخر کئی گھنٹوں کے گھمسان رن کے بعد سلطان ٹیپو نے انگریزوں کو شکست فاش دی۔

اس شکست کا انگریزوں کو بڑا صدمہ ہوا اور ہار کی خبر سن کر مدارس گورنمنٹ کو لینے کے دینے پڑ گئے۔ چنانچہ نواب والا جاہ والی کرناٹک جو انگریزوں کا زرخرید غلام بنا ہوا تھا اور بڑا ہی غدار وطن تھا۔ انگریزوں سے بولا کہ اب سوائے صلح کے کوئی چارہ نہیں۔

آخر مدراس گورنمنٹ نے سلطان ٹیپو کی خدمت میں صلح کی درخواست روانہ کی۔ یہ لمحہ سلطان کے لئے بڑا قابل فخر تھا۔ کیونکہ ایک بہت بڑا دشمن امان مانگ کر صلح کر رہا تھا۔ کاش سلطان اس صلح کے لئے آمادہ نہ ہوتا۔ ہندوستان میں اس کے قدم نہیں جم سکتے تھے۔ مگر اس امن پسند سلطان نے جنگ پر ہمیشہ صلح کو ترجیح دی اور فریقین میں صلح ہوگئی۔ بہرنوع یہ بھی سلطان کی کامیابی عظیم تھی۔ عارضی ہی سہی۔

ONE URDU FORUM . COM
® SCANNED PDF By HAMEEDI

باب نمبر23

ابھی سلطان مظفر و منصور سرنگا پٹم کو واپس لوٹا ہی تھا کہ ایک خبر بد آئی کہ کورگ کے تمام علاقہ میں بغاوت پھیل گئی۔ کورگ میں نواب حیدر علی کے زمانے میں بھی کئی بار بغاوت ہوئی تھی جس کو اس نے فرد کردیا تھا۔ مگر کورگ والے ہمیشہ آمادۂ فساد رہتے تھے۔ کورگ ریاست میسور کا ایک نہایت ہی زرخیز اور جنت نظیر علاقہ ہے۔ اس میں کئی چھوٹے حکمران تھے جو سلطان کے مطیع تھے پھر بھی موقع پاتے ہی بغاوت اور سرکشی کے لیے اٹھ کھڑے ہوتے تھے۔

کورگ کا علاقہ اس قدر حسین تھا کہ اس کی جس قدر تعریف کی جائے کم ہے۔ مورخ سلطانی نے اس کی بڑی تعریف لکھی ہے۔ جن الفاظ سے اس نے اس علاقہ کی تصویر پیش کی ہے وہ پڑھنے کے قابل ہے لکھتا ہے:۔

''اس ملک کی خوبیوں کا کیا حال بیان کیا جائے۔ کمر کمر تک وہاں کے کھیت لہلہا رہے تھے۔ اور جنگلوں میں انواع واقسام کے درخت مثلاً ساگوان، صندل، رال سفید، عود خام وغیرہ قدرت کا شاندار نمونہ ظاہر کرتے تھے، سیاہ مرچ کے مسلسل جال نہایت ہی دلفریب معلوم ہوتے تھے۔ اور چھوٹی الائچی کے درختوں کے نیچے اعلیٰ درجہ کی الائچیاں سنگریزوں کی طرح بکھری رہتی تھیں۔ دارچینی کے درخت آسمان سے باتیں کرتے تھے۔ اور باغستانی درختوں میں فالسہ، موز، بیری، اناس، کھٹل، جامن وغیرہ کے درختوں کو دیکھ کر اس سرزمین پر بہشت کا گمان ہوتا تھا، پھر پھولوں میں گل مہندی، گیندا، نسرین، سوسن، چنپا، گلزار ہمیشہ بہار کا موسم پیش کرتے رہتے تھے۔

جانوروں میں ہاتھیوں کے گلے اور ان کے بچے کثرت سے پھرتے رہتے تھے اس علاقہ کے لوگوں نے ہاتھیوں کی تاخت سے خود کو محفوظ رکھنے کے لئے بہت بڑے حصار بنا رکھے تھے ان احاطوں میں لوگوں نے باغیچے لگا رکھے تھے جو بہت ہی لطف دیتے تھے۔

ONE URDU FORUM . COM
® SCANNED PDF By HAMEEDI

یہاں کے لوگ گلے سے گھٹنوں تک ایک لباس پہنتے تھے۔ تیر اندازی اور تلفنگ اندازی میں بھی بڑی مہارت رکھتے تھے۔ ان کی عورتیں حسن کی دیویاں نظر آتی تھیں۔ ان کے حسن و جمال سے یہ خطہ پرستان معلوم ہوتا تھا۔ان کے اس حسن و شباب کو ان کا لباس بھی پوشیدہ رکھنے میں عاجز تھا۔وہ صرف دو ہاتھ کا کوتاہ رومال اپنے اُبھرے ہوئے سخت سینوں پر لپیٹ لیتی تھیں اور ناف سے صرف رانوں تک دھوتی باندھتی تھیں۔باقی جسم کھلا رہتا تھا۔

وہاں کے مردوں میں قوت رجولیت کم تھی اس لئے چار حقیقی بھائی ایک عورت کو بیوی بناتے یا چار دوست مل کر ایک عورت کو زوجہ قرار دیتے۔ اور ایک روز کی باری سے اس کے پاس رہتے یا سب ایک ہی رات کو رہتے جو اولاد ہوتی وہ سب کی مشترکہ ہوتی تھی۔

اس علاقہ میں اتنی خوبیوں کے ساتھ ساتھ بعض خوفناک چیزیں بھی پائی جاتی تھیں۔مثلاً جونکیں جو اگر کسی کے چمٹ جاتیں تو خون چوس کر دم لیتی تھیں اسی طرح بڑے بڑے اژدھے زہریلے سانپ، بچھو وغیرہ بکثرت پائے جاتے تھے۔

اس جنت نشان علاقہ کی بغاوت کا حال سنکر سلطان کو افسوس ہوا تھا۔ مگر فوراً کوئی تدبیر کرنے کی ضرورت تھی۔ چنانچہ بارہ ہزار پیادہ اور دس ہزار سوار لے کر سلطان نکلا اور کورگ کی سرحد میں داخل ہوا۔اس کے بعد سواروں کو حکم دیا کہ بڑے بڑے شہر مثلاً پرپائیں، سدا پور اور مظفر آباد وغیرہ پھر سلطان بذات خود پیادہ فوج لے کر اندرون علاقہ بڑھا۔ آخر رن منڈل مقام پر باغیوں سے مقابلہ ہوگیا۔سلطان سپاہ سالار اعظم کی حیثیت سے موجود تھا اور پیادہ فوج اس نے اپنے فرنچ افسر موسیو لالی کے زیر کمان دے رکھی تھی۔آخر مقابلہ ہوگیا۔ شدید جنگ کے بعد سلطان نے باغیوں کو شکست کامل دی۔باغی بھاگ چھوٹے اور کچھ عرصہ کے بعد سامنے آکر جنگ کرنے کے بجائے چھپ کر جھڑپیں کرنے لگے۔

مگر سلطان تو خود گوریلا جنگ کا ماسٹر تھا۔اس نے باغیوں کے چھکے چھڑا دیئے پھر میر حسین علی خان (حسن کا بڑا بھائی)، میر محمود، امام خان اور موسیو لالی کو اطراف وجوانب میں روانہ کیا تاکہ باغیوں کا اچھی طرح قلع قمع کیا جائے۔تقریباً آٹھ ماہ تک ٹیپو سلطان کورگ میں قیام پذیر رہا۔اس مدت میں اس نے پورے علاقہ کو از سر نو مسخر کرلیا۔

ان تمام لڑائیوں میں نوجوان دوجیہہ حسین علی خان نے نہایت ناموری پیدا کی تھی۔ اس کے ہاتھوں سے ہزارہا باغی قتل ہوئے اور آٹھ ہزار کے قریب مرد و عورت گرفتار ہوئے۔ باغیوں کے چھپنے کی پناہ گاہیں اور جنگل اُس نے آگ لگا کر تباہ کردیئے تمام کورگ میں اس کے نام کی ہیبت بیٹھ گئی۔اور اس کی شجاعت و آتش زدگی کے فن کی وجہ سے لوگ اسے بنکی نواب کہنے لگے تھے۔ کنڑی زبان میں بنکی آگ کو کہتے ہیں۔ بنکی نواب کے نام سے آج بھی بنگلور اور میسور میں دو سڑکیں منسوب ہیں۔کورگ کی تمام جنگوں میں بقول مورخ سلطانی اسی ہزار مرد و عورت گرفتار ہوئے تھے۔

چنانچہ وہ شجیع و خوبرو افسر جو مالا بار میں چمک نہ سکا تھا اور پچھمی کے حسن کے آگے سپر انداز ہونے سے رہ گیا تھا کورگ میں ایسا چمکا کہ تمام علاقہ میں اس کے نام کی دھاک بیٹھ گئی۔ حسین علی کی یہ خوش قسمتی تھی کہ کورگ کی لڑائیوں میں اسے نام پیدا کرنے کے مواقع عظیم حاصل ہوگئے تھے۔ اس کا چھوٹا بھائی حسن بھی مالا بار کی طرف کامیاب تھا اور اپنی کامیابی ہی کامیابی میں ماہرو پچھمی سے دل ہار گیا تھا۔مگر افسوس اس محبت کو ابھی سرخروئی حاصل نہیں ہوئی تھی کیونکہ نواب حیدر علی جس کے ایما سے یہ شادی ہونے والی تھی دنیائے فانی سے اٹھ چکے تھے۔ اب ان کے فرزند عالی وقار سلطان ٹیپو موجود تھے چنانچہ حسن رات دن یہی سوچتا رہتا تھا کہ موقع محل دیکھ کر سلطان سے طالب اجازت ہونے کے بعد اپنی محبوبہ پچھمی کو دائمی طور پر کنار محبت میں لے سکے۔

بہر نوع حسین علی نے تسخیر کورگ کے بعد ایسا نظم و نسق قائم کیا کہ اتنے بڑے علاقہ میں اعلانیہ یا پوشیدہ ایک بھی باغی زندہ نہ چھوڑا اور جو ہاتھ آئے انہیں قید کرلیا گیا۔ اب تمام علاقہ میں امن و امان تھا۔کوئی دشمن نہ رہا تھا۔وہاں کے چھوٹے بڑے حکمران سب کے سب مطیع ہو چکے تھے، کورگ چونکہ ایک وسیع رقبہ ہے اس لئے وہاں کے دور افتادہ اور عین اس جنت کے قلب میں پڑے ہوئے اکے دکے حکمرانوں سے کوئی تعرض نہیں کیا گیا تھا۔کیونکہ نہ تو خود انہوں نے سرکشی کی تھی اور نہ باغیوں کی کبھی حوصلہ افزائی کی تھی۔

ٹیپو سلطان کورگ کو حسین علی کے سپرد کر کے واپس چلا گیا۔ اب حسین اپنی چھاؤنیوں سے ہٹ کر اس بہشت بریں کی اندرونی سیر کرنا چاہتا تھا۔ اس میں سیاسی مصلحت بھی تھی اور معلومات حاصل کرنا بھی مقصود تھا۔چنانچہ ایک ہفتہ وہ اپنی چھاؤنی سے کٹ کر اس علاقہ کے وسطی حصے میں چلا گیا۔ جتنا بڑھتا گیا اس کی آنکھوں سے عجائبات عالم گزرتے گئے تھے۔سبحان اللہ! کیا سرزمین تھی۔ سرزمین کیا تھی حسن و شباب کا گہوارہ تھا۔ ہر طرف زندگی کے دھارے جمال کی کرنیں اور حسن کی تجلیات کو ندتی ہوئی محسوس ہو رہی تھیں۔

کہیں غزالان دشت نظر آجاتے۔ کبھی قرینے سے کھڑے ہوئے دور تک سر وصف بستہ دکھائی دیتے۔ کسی جگہ پیلے پیلے پھولوں سے لدی ہوئی ایسی متناسب جھاڑیاں استادہ نظر آتیں جیسے جنگل کی مہذب کنواریاں شرمائی شرمائی کسی کا انتظار کر رہی ہیں۔

اول تو خاک مٹی اور کیچڑ کا کہیں وجود ہی نہ تھا۔ اگر کہیں مٹی نظر آجاتی تو ایسی معلوم ہوتی جیسے کسی حسین دلہن کے پیروں کی مہندی چھٹ کر ادھر ادھر پھیلی پڑی ہے۔ پھر ہوا کی لطافت کا یہ عالم کہ انسان خود کو پرواز کرتا ہوا محسوس کرنے لگتا تھا۔ خدا جانے اس دلفریب جنگل میں کیا مہک تھی۔ کس چیز کی مہک تھی۔ خوشبوؤں کے چو طرف سے قافلے کے قافلے چلے آرہے تھے۔ شاید آس پاس معطر دہن والی لڑکیاں کھڑی تھیں یہ ان کے عطر بیز تنفس کی مہک تھی یا وہ جمائیاں لے رہی تھیں۔

تمام میدان ملائم ملائم سبزے سے ڈھکا ہوا تھا۔ ہر طرف سے زمین اس طرح ہموار تھی گویا کسی نے سلیقہ سے کھود کر مٹی برابر کر دی ہے۔ کوئی بیہودہ گڑھا یا بدنما ٹیلا دور دور تک نظر نہیں آتا تھا۔ جدھر نگاہ ڈالو سرسبز زمین کی ہمواری گواہی دیتی تھی کہ یہ سب مسکن کسی نازک اندام و خوشخرام مخلوق ہے جس کو مربی مہربان قدرت گڑھوں، شگافوں اور اونچی نیچی زمین پر چلنے پھرنے سے بچانا چاہتی ہے۔

بہت دور حد نگاہ کے طور پر نیلگوں پہاڑیاں ترتیب سے پھیلی ہوئی نظر آرہی تھیں جن سے اندازہ ہوتا تھا کہ ان کے قریب تک یا اس سے متصل یہ دلکش سرحد ختم ہو جاتی ہے۔ پھر وہاں سے گھناؤنی، پتھریلی دلدل سے پر اور واہیات ارضی طبقات شروع ہو جاتے تھے۔ جہاں لڑائیوں میں انسانوں کے خون بہتے ہوں گے۔

حسین علی انتہائی محویت کے عالم میں اس دینوی جنت میں چلا جا رہا تھا اس کا جی چاہتا تھا کہ اپنے اسپ تازی کی پشت سے اتر پڑے اور اس سبزہ زار میں لوٹا لوٹا پھرے۔ اسے راہ میں کبھی کبھار کوئی مرد یا عورت نظر آجاتی تھی اور چونکہ وہ اسی بہشتی سرزمین کی پیداوار تھی۔ اس لیئے دیکھے ہیں حسین نظر آتی تھی مگر دور دور تک کوئی بستی دکھائی نہیں دی تھی۔ جس میں رک کر دریافت کرتا کہ آخر یہ کیا مقام ہے۔ اتنا وہ ضرور جانتا تھا کہ کورگ ہی کا حسین علاقہ۔ لیکن کون سا اور کس کے زیر نگیں۔

سہ پہر کا وقت تھا آسمان صاف نہ تھا۔ بلکہ لکہ ہائے ابر فضا میں تیرتے پھر رہے

ONE URDU FORUM . COM
® SCANNED PDF By HAMEEDI

تھے اس سے آسمان کی نیلی چھت ایسی میلی میلی سی دکھائی دے رہی تھی جیسے کسی نے صاف فرش پر مسلے مسلائے کاغذ بکھیر دیئے ہوں اس سبزے کا جنگل رفتہ رفتہ منتا جا رہا تھا اور نشان دہی کر رہا تھا کہ تھوڑی دیر بعد ممکن ہے کوئی آثار نظر آنے لگیں۔ کوئی بستی کسی مقام کا قرب۔

ایک دو میل کا فاصلہ طے کرنے کے بعد خود رو سرد کی قطاریں شروع ہو گئی تھیں اور وہ دو رویہ کھڑے تھے جس کی وجہ سے ان کے درمیان ایک پیچ و خم کھاتا ہوا راستہ بن گیا تھا۔ پھر آس پاس ننھے ننھے جنگلی پھول یہاں سے وہاں تک ہوا سے کلیلیں کر رہے تھے۔

یہ علاقہ اور بھی زیادہ دلکش تھا۔ یہاں ہوا میں اور بھی زیادہ لطافت و نرمی محسوس ہو رہی تھی اسی طرح سرزمین میں مزید حسن نظر آرہا تھا۔ اب اور بھی زیادہ پھولوں کے پودے نظر آنے لگے تھے اور اگر ان کا مالی آسمان والا تھا تو وہ ضرور خود بھی اس طرف آجاتا ہو گا یا اپنے ہی جیسے جمیل کسی اپنے خلیفہ کو یہاں کی سیر کے لیے بھیج دیتا ہو گا۔

ایک جگہ پہنچ کر حسین کو پھولوں کی قطاریں ہی قطاریں نظر آئیں۔ نہیں فطرت اس قدر سلیقہ شعار نہیں ہے کہ ایسی ترتیب سے پودوں کو کھڑا کر دیتی یقیناً یہ انسانوں کی توجہ کے رہین منت تھے۔ پھر سرو جنگلی نہیں رہے تھے بلکہ اب وہ باغیچوں میں کھڑے رہنے والے سرو تھے۔ جن کی جڑوں تک سبزہ اور پھول پھیلے ہوئے تھے۔ شاید یہ کوئی بہت وسیع باغ تھا۔

باب نمبر24

حسین نے اس فرحناک مقام کے بعید گوشے میں شفاف پانی کا ایک حوض دیکھا۔جس سے ذرا فاصلہ پر شاہ بلوط کے اونچے اونچے درخت کھڑے تھے جن کا ایک ایک پتہ ہوا کے ذرا سے اشارے سے ترنم ریزی میں مصروف ہوجاتا تھا۔ یہ درخت قریب قریب استادہ تھے اور ان کی شاداب چکنی چکنی لمبی لمبی ٹہنیاں سبزے اور پھولوں کو چومنے زمین کی طرف جھکی پڑ رہی تھیں۔ان کے اس حجاب نے اس طرف یعنی ان کے پار والے منظر کو نگاہ سے کچھ اس طرح پوشیدہ کر دیا تھا کہ ان کا پس منظر حسین اسرار سا محسوس ہوتا تھا۔خدا جانے ان کے پیچھے کیا تھا۔ ممکن ہے آس پاس کے ماحول سے بھی زیادہ حسین منظر ہو۔کیونکہ ٹہنیاں جب لچک کر ذرا ہٹتی تھیں تو ان سے دور شگافوں میں سے سفید سفید کوئی چیز نظر آنے لگتی تھی۔جیسے کوئی عمارت ہو یا آس پاس کا نور اکٹھا ہو کر ادھر جا چھپا ہو۔

اب حسین گھوڑے پر سے اتر پڑا اور اس کی لگام شانے سے لپیٹ کر آہستہ آہستہ حوض کے قریب پہنچا۔واہ واہ کتنا شفاف پانی تھا۔جیسے رقیق موتی یا پارہ بھرا ہو۔لیکن پارہ اتنا شفاف کب ہوتا ہے۔حوض کی تہ تک نظر آرہی تھی۔ حسین نے پہلے یہ نرمل پانی اپنے گھوڑے کو پلایا۔پھر ایک طرف اسے باندھ کر خود منہ ہاتھ اور پیر دھوئے۔ڈگڈگا کر شیریں اور ٹھنڈا پانی پیا اور سنگ مرمر کی ایک لمبی سی سل پر جا کر ذرا دراز ہوگیا۔تاکہ آس پاس کے سہاؤنے منظر کا لطف اٹھائے شفاف پانی پینے کے بعد جو اس نے پیر سیدھے کئے تو ایک لطیف نشہ کی سی کیفیت طاری ہوگئی۔ سہ پہر کا وقت،سبزے پر سے پھیلتی ہوئی ملائم ملائم ہوا مدہوش کن سایہ اور راحت افزا مقام حسین پر مسمریزم کا کام کرنے لگا۔ اس نے دو چار جمائیاں لیں سر کے نیچے ہاتھ کا تکیہ رکھا۔اس کے بعد خود بخود اس کی آنکھیں بند ہونے لگیں جیسے یہاں کی حسین فضا کسی دوشیزہ کا روپ اختیار کر کے اسے تھپک تھپک کر سلا رہی ہو۔ چند ہی منٹ بعد حسین گہری نیند میں ڈوب گیا اور گردونواح کا دلکش ماحول اس کے لیے گم

ONE URDU FORUM . COM
® SCANNED PDF By HAMEEDI

ہوگیا۔

اندازہ نہیں وہ کتنی دیر سویا اور کب تک سوتا رہتا یہاں کوئی مخل ہونے والا نہ تھا۔یہاں تک کہ آرام ہی بے آرامی بن جاتا اور اسے جگا دیتا وہ مزے سے میٹھی نیند نکالتا رہا۔اب اسے ہاتھیوں کی چنگھاڑ۔زخمی گھوڑوں اور انسانوں کی کراہ اور چیخ۔بندوقوں کے دھماکے اور توپوں کی گرج سنائی نہیں دے رہی تھی اسے خواب میں اس وقت انسانی خون بہتے نظر نہیں آرہے تھے بلکہ ایسے مناظر دکھائی دے رہے تھے جن سے خون بڑھتا ہے بہنے کے لئے نہیں بلکہ صحت افزائی کے لئے۔

بہت دیر بعد حسین نے خواب میں دیکھا جیسے کہیں سے بہت ہی دلگداز نغمات بلند ہو رہے ہوں اور پھر کئی پریاں اس کے سنگین پلنگ کا طواف کرتی جاتی ہیں اور ناچے جارہی ہیں۔ کبھی وہ دلربائی سے اس پر جھک جاتیں کبھی اس پر بے شمار پھول برسانے لگتیں۔ لیکن کسی نے اس کو چھوا نہیں مبادہ جاگ اٹھے۔حسین نے خواب میں کئی بار انہیں دبوچ لینے کے لئے ہاتھ بڑھائے مگر وہ جسم غیر مرئی کی طرح ہمیشہ نکل جاتیں۔شاید اب وہ کافی نیند لے چکا تھا۔ کیونکہ اس نے کروٹ لی تھی۔ اس کے ساتھ ہی پریاں لچکتی نازوہ عشوہ کرتی اس کے دوسرے پہلو کی طرف آگئیں مگر کروٹ سے آرام نہیں ملا اس لئے اسی غنودگی کے عالم میں پھر چت ہوگیا اور پریاں بھی اس کے سرہانے پہلوؤں میں حسب سابق آکھڑی ہوئیں کبھی گاتیں کبھی ناچتیں اور کبھی اس پر پھولوں کی بارش کرنے لگتیں۔ کتنا خوشگوار خواب تھا۔

یہ ایسا حسین خواب تھا کہ حسین علی کسی قیمت پر اس کو توڑنا نہیں چاہتا تھا۔ مگر چونکہ نیند پوری ہو چکی تھی۔اس لئے بیداری کی طرف آگیا تھا۔ایک بار اس نے کیف کے عالم میں پپوٹے ٹمٹما کر اپنی دراز پلکوں کی چلمن میں سے ذرا جھانکا یونہی کسی خاص ضرورت کے ماتحت نہیں اور اس کی خواب آلودہ آنکھوں کو کچھ ایسا دھوکا ہوا جیسے جو پریاں اسے اپنے میٹھے سپنے سے لبھا رہی تھیں وہ بیداری کے عالم میں بھی اسے گھیرے ہوئی ہیں تاکہ یہ فریب خیال ٹوٹ نہ جائے اس نے پھر آنکھیں بند کرلیں۔

اب وہ غنودگی کی سرحد کو پار کر کے زیادہ بیداری کی طرف آتا جارہا تھا۔اس لئے نسبتاً اس کے حواس بھی زیادہ بیدار ہوتے جارہے تھے۔ اسی بیداری کے عالم میں اس کے سامعہ نے ہلکے ہلکے سروں میں کوئی جاں نواز گیت سنے اور حس تحیر نے اس سے

ناول کیلئے ون اردو کے شکر گزار ہیں

دریافت کیا کہ یہ کیا؟ اس کا جواب کان نہیں دے سکتے تھے بلکہ بیان ماجرا کے طور پر آنکھیں استعمال کرنی لازم ہوگئیں تھیں۔ اس لئے حیرت سے اس نے آنکھیں کھولدیں جو انتہائے حیرت سے کھلی کی کھلی رہ گئیں۔

اس نے دیکھا کہ وہ حقیقتاً گھرا ہوا ہے۔ کسی غول بیابانی کے درمیان نہیں بلکہ پھول بشکل انسان اس پر چھائے ہوئے ہیں۔ کئی حسین لڑکیاں اس کے آس پاس ناچ رہی تھیں۔ گا رہی تھیں اور اس پر پھول برسا رہی تھیں۔ اب تو حسین فرطِ تحیر سے اٹھ بیٹھا اور حیران حیران ان پری زادیوں کو دیکھنے لگا۔ لڑکیاں بھی اسے بیدار پا کر مسکراتی ہنستی اور کھلکھلاتی اس کے قریب آئیں پھر کوئی سرہانے آ بیٹھی کوئی پیروں کی طرف کوئی پہلو میں اور اسے اس طرح دیکھنے لگیں جیسے اب اس پر گریں۔

''آپ کون لوگ ہیں''؟ حسین نے فارسی میں ان سے دریافت کیا۔ اس کے جواب میں وہ ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر ہنسنے لگیں۔

حسین کو اندازہ ہوگیا کہ یہ فارسی نہیں سمجھتیں پھر یہی سوال اس نے مرہٹی میں کیا اس کا جواب بھی ہنسی ہی میں ملا۔ اب اس نے یہی سوال کنڑی میں کیا۔ تو ایک قہقہۂ عالم مسکرائی اور بولی۔

''ہم آپ کو کیا نظر آتی ہیں''؟۔

''پریاں''۔ حسین نے مسکرا کر کہا۔ اس پر سب شوخی سے ہنسنے لگیں۔

''کہاں سے آتا ہوا''؟ ان میں سے ایک زیادہ حسین لڑکی نے پوچھا۔

''پہلے میرے سوال کا جواب دو''۔ حسین نے مسکرا کر کہا۔

''ہم بھی آپ ہی کی طرح انسان ہیں اور کون ہیں'' دوسری فتنہ گر بولی

''خیر تمہارے کہنے سے مانے لیتا ہوں۔ اچھا یہ بتاؤ کہ میں کہاں ہوں یہ کیا مقام ہے''؟ حسین نے پوچھا۔

''آپ ریاست کنانور کی سرحد میں آ گھسے ہیں''۔ تیسری نے ہنس کر کہا۔

''اچھا یہ ریاست کنانور ہے! کتنی دور ہے یہاں سے کنانور کی بستی''؟۔

''کوئی چار پانچ میل کے قریب ہوگی۔ مگر آج آپ نہیں جاسکیں گے بلکہ ہمیں مہمان رہیں گے''۔ پہلے والی حسینہ نے کہا۔

''مہمان کی ایک ہی رہی۔ کیا آپ میری دعوت یہاں کی لطیف ہوا اور ٹھنڈ

ONE URDU FORUM . COM
® SCANNED PDF By HAMEEDI

پانی سے کریں گی۔ اسے باغ کہوں یا سرسبز جنگل۔ یہاں آپ میرے لئے کھانا کہاں سے پیدا کریں گی''؟ حسین نے کہا اس پر سب خوب ہنسیں۔

''یہ جنگل ہے''۔ انہوں نے ہنستے ہوئے کہا۔

''اتنا بڑا محل نظر نہیں آتا آپ کو''۔

''محل! کہاں ہے محل؟ اچھا بھئی محل ہوگا''۔ حسین نے ہنستے ہوئے کہا

''اتنی بڑی بڑی اور خوبصورت آنکھیں لئے پھرتے ہو پھر بھی محل نظر نہیں آتا آپ کو''؟ اسی شوخ نے کہا اس کے بعد ان سب نے مل کر اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور کشاں کشاں شاہ بلوط کے درختوں کے اس طرف لے گئیں درختوں کا جھنڈ سامنے سے ہٹ جانے سے حسین کو تھوڑے فاصلہ پر ایک پست سی عمارت نظر آئی۔ اب وہ سمجھا کہ حوض پر سے جو اسے سفید سفید دیوار کا جس چیز کے متعلق دھوکا ہوا تھا وہ حقیقتاً درختوں میں چھپی ہوئی یہ عمارت تھی۔

''اچھا یہ آپ لوگوں کا محل ہے''۔ حسین نے کہا۔

''ہم تو وہاں کی کنیزیں ہیں محل میں تو ہماری دیوی رہتی ہے''۔ ایک لڑکی نے کہا۔

''اتنے بڑے محل میں تم نے چھوٹی سی پتھر کی دیوی کو بٹھا رکھا ہے''۔ حسین نے کہا۔

''تمام لڑکیوں نے اس کے ان الفاظ پر ایک قہقہہ لگایا اور ہنسنے لگیں ہنسنے سے ان کے خوبصورت چہرے انگارے کی طرح دہک اٹھے حسین بھی ان کو ہنستا دیکھ کر ان کی خاطر ہنسنے لگا۔ جب ان کی ہنسی کم نہیں ہوئی تو وہ بولا۔

''آخر اس قدر کیوں ہنسے جا رہی ہو تم لوگ''؟

''آپ کی پتھر کی دیوی کا ذکر سن کر''۔ انہوں نے اسی طرح ہنستے ہوئے کہا۔

''میری دیوی! ہمیں دیوی دیوتا سے کیا سروکار۔ ہم تو صرف ایک خدا کو پوجنے والے ہیں''۔ حسین نے کہا۔

''پھر آپ نے ہماری زندہ اور گوشت پوست کی دیوی کو پتھر کی دیوی کیوں بنا دیا''؟ لڑکیوں نے کہا۔

''کہیں تمہارا مطلب یہ تو نہیں کہ وہ کوئی عورت ہے جس کو تم دیوی کہتی ہو''؟ حسین نے پوچھا۔

''شکر ہے آپ کی سمجھ میں آ تو گیا۔ مگر وہ کوئی معمولی سی عورت نہیں ہے بلکہ کنانور کی رانی ہے''۔ لڑکیوں نے جواب دیا۔

''اچھا وہ یہاں کی رانی ہے اور تم سب اس کی سہیلیاں ہو۔اب سمجھا''۔

''بھولئے گا نہیں اب۔ورنہ پچھتائیں گے''۔ ایک شوخ نے ہنس کر کہا۔

''کیوں پچھتانے کی کیا بات ہے''؟حسین نے کہا

''کیونکہ ہماری رانی کو دیکھنے کے بعد آدمی اپنے ہوش وحواس میں نہیں رہتا''۔

''وہ اور آدمی ہوں گے جو اس کو دیکھ کر اپنے ہوش کھو دیتے ہیں''۔حسین نے کہا۔

''اچھا آپ کس قسم کے آدمی ہیں۔کیا حسن و جمال کے معاملہ میں آپ کی آنکھیں اندھی ہیں''؟ایک طرار لڑکی نے پوچھا۔

''نہیں تو۔مجھے تم سب کی سب بڑی خوبصورت نظر آرہی ہو اور یہ تو قیامت ہیں۔'' حسین نے ان میں سے ایک سب سے زیادہ خوبصورت لڑکی کے متعلق مسکرا کر کہا۔سب لڑکیاں ہنسنے لگیں۔

ہماری مہارانی اس سے دس گنی سندر ہے''۔ایک لڑکی نے کہا اور پھر سب ہالہ بنا کر رقص کرنے لگیں۔

ONE URDU FORUM . COM
® SCANNED PDF By HAMEEDI

باب نمبر25

حسین علی راجہ اندر بنا ہوا ان حسین پریوں کے رقص سے لطف لیتا رہا۔کبھی وہ اس کو چھیڑ دیتیں کبھی گدگدا دیتیں۔ان میں زیادہ حسین لڑکی اس کے پاس آ بیٹھی تھی۔اور ان کے رقص میں حصہ نہیں لے رہی تھی اس سے اندازہ ہوتا تھا کہ وہ اپنی حیثیت اپنی سہیلیوں کے مقابلہ میں بلند تصور کرتی تھی۔اس کو کنڑی زبان بھی بہت معمولی آتی تھی شاید وہ اس خطہ کی رہنے والی نہیں تھی۔اور بطور مہمان کے رانی کنانور کے ہاں آئی ہوئی تھی۔ چونکہ کسی کا کسی سے تعارف نہیں ہوا تھا۔اس لئے حسین ان سے اور وہ حسین کی پوزیشن سے ناواقف تھیں۔اندازاً وہ سمجھ گئی تھیں کہ حسین علی کوئی بڑا سردار ہے۔ ممکن ہے کسی کا بڑا پالیگار یا تعلقہ دار ہو یا ٹیپو بادشاہ کا کوئی افسر ہو۔

شام کے چھ بج چکے تھے۔ حسین کو آگے کی منزل طے کرنی تھی۔اپنی حسین بلاؤں سے اگلی منزل کی راہ دریافت کرنی تھی اور وہ فاصلہ بھی۔ پھر اس نواح کی کیفیت معلوم کرنی تھی اور باتوں باتوں میں یہ بھی جاننا تھا کہ کنانور کی رانی آیا سلطنت میسور کی خیر خواہ ہے یا اس نے بھی کورگ کے باغیوں کا ساتھ دیا تھا اگر وہ بھی باغی ثابت ہوئی تو حسین اس کو بھی نہیں بخشے گا۔

لیکن اس دلکش فضا۔اس دلفریب سرزمین اور ایسے حسین ماحول سے فوراً رخصت ہو جانے کو اس کی طبیعت نہیں چاہتی تھی۔ ایک تو یہ فردوس بر روئے زمین خود ہی اس کی دامن گیر ہوئی جا رہی تھی۔ دوسرے لڑکیوں کے حالیہ بیان کے مطابق وہ کنانور کی رانی کی توصیفِ حسن سن کر اس کو آنکھوں سے دیکھنے کا مشتاق بھی ہو گیا تھا۔اسی اشتیاق کے پہلو بہ پہلو وہ یہ بھی معلوم کرنا چاہتا تھا کہ رانی کورگ سیاست سے کس حد تک متعلق یا غیر متعلق ہے۔ آخر اس نے سوچا کہ اپنے قریب بیٹھی ہوئی حسینہ سے رانی کا کچھ حال معلوم کرے۔ وہ

حسینہ ناچ کم دیکھ رہی تھی اور حسین علی کو زیادہ توجہ سے دیکھ رہی تھی اس نے اپنی مختصر عمر میں ایسا بانکا سجیلا نوجوان آج تک نہیں دیکھا تھا۔ مگر یہ نوجوان تھا کہ اس کی جانب ملتفت ہونے کے بجائے بت بنا بیٹھا نہ جانے کیا سوچ رہا تھا۔

''آپ کون ہیں''؟ آخر حسین علی نے اس کی جانب متوجہ ہو کر پوچھا۔ حسینہ مسکرائی اور بولی۔

''اور آپ کون ہیں''؟ بڑی مشکل یہ تھی کہ اتنا سا جملہ بھی وہ کنٹری میں صحیح طور پر ادا نہ کر سکی تھی۔ خدا جانے وہ کیا زبان بولتی تھی۔

''پہلے آپ بتائیے کہ آپ کون سے گلستان کی کلی ہیں اور رانی سے آپ کا کیا رشتہ ہے''؟ حسین علی نے پوچھا۔

شاید وہ اتنے لمبے جملے کو اچھی طرح سمجھ نہ سکی تھی۔ مسکرا کر چپ ہو گئی۔ اس کی مسکراہٹ بھی بہت پیاری تھی۔

''شاید آپ کو اپنا تعارف کرانے میں کوئی تکلیف ہے''۔ حسین نے اسے چپ پا کر کہا۔

وہ پھر بھی نہیں سمجھی اور اپنی عدم فہمی کو مسکراہٹ میں ٹال کر رہ گئی۔

''ہر بار تو آپ کو چپ ہو جاتی ہیں آخر کچھ تو اپنا تعارف کرائیے''۔ حسین علی نے پھر کہا۔

''جس بولی میں آپ بات کر رہے ہیں وہ مجھے نہیں آتی''۔ آخر اس نے غلط ملط کنٹری میں کہا اور اس میں بھی وہ کسی دوسری زبان کے الفاظ استعمال کر گئی۔ حسین علی بمشکل ان کا مفہوم سمجھ سکا۔

''اچھا تو آپ کنٹری نہیں سمجھتیں۔ کیا زبان ہے آپ کی''؟ حسین علی نے اس کے شگفتہ چہرے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا اور اسے دل میں اعتراف کرنا پڑا کہ یہ بہت شکیل لڑکی ہے اور اس کے اندر جنسی کشش بھی ہے۔

''اس کو اپنی طرف متوجہ پا کر حسینہ نے مسکرا کر ایک خوبصورت گلدستہ اس کی گود میں ڈال دیا۔ اس نے اٹھا کو اسے چوم لیا اس کو اس غیر زبان بولنے والی لڑکی سے گفتگو کرنے کا اشتیاق تھا اسی طرح وہ بھی اس سے باتیں کرنے کی مشتاق تھی آخر اس نے [illegible] سے ایک کنیز کو بلایا۔ شاید وہ اسی کی باندی تھی۔ اور اپنی زبان میں اس سے کچھ کہا۔

ONE URDU FORUM . COM
® SCANNED PDF By HAMEEDI

حسین کنیز اپنی جمیل مخدومہ کے سامنے آ کھڑی ہوئی پھر حسین سے مخاطب ہوئی۔

''آپ کیا پوچھ رہے تھے۔ ہماری راجکماری سے''؟ کنیز نے مسکرا کر حسین علی سے دریافت کیا۔ وہ حسین سے کنٹری زبان میں بول رہی تھی۔

''اچھا یہ کسی جگہ کی راجکماری ہیں''؟ حسین نے کہا۔

''ہاں یہ سداپور کے جاگیردار کی بیٹی ہیں''۔ کنیز نے جواب دیا لیکن اس کی مخدومہ نے اسے ٹوکا اور مسکرا کر کچھ کہا۔ کنیز پھر حسین سے مخاطب ہوئی

''راجکماری کہتی ہیں کہ پہلے آپ بتائیے کہ آپ کون ہیں''؟

''میں تو سپاہی ہوں۔ بس ایک سپاہی۔ خیر مجھے اصرار نہیں کہ میں تمہاری راجکماری کے متعلق تفصیل دریافت کروں۔ اچھا تو یہ بتاؤ کہ یہاں سے قریب ترین منزل کیا ہے''؟

راجکماری نے پھر دخل دیا اور مترجم کے ذریعے حسین کی گفتگو کا مطلب دریافت کیا۔

اس نے کوئی جواب دیا راجکماری نے پھر اس سے کچھ کہا

''راجکماری یہ کہہ رہی ہیں کہ شام ہو چکی ہے اور منزل دور ہے اس لئے آج رات آپ یہیں گزاریں۔ ہر چند میں خود رانی کنانور کی مہمان ہوں مگر رانی کا طریقہ ہے کہ وہ پردیسیوں کی ہر طرح تواضع کرتی ہے''۔ راجکماری نے مترجم کے ذریعے کہا۔

''معاف کیجئے میں ایسے شخص کی میزبانی قبول نہیں کر سکتا جو خود مہمان ہو''۔ حسین نے مسکرا کر کہا۔

راجکماری بھی مسکرانے لگی اس کے بعد اس نے اور لڑکیوں کو بلایا وہ کنانور کی رانی کی کنیزیں تھیں۔ جب وہ آ گئیں تو اس نے ان سے کچھ کہا

''واہ آپ اب نہیں جا سکتے۔ حضور رانی جی ہم پر سخت خفا ہوں گی''۔ کنیزوں نے حسین علی سے کہا۔

''تم ان سے ذکر ہی کیوں کرو کہ ادھر سے کوئی پردیسی گزرا تھا''۔ حسین علی نے مسکرا کر کہا۔

''انہیں تو خبر کر دی گئی ہے۔ آپ سو رہے تھے وہ خود گھوڑے پر سوار دور سے گزری تھیں''۔ کنیزوں نے کہا۔

ناول کیلئے ون اردو کے شکر گزار ہیں

''خیر یہ تو کوئی ایسی اہم بات نہیں تم مجھے راستہ بتادو''۔ حسین علی نے کہا۔

اس کو روانگی کے لیے مُصر پا کر کنیزیں ایک دوسرے کا منہ دیکھنے لگیں آخر انہوں نے راجکماری سے رجوع کیا۔

''اگر آپ کو کہیں جانے کی بہت ہی جلدی ہے تو علی الصباح روانہ ہو جائیں''۔ راجکماری نے کہا۔ مگر حسین کو اپنے قیام کا کوئی جواز نظر نہیں آیا۔ بیشک اسے کسی مہم پر نہیں جانا تھا بلکہ کورگ کی مہمات کو سر کرنے کے بعد اب امن و امان کا لطف لیتا پھر رہا تھا۔

''دیکھیے نہ میرے قیام کے لئے اصرار کسی ذمہ دار فرد کی جانب سے نہیں ہوا ہے رہیں آپ تو آپ خود مہمان ہیں''۔ حسین علی نے راجکماری سے کہا

''اگر میں مہمان ہوں تو یہ کنیزیں تو مہمان نہیں ہیں اور لڑکیاں معمولی نہیں بلکہ انہیں میں سے کئی رانی کی سہیلیاں ہیں''۔ راجکماری نے کہا۔

''معمولی تو میں کسی کو نہیں سمجھتا۔ یہ ستارے ہیں اور آپ چاند ہیں''۔ حسین علی نے مسکرا کر کہا۔ راجکماری ذرا شرمائی پھر مسکرا کر بولی۔

''ابھی آپ نے سورج کو نہیں دیکھا ہے اس کے بعد یہ چاند ستارے ماند ہو جائیں گے''۔

''حضور اب چلیں ایسا نہ ہو کہ ہمیں نہ پا کر رانی سدا پور روانہ ہو جائیں''۔ چند کنیزوں نے راجکماری سے کہا۔

''مگر ان صاحب کو تو سمجھاؤ۔ رات کو یہ کہاں سفر کریں گے''۔ راجکماری نے جواب دیا اس کے بعد سب حسین علی کے پیچھے پڑ گئیں کہ آج رات کو یہیں منزل رہے۔

''اچھا آپ کے کہنے سے رک جاتا ہوں لیکن آپ کی رانی کا ناخواندہ مہمان بننا اچھا معلوم نہیں ہوتا اس لئے رات یہیں حوض کے کنارے گزار لوں گا''۔ حسین علی نے کہا۔

''اگر رات کو کوئی دیو اٹھا کر لے گیا آپ کو''۔ ایک شوخ نے مسکرا کر کہا۔

''لیکن سنا ہے کہ دیو تو پریوں کے تابع ہوا کرتے ہیں۔ پریوں سے میری پہلے ہی ملاقات ہو چکی ہے پھر دیو کا کیا ڈر''۔ حسین نے ہنس کر کہا

''چلئے بھی اب دیو پری کے قصے کو چھوڑیئے اور ہمارے ساتھ ہو لیجئے''۔ راجکماری نے پھر مترجم کے ذریعے کہا۔ وہ حسین کو روکنے میں سب سے زیادہ مُصر تھی۔

ایسا کڑیل اور وجیہہ نوجوان کب ہاتھ لگنے والا تھا اس کا دل حسین کی طرف مائل ہوا جا رہا تھا۔ حسین نے اسے پسند کیا تھا مگر نادیدہ آفتاب صفت رانی کی دید کا اس کو اس قدر اشتیاق دلایا گیا تھا کہ ایک نظر اسے دیکھ لینا چاہتا تھا۔ اسی وجہ سے اس نے آگے جانے کا ارادہ ترک کر کے یہیں شب باش ہونے کا قصد کر لیا تھا۔

حسین علی نے اپنے گھوڑے کو بھی ساتھ لینا چاہا تو سب لڑکیوں نے کہا کہ اسے یہیں رہنے دیا جائے تھوڑی دیر بعد سائیس آ کر لے جائے گا مگر حسین نے اپنے رفیق کو نہ چھوڑا۔ اس کی باگ ہاتھ پر لپیٹ لی اور روانہ ہوا۔ محل چونکہ کسی قدر نشیب میں واقع تھا اس لئے ذرا فاصلہ طے کرنے کے بعد نظر آنے لگا تھا۔ کوئی عالیشان عمارت نہیں تھی مگر ایک تو حسن کے درمیان اس کا محل وقوع دوم نفاست پسند مکین۔ چنانچہ ہر طرف نور بکھرا ہوا معلوم ہو رہا تھا۔ اور اس کے ایک ایک زاویے سے تجلیاں ہی نکل رہی تھیں۔ جب محل قریب آ گیا تو تین چار لڑکیاں بھاگتی ہوئی آگے بڑھ گئیں۔ مگر راجکماری اس کے دوش بدوش چلتی رہی۔ ایک دوسرے کی زبان سے ناآشنا ہونے کے سبب سے دونوں بات چیت نہیں کر رہے تھے۔ مگر راجکماری بنگاہ شوق اسے دیکھ لیتی تھی اور جب دونوں کی نظریں مل جاتیں تو راجکماری کی آنکھیں اسے بہت سی امیدیں دلا دیتی تھیں۔ ان پیغامات سے حسین بھی زیادہ متاثر نہ تھا۔ ابھی چونکہ ایک حیرت کے دور سے گزر رہا تھا اور سوچ رہا تھا۔ کہ اس کے یہاں مقیم ہونے کے جواز کا کیا پہلو ہو سکتا ہے۔ دوسری کشمکش اسے ایک یہ ہو رہی تھی کہ اگر اس رانی کا بھی کسی طرح تعلق ختم شدہ باغیوں کے ساتھ نکلا تو وہ اس سے کس طرح پیش آئے گا۔

کنانور چونکہ بڑی اور مصروف ریاست نہیں تھی اس لئے اس کے حالات خود ٹیپو سلطان کو بھی زیادہ معلوم نہ تھے۔ وہ صرف اتنا جانتا تھا کہ وہ ایک امن پسند ریاست ہے جس کی حکمران کوئی عورت ہے۔ پھر گزشتہ شورش کے سلسلہ میں اس نے اس ریاست کے خلاف کوئی بات نہیں سنی تھی اس لئے اس کو اس کے اپنے حال پر چھوڑ دیا گیا تھا۔ حسین کے یہاں رک جانے کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ وہ اس ریاست کے ذرا رنگ ڈھنگ سے باخبر ہونا چاہتا تھا۔ اگر یہ ریاست دوست ثابت ہوئی تو اس کو وہ تمام مراعات بخش دی جائیں گی جو دوسری دوست ریاستوں کو حاصل تھیں اور اگر اس کے برعکس یہ مخالفتوں کا مرکز

ONE URDU FORUM . COM
® SCANNED PDF By HAMEEDI

نکلی تو اس پر پہلی فرصت میں قبضہ کرلیا جائے گا۔ چاہے اس کی حکمران حسن میں آفتاب ہو یا ماہتاب۔

آخر محل کا احاطہ آ گیا جس کے دروازے پر ہاتھی پہرہ دے رہے تھے۔ حسین علی کا گھوڑا ان کو دیکھ کر ذرا نہیں بدکا۔ بلکہ اپنے راکب کے ساتھ ساتھ چلتا رہا۔ یہاں تک کہ آگے جا کر ایک سائیس نے لپک کر مؤدبانہ اس کی باگ حسین علی کے ہاتھ سے لے لی اس کے بعد یہ دو رویہ خوشنما پھولوں کی دلکش قطاروں کے درمیان سے گزرتے ہوئے ایک سنگ مرمر کی بارہ دری کے قریب پہنچے۔

ONE URDU FORUM . COM
® SCANNED PDF By HAMEEDI

باب نمبر26

یہاں کا منظر بہت ہی دلفریب تھا آفتاب غروب ہو رہا تھا اور جیسے اس کو اس خوشنما خطہ کا کوئی خاص پاس ہو غروب ہوتے ہوتے بھی بہت نورانی نظر آ رہا تھا کیونکہ بعید کی پہاڑیوں کا رخ شمال کی طرف تھا اور مغربی حصہ کھلا ہوا تھا اس طرف سے ٹھنڈی ٹھنڈی اور معطر ہوا کے جھونکے آ رہے تھے۔ جن سے بڑی فرحت محسوس ہو رہی تھی۔ آس پاس کی خوشنما جھاڑیوں پر بیٹھی ہوئی چڑیاں کوئی کانفرنس کر رہی تھیں اس میں ان کی تقاریر اور جوابی تقریر سے اس قدر شور وغل ہو رہا تھا کہ کان پڑی آواز سنائی نہیں دیتی تھی مور بھی اپنے بڑے بڑے بازو پھیلائے بسیرے کے لیے درختوں کا رخ کر رہے تھے پپیہے کو شاید یہاں کوئی فراق زدہ نظر نہیں آ رہا تھا اس لئے اس کی پی کہاں کا نوحہ سنائی نہیں دے رہا تھا دور سے کبھی کبھی سارس کی آواز آ جاتی تھی جس سے اندازہ ہوتا تھا کہ یہاں کوئی تالاب یا دریا کا کنارہ نزدیک ہی ہے۔

حسین علی اس منظر کی لطافت میں کھو گیا۔ آخر راجکماری اس کے قریب آئی وہ اس سے کچھ کہنا چاہتی تھی کوئی بالکل نجی یا پرائیویٹ بات جس کو وہ مترجم پر بھی برملا نہیں کرنا چاہتی تھی مگر زبان کی بیگانگی مانع تھی آنکھوں سے جس قدر سمجھانا ممکن تھا وہ سمجھا چکی تھی۔ اداؤں سے جتنا لبھانا ممکن تھا وہ صرف کر چکی تھی مگر حسین علی کی طرف سے اس نے اب تک کوئی جوابی کنایہ نہیں پایا تھا اس سے اس کو یقین کر لینا پڑا کہ اس کے دل کے پیغامات حسین علی سمجھ نہ سکا ہے۔ آخر مترجم لڑکی قریب آئی تو راجکماری کو اس کے ذریعہ حسین علی سے دوسرے انداز سے گفتگو کرنی پڑی۔

''اچھا اب آپ یہاں تھوڑی دیر انتظار کریں۔ کوشش کر کے آپ کو جلد طلب کر لیا جائے گا''۔

''میں کسی کے در پر بیٹھ کر انتظار کرنے کا عادی نہیں ہوں کیونکہ لوگ میرے در پر

ناول کیلئے ون اردو کے شکر گزار ہیں

آ کر میرے منتظر ہوا کرتے ہیں''۔ حسین علی نے جواب دیا۔ راجکماری ہنسی پھر بولی۔

''کیا آپ بھی کہیں کے راجہ یا نواب ہیں''؟

''اس وقت تو حسینوں کے اسیر کے علاوہ اور کچھ نہیں ہوں''۔ حسین علی نے بھی مسکرا کر کہا۔

راجکماری اٹھلاتی ہوئی آئی اور اس کے قریب بیٹھ گئی وہ چاہتی تھی کہ مترجم لڑکی بھی چلی جائے اور اسے چند منٹ حسین علی کے پاس تنہا چھوڑ دے مگر رکاوٹ یہی تھی کہ ابتدائی گفتگو کے مراحل کیسے طے ہوں گے اس لئے مجبوراً مترجم کو بھی روک لینا پڑا۔ اور کنیزیں سہیلیاں وغیرہ محل کے اندر جا چکی تھیں۔ شاید مہمان کے لئے کوئی انصرام کرنا ہوگا۔

راجکماری نے بڑی طمع خیز جوانی پائی تھی۔ اسی طرح اس کی شکل وصورت بہت اچھی تھی لیکن جمال ہم نشین کے سلسلہ میں حسین علی بھی اپنے سلطان کی طرح پاکباز واقع ہوا تھا۔ صرف فرق اتنا تھا کہ اس کا سلطان عورت کی معیت تک کا متحمل نہیں ہوتا تھا اس کے برعکس حسین علی حسن پسند تھا۔ اور رومینٹک بھی۔ بس دل بستگی کی حد تک ورنہ عیاشی اس کو چھو کر بھی نہیں گئی تھی۔

لیکن راجکماری کا شباب اور مرد کی ہوس اس کو صرف اپنی تسکین کے لیے پکڑنا چاہتی تھی یہی وجہ تھی کہ وہ کنایوں، اشاروں، اداؤں کے ذریعہ اپنا مقصدِ دل ورغبت کا اظہار اس پر کر چکی تھی۔ یہ کورگ کی رہنے والی عورت تھی جو بقول مؤرخ سلطانی ہردم مرد کی تلاش میں رہتی تھی۔ اسی مؤرخ کی تحقیق کی بنا پر وہاں مرد کمزور ہوتے تھے۔

حسین علی کو چونکہ اس ریاست کے حالات معلوم کرنے تھے اس کو یہ کرید لگی ہوئی تھی کہ کورگ کی عام شورش وبغاوت کے ساتھ آیا یہ ریاست بھی ٹیپو سلطان سے باغی ہوئی تھی یا غیر جانبدار رہی تھی۔ ملاقات کے موقع پر یہ سوال وہ براہ راست رانی سے بھی کر سکتا تھا۔ لیکن وہ مجرم ہوتی یعنی اگر عام شورش کے زمانہ میں اس نے بھی باغیوں کا ساتھ دیا تھا تو اس بات کو خود کیوں قبول کرے گی۔ اسی بنا پر اسے ڈپلومیسی اختیار کرنی پڑی۔ اس کو راجکماری کی آرزو اور ہوا کی پذیرائی کرنے کا حیلہ کرنا پڑا کیونکہ اگر وہ اس کو اپنی محبت کا دھوکا دینے میں کامیاب ہو گیا تو اس ریاست اور اس کی رانی کے حالات یہ محبت کا فریب کھائی ہوئی راجکماری صحیح صحیح بتا دے گی۔

ان خیالات کے بعد اس نے اپنا پیار ظاہر کرنے کو قریب میں بیٹھی ہوئی

ONE URDU FORUM . COM
® SCANNED PDF By HAMEEDI

راجکماری کا ہاتھ تھام لیا اس ایک ہی لمس سے راجکماری کی تشنہ ہستی میں جیسے چنگاریاں ہی دوڑ گئیں اور اس کی آنکھوں میں مستی کے ڈورے نمودار ہونے لگے۔

''تم تو بہت ہی خوبصورت لڑکی ہو راجکماری'' حسین علی نے چاپلوسانہ مترجم کے ذریعہ کہا یا تو پہلے راجکماری مترجم کی موجودگی میں حسین علی سے صریح لگاوٹ ظاہر کرنے میں شرما رہی تھی یا اب شرم وحیا بالائے طاق رکھ کر اس کی گردن سے جھوم گئی تھی اور آنکھیں بند کر لیں جیسے سرور سے بیخود ہو۔

''تم کہاں کی راجکماری ہو''؟ حسین علی نے اس کا سر تھپتھپاتے ہوئے پوچھا۔

''ہماری کنیز بتا تو چکی ہے آپ کو کہ میں رئیس سداپور کی بیٹی ہوں''۔ راجکماری نے اس کے شانے پر سر رکھے رکھے کہا۔

''وہ رئیس سداپور جس نے کورگ کی بغاوت میں باغیوں کا ساتھ دیا تھا''۔ حسین علی نے بے پر کی اڑاتے ہوئے کہا۔

''نہیں ہم نے باغیوں کا ساتھ بالکل نہیں دیا تھا آپ چاہے کوئی بھی ہوں۔ چاہے کورگ کے باغیوں کے سردار ہوں یا ٹیپو سلطان کے آدمی۔ آپ برا مانیں یا بھلا مگر ہم غیر جانبدار رہے تھے۔ راجکماری نے جواب دیا۔

حسین علی نے اس کی آنکھوں پر ہاتھ پھیرا اور اس کے رخسار سہلانے لگا تا کہ پھر اس پر نشہ محبت وہمکناری طاری ہو جائے۔ اور مسمریزم کی سی کیفیت پیدا ہو جائے۔ پھر بولا

''میں نے غلط سنا ہوگا۔ اچھا تو یہ ریاست اور اس کی رانی نے ساتھ دیا ہوگا باغیوں کا''۔ راجکماری سرور میں اس کے منہ کے پاس منہ لے گئی پھر کیف کی حالت میں بولی۔

''نہیں یہاں کی رانی نے تو باغیوں کو پھٹکنے بھی نہیں دیا تھا۔ اس پر شہر میں تھوڑا سا بلوا بھی ہو گیا تھا مگر باغیوں کو مار بھگایا۔ پھر رانی نے سلطانی فوج کو خوراک کے طور پر بکرے اور بار برداری کے لیے کئی سو بیل بھی دیئے تھے۔''

''کیوں جھوٹ بول رہی ہو''۔ حسین علی نے خواہ مخواہ اس کی تردید کی تا کہ مزید حقیقت ثبت ہو سکے۔

''اپنی جان کی سوگند نہیں تمہاری جان کی سوگند اب تم سے زیادہ مجھے کون پیارا ہے''۔ راجکماری نے حسین علی کے کلے پر اپنا گال رکھتے ہوئے کہا۔

غریب مترجم لڑکی ترجمانی کا حق ادا کئے جا رہی تھی۔ مگر خود بھی اٹھتی جوانی کی

مالک تھی اس منظر کو دیکھ کر وہ بھی شرسار ہوئی جارہی تھی۔ اور بدمستی میں دوسری طرف حسین علی سے بھڑ کر بیٹھ گئی تھی حسین علی ان دونوں محروم تمنا لڑکیوں کی حالت پر دل میں تعاسف ہورہا تھا بہرنوع اس انکشاف سے اس کو بہت مسرت ہوئی کہ وہ ایک دوست ریاست میں ہے اور اس کی دوست رانی سے ابھی ملاقات کرنے والا ہے۔

کئی منٹ اس کیف کے عالم میں گزر گئے راجکماری دل میں دعائیں مانگ رہی تھی کہ خدا کرے رانی کہیں چلی گئی ہو یا کسی کام میں اتنی مصروف ہوگئی ہو کہ بہت دیر بعد فرصت پا کر حسین علی کو باریابی بخشے۔

''اب تو بتادو کہ تم کون ہو''۔ راجکماری نے سر اٹھا کر پوچھا۔

''بتا تو چکا ہوں کہ سپاہی ہوں'' حسین علی نے جواب دیا۔

''کیسے سپاہی''؟۔

''جیسے سپاہی ہوا کرتے ہیں اچھا یہاں کی رانی کا کیا نام ہے''؟ حسین علی نے دریافت کیا۔

''بالیا بنو''۔ راجکماری نے جواب دیا

''مگر ہم اسے صرف بالیا کہتے ہیں''۔

''وہ ہے کیسی''؟

''جادوگرنی ہے۔ سچ، ایسی سندر کہ اگر ٹیپو سلطان بھی اسے دیکھ لے تو اپنی اتنی بڑی سلطنت اس کے قدموں پر نثار کردے۔ دیکھو جی اسے دیکھ کر میرا دھیان تم اپنے دل سے نہ نکال دینا''۔

''اچھا تم نے کبھی ٹیپو سلطان کو دیکھا ہے''؟ حسین علی نے پوچھا۔

''نہیں۔ مگر سنا ہے وہ بڑا بہادر اور خوبصورت آدمی ہے۔ اس پر بھی عورتوں سے دور بھاگتا ہے۔'' راجکماری نے جواب دیا۔

حسین علی کو بڑی مسرت ہوئی کہ اس کا سلطان رضاعی بھائی دور دور تک اپنی نیک دلی و پاکبازی میں مشہور ہو چکا ہے۔

''وہ عورتوں سے نفرت کی بنا پر دور نہیں رہتا بلکہ چونکہ وہ ایک بادشاہ ہے اس لئے قوم کی بیٹیوں کو اپنی بیٹی اور بہن سمجھتا ہے''۔ حسین نے کہا۔

''تم تو نہیں بھاگتے ہو نا ہم سے''؟ راجکماری نے قریب قریب اس سے لپٹتے

ONE URDU FORUM . COM
® SCANNED PDF By HAMEEDI

ہوئے کہا۔

''تمہارے قریب بیٹھا تو ہوں''۔ اس نے مسکرا کر جواب دیا۔ اتنے میں ذرا فاصلہ پر باتوں کی آواز آئی اور مترجم نے اپنے نشہ حسرت سے چونک کر کہا۔

''مہمان کو لینے چوبدار اور کنیزیں آرہی ہیں شاید''۔ یہ کہہ کر پہلے تو خود حسین علی سے علیحدہ ہوئی پھر آہستہ سے راجکماری کا ہاتھ پکڑ کر اس کو بھی الگ کیا۔ راجکماری کا دل تڑپتا رہ گیا۔

حسین علی کا بلاوا آگیا۔ چونکہ کسی کو کانوں کان اس کی پوزیشن کا علم نہ تھا اس لئے طلبی کے لئے صرف چوبدار اور دو کنیزیں آئی تھیں۔ اس کے استقبال کا کوئی اہتمام نہیں کیا گیا تھا۔ غرض وہ درودالان طے کرتا ہوا محل میں داخل ہوا۔ نہ محل شاہانہ تھا اور نہ اس میں شاہانہ ٹھاٹ باٹھ تھے کیونکہ یہ چھوٹی ریاست تھی مگر جس سرزمیں پر وہ واقع ہوئی تھی۔ اس کو اس بلا کا حسن ملا تھا کہ اس پر ہزار شاہی شوکتیں قربان۔ ریاست کی حیثیت کے مطابق محل کا اندرونی حصہ خاصا سجا ہوا تھا اور ایک وسیع دالان تو اتنا دلکش تھا کہ اپنی نفاست میں ٹیپو سلطان کے محل کا ہم پلہ تھا۔

ہر طرف حسن و قرینہ نظر آرہا تھا اس دالان میں قالین بچھے ہوئے تھے اور دیواروں سے لگے ہوئے موٹے موٹے سفید براق کے غلاف والے گاؤ تکئے رکھے ہوئے تھے۔ دالان کی دیواروں پر اعلیٰ درجہ کے نقش و نگار تھے اور دروازں پر قیمتی مخمل کے کارچوبی پردے لٹکے ہوئے تھے اس حسین دالان میں رانی کی نشست خاص کے طور پر کوئی مسند نہیں تھی بلکہ ایک بہت موٹی اور بڑی ملائم قیمتی توشک بڑے سلیقے سے بچھی ہوئی تھی۔ چونکہ رات ہو چکی تھی اس لئے تمام درودیوار کو شمع روشن کررہی تھی۔ بالخصوص اس ہال میں یا دالان میں تو خوشگوار روشنی کا اتنا انتظام تھا کہ بقعۂ نور نظر آرہا تھا۔

چوبدار دالان کے باہر رک گیا۔ حسین علی نے اپنا کیسہ ٹٹولا اور جتنی اشرفیاں (یا سلطانی طلائی سکہ) تھیں وہ حکمران رانی کے آگے نذرانہ کے طور پر پیش کرنے کے لئے نکال لیں۔ اس کے بعد کنیزوں کی راہبری پر دالان میں داخل ہوا۔ وہ صرف ایک سرسری نظر ہی ہال پر ڈال سکا کیونکہ اسے وہاں تمام عورتیں ہی عورتیں نظر آئی تھیں۔ جن کی تعداد تو زیادہ نہیں تھی مگر تھیں تو آخر عورتیں اس لئے حسین نے از راہ احترام نگاہیں نیچی کرلیں آخر اسے توشک کے کنارے پر لیجا کر کھڑا کردیا گیا اور اس نے نظریں اٹھائے بغیر توشک پر متمکن ایک ہستی کے سامنے ہتھیلی پر اشرفیاں رکھ کر مؤدبانہ پیش کیں۔

ONE URDU FORUM . COM
® SCANNED PDF By HAMEEDI

باب نمبر 27

حسین علی اس انتظار میں کہ کب اس کا نذرانہ قبول ہو کئی سیکنڈ تک جھکا کھڑا رہا مگر نہ تو اس کے نذرانہ کو چھوا گیا نہ اس سے بیٹھنے کو کہا۔ بلکہ ہال میں ایک خاموشی طاری ہوگئی۔ چند منٹ پہلے یہاں جتنی عورتیں اور لڑکیاں تھیں چہل میں مصروف تھیں آپس میں ہنسی مذاق ہو رہا تھا مگر حسین علی کے داخل ہوتے ہی سناٹا سا چھا گیا جیسے اتنے بڑے کمرے میں صرف وہ اکیلا کھڑا ہو۔

آخر جب کوئی اس سے ہمکلام نہ ہوا اور نہ اس ریاست کی حکمران ہستی نے اس کی پیشکش تک ہاتھ بڑھایا تو اس نے نگاہیں اٹھائیں نگاہیں اٹھانے کا تو اس کو ہوش تھا اس کے بعد جو محویت و بیخودی طاری ہوئی تو یہ معلوم ہوتا تھا جیسے اسے سکتہ ہو گیا ہو۔ اس نے اپنے سامنے تو شک پر انسانی چہرہ بشکل آفتاب دیکھا اور آس پاس کی تیز شمعیں اسے ٹمٹماتی نظر آنے لگیں پناہ بخدا! تو شک پر کوئی عورت متمکن نہ تھی بلکہ ایک شعلہ سا بھڑک رہا تھا۔

اس نے دیکھا کہ آفتابی رنگ اور روپ کی کوئی اٹھارہ انیس سال کی لڑکی بیٹھی ہے جس کے رعب و جمال کا یہ عالم تھا کہ دیکھنے والے کی آنکھیں چندھیا اٹھتی تھیں۔ دنبالہ دار بڑی بڑی مخمور آنکھیں جن کے اندر سے نشہ حکومت و جوانی چھلک رہا تھا۔ کسی بہت ہی ہوشیار خطاط کے کھینچے ہوئے ابرو جو اپنی بلائیں خود لے رہے تھے سالم لعل سے ترشے ہوئے لب ستارے کی مانند روشن پیشانی اور ٹھوڑی سیب سے زیادہ خوشرنگ رخسار، مورسی گردن ممکن ہے قیامت ابھی صدہا سال تک نہ آئے گی مگر اس سینے پر نظر پڑتے ہی آغازِ قیامت میں کوئی دیر نہیں رہتی تھی۔

حسین علی کی نظروں سے صدہا کورگ کی حسین لڑکیاں گزر چکی تھیں مگر اس رانی کو جو حسن ملا تھا وہ آشوب تھا۔ فتنہ تھا۔ قیامت تھی۔ شباب و حسن کی اس مورت کو دیکھ کر حسین علی دیوانہ ہو گیا۔ راجکماری نے حالانکہ اس خطرے سے اس کو پیشتر آگاہ کر دیا تھا مگر آگاہی تو ہوش کی منزل تک ہے۔ حسین علی کو تو سر و پیر کا ہوش نہ رہا تھا۔

غضب یہ کہ وہ سحر افگن آنکھیں بھی اس کو دیکھ رہی تھیں۔ ان کے اندر بھی تحیر و انہماک تھا۔ آخر ان آنکھوں میں مسکراہٹ پیدا ہوئی اس کے بعد شنگرفی لب کھلے اور حسین علی نے مترنم آواز سنی۔

''آپ کی نذر قبول ہوئی۔ بیٹھ جائیے''۔ اب حسین علی بھی ہوشیار ہوا۔ اپنی محویت پر اس نے ندامت محسوس کی پھر بیٹھنے کو جگہ تلاش کرنے لگا کیونکہ نشست کے معاملہ میں کسی خاص سمت اشارہ نہیں کیا گیا تھا۔

''یہاں بیٹھ جائیے''۔ راجکماری نے اپنے گاؤ تکیئے کے قریب والی توشک کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

''آپ کے لئے وہاں جگہ ہے''۔ رانی نے اپنی داہنی طرف ایک گاؤ تکیہ کی سمت اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ چنانچہ حسین علی وہاں جا بیٹھا۔

''کہاں سے آنا ہوا آپ کا''؟ رانی نے دریافت کیا۔ اب اس کی آنکھیں حیا کی وجہ سے بار بار نہیں اٹھ رہی تھیں حسین علی نے اندازہ لگایا کہ وہ کورگ کی دوسری حسین اور ارمان بھری لڑکیوں کی طرح بے حجاب اور شوخ نہ تھی۔ اس کے برعکس اس میں رکھ رکھاؤ اور حیا کا مادہ تھا۔

''سیاح آدمی ہوں۔ یونہی گھومتا پھرتا رہتا ہوں''۔ حسین علی نے جواب دیا

''تاہم کوئی منزل تو ہوگی۔ کہیں سے آنا تو ہوا ہوگا''۔ رانی نے کہا۔

وہ کنڑی میں بات کر رہی تھی۔

''سمجھ لیجئے منگلور سے چلا تھا''۔ آخر حسین علی نے کسی ٹھکانے کا نام بتاتے ہوئے کہا۔

''وطن ہوگا''۔ رانی بولی۔

''اب تو کورگ ہی کو وطن بنانے کو جی چاہتا ہے''۔ حسین علی نے اپنی اصلیت چھپانے کی غرض سے مسکرا کر جواب دیا۔ رانی بھی مسکرانے لگی۔

''کیا کام کرتے ہیں آپ''؟

''یہی تلوار، بندوق کا''، حسین علی نے جواب دیا۔

''کوئی کارخانہ ہوگا آپ کا''؟ ایک سہیلی نے پوچھا۔ لیکن رانی اس کا مفہوم سمجھ گئی اور مسکراتی ہوئی بولی۔

''سپہ گری پیشہ ہے اچھا خیر آپ کے حالات پھر سنیں گے یہ بتایئے کیا پئیں گے''؟ رانی نے پوچھا

''معاف کیجئے۔آپ کے اس سوال کا جواب ذرا اندیشہ ناک ہو گیا ہے''۔حسین نے مسکرا کر کہا۔

''کیوں''؟ رانی اس کا مطلب نہ سمجھ سکی۔

''انسان کے اندر بے شمار پیاسیں سوئی ہوئی ہیں جب وہ تمام یا ان کی بڑی تعداد دفعتہً جاگ اٹھتی ہے تو وہ پریشان سا ہو جاتا ہے''۔اس کے ان مبہم کلمات کو ممکن ہے اس مجلس کی حسین حاضرات نے اچھی طرح نہ سمجھا ہو مگر شاید رانی بالیا سمجھ گئی تھی۔کیونکہ اس کا دمکتا ہوا چہرہ قدرے حیا سے اور دمک اٹھا تھا۔

''شراب منگوائی جائے''۔ایک سہیلی نے تجویز پیش کی۔راجکماری چونکہ کنٹری نہیں سمجھ رہی تھی اس لئے اپنی تسکین کے لیے اب بھی چپکے چپکے وہ اپنی مترجم لڑکی سے کام لے رہی تھی۔

''نہیں وہ شاید مسلمان ہیں''۔رانی نے کہا۔

''کیا آپ مسلمان ہیں''؟ دوسری شوخ لڑکی نے دریافت کیا۔

''الحمدللہ''۔حسین نے جواب دیا۔

''اسلام کسے کہتے ہیں''؟ ایک اور عاقلہ نے سوال کیا۔

''سپردگی کو''۔حسین نے جواب دیا

''جیسے آپ ہماری رانی کے سامنے سپردگی بن جائیں''۔اسی لڑکی نے کہا۔

''دینوی معاملات میں آپ کا یہ اشارہ بجا ہو سکتا ہے مگر اسلام صرف خدا کے سامنے سپردگی کی تعلیم دیتا ہے''۔حسین نے کہا۔رانی مسکرانے لگی۔

''شربت پسند کریں گے یا دودھ منگوایا جائے۔ابھی کھانے میں ذرا دیر ہے''۔ رانی نے اس سے کہا۔

''کھانے کی تکلیف نہ فرمائیں اگر مجھے آپ کو دیکھنے کا اس قدر اشتیاق نہ دلا دیا ہوتا تو میں سیدھا اپنے سفر پر روانہ ہو جاتا''۔حسین نے جواب دیا۔

''ہماری رانی کے سامنے آ کر کیا آپ کا اشتیاق دید بجا ثابت نہیں ہوا''؟ اسی لڑکی نے دریافت کیا۔وہ کوئی سمجھدار لڑکی معلوم ہوتی تھی اور شاید اس ریاست کی کوئی ذمہ

ONE URDU FORUM . COM
® SCANNED PDF By HAMEEDI

دار عہدہ دار بھی تھی کیونکہ رانی کے قریب ترین مقام پر اسی کو جگہ ملی تھی۔

''بجا ہی نہیں بلکہ اشتیاق اب بھڑک اٹھا۔میں نے ابھی کہا تھا کہ انسان کے اندر صدہا قسم کی تشنگیاں ہوتی ہیں''۔حسین نے مسکرا کر کہا۔

اس بار بھی حسین رانی شرما گئی۔

''اچھا آپ کے لئے دودھ منگوایا جائے''۔یہ کہہ کر اس نے ایک کنیز کی طرف اشارہ کیا۔

''ان کی ناچ اور گانے سے بھی کیوں نہ تواضع کی جائے''۔راجکماری نے اپنی زبان میں رانی سے کہا۔رانی مسکرائی اور پھر حسین سے بولی۔

''آپ کی تعریف ہماری بہن راجکماری پہلے ہی سے آ کر کر گئی تھیں۔اس وقت آپ سو رہے تھے۔

''اور انہی نے مجھے آپ کا نادیدہ مشتاق بنا دیا تھا''۔حسین علی نے کہا۔اپنی بار بار تعریف اس سے سنکر اس نے لجاتے ہوئے اس بار گردن پھیر لی۔

''ہاں رانی۔ناچ گانے کا انتظام کیا جائے''۔اس کی چند سہیلیوں نے بھی تائید کی۔

''مناسب یہ تھا کہ کھانے کے بعد اس تفریح کو رکھا جاتا''۔رانی نے کہا

''لیکن آپ کا اصرار ہے تو خیر''۔اس کے بعد اس نے کنیزوں کی طرف دیکھا۔

چونکہ اس ملک میں عورتیں پورا لباس نہیں پہنتی تھیں ایک تو ویسے ہی ان کے بدن حسین دگداز تھے اس پر صرف پیٹ سے گھٹنوں تک کی دھوتی سے وہ پتھر کی ترشی ہوئی حسین مورتی نظر آ رہی تھیں اس کے علاوہ بے قابو سینے کی بندش بھی سخت بے قابو کر دینے والی تھی۔ کیونکہ اس پر فقط برائے نام ایک چھوٹا سا کپڑا لپیٹ لیا جاتا تھا۔ خود رانی تک کا یہی لباس تھا۔قیمتی کپڑے کی دھوتی اور سینے پر ایک سرخ مخمل کی چست انگیا۔ ہوشربا منظر پیش کر رہی تھی۔یہ معلوم ہوتا تھا جیسے سبز حسین پودے میں سرخ رسیلے پھل لگے ہوئے ہیں۔پھر اس کی مخروطی سفید سفید پنڈلیاں۔آئینے کی طرح شفاف پیٹ اور نقرئی باہیں۔رانی کو دیکھنے کے بعد نہ رقص کی ضرورت رہتی تھی نہ نغمے کی۔ کیونکہ جوانی کا جو رنگین رقص اس کو ملا تھا اور شباب کا جو ترنم اس نے پایا تھا اس پر ہزار نغمے قربان۔

چند منٹ بعد اس کے لئے چاندی کے کٹوروں میں دودھ آ گیا۔حسین علی کی پوزیشن چونکہ ابھی کسی پر نمایاں نہیں تھی اس لئے اسے کوئی خاص اعزاز نہیں بخشا گیا تھا۔جو

کچھ اس کی تواضع ہو رہی تھی صرف بسلسلہ میزبانی ہو رہی تھی۔ یا اس کی وجاہت اور سجیلے پن کی وجہ سے۔

ابھی دودھ کا دور چل رہا تھا کہ دفعتہً باہر کئی گھوڑوں کی ٹاپوں کی آواز پھر ہنہناہٹ سنائی دی۔ اس سے سب کے کان کھڑے ہو گئے۔ معاً حسین علی کے دل میں یہ خدشہ کوندا کہ اس کے ساتھ کوئی فریب کیا گیا ہے۔ چنانچہ اس کا ہاتھ جلدی سے تلوار کے قبضہ پر گیا۔ مگر رانی نے اس کے شبہ کی تردید کرتے ہوئے کہا۔

''گھبرائیے نہیں۔ سوار ہوں گے، مگر اس وقت ایسے کیسے''؟ پھر کنیزوں سے بولی۔

''جاؤ ذرا دیکھو کون آیا ہے''۔ چنانچہ کئی کنیزیں لپکی ہوئی باہر گئیں اور چند منٹ بعد آ کر اطلاع کی کہ سداپور کے رئیس آئے ہیں۔

''کون! پتاجی''؟ راج کماری نے اپنے والد کی آمد کی خبر سن کر حیرت سے کہا۔ اس کے بعد بھاگی ہوئی باہر پہنچی

''جاؤ رمنی باہر سے راجکماری کے پتاجی کو بلا لاؤ''۔ رانی نے اپنی سیکرٹری سے کہا۔

تھوڑی دیر میں ایک پچاس ساٹھ سالہ سردار اندر داخل ہوا اور رانی کے حضور آداب بجالایا۔ رانی نے تپاک سے اس کا خیر مقدم کیا اور معزز جگہ پر بٹھایا۔ حسین علی نے بھی راجکماری کے والد کو دیکھا مگر رئیس ابھی اس کی طرف متوجہ نہیں ہوا تھا وہ کچھ پریشان سا نظر آ رہا تھا۔

''خیریت تو ہے اس وقت کیسے آنا ہوا''؟ رانی نے رئیس سے دریافت کیا

''کئی روز سے راجکماری کو دیکھنے کے لئے مظفر گڈھ کا رئیس آیا ہوا ہے مگر وہ یہاں آپ کے پاس آ کر ایسی جمی ہے کہ جانے کا نام ہی نہیں لیا۔ اسی کو لینے مجھے آنا پڑا''۔ رئیس نے جواب دیا

''اچھا تو راجکماری کا بیاہ کر رہے ہیں آپ کہیں۔ بڑی خوشی ہوئی''۔ رانی نے خوش ہو کر کہا۔

پھر مسکرا کر بولی ''مبارک ہو راجکماری''۔

راجکماری منہ بنا کر چپ ہو گئی۔

''کیسا ہے بر''؟ رانی نے دریافت کیا۔

''ذرا سانولا ہے۔ ویسے تو برا نہیں''۔ رئیس نے جواب دیا۔

''پسند ہے تمہیں راجکماری''؟ رانی نے مسکرا کر راجکماری سے دریافت کیا مگر وہ چپ ہو گئی گویا حسین علی کو دیکھ لینے کے بعد کوئی مرد اس کی نگاہ پر اب نہیں چڑھ سکتا تھا۔

''اچھا مہارانی میں سواروں کا باہر جا کر انتظام کرتا ہوں صبح ہی روانہ ہونا ہے۔ راجکماری صبح جلدی اٹھ جانا''۔ باپ نے اپنی بیٹی سے کہا۔

''میں ابھی آٹھ دس دن بعد آؤں گی پتاجی''۔ راجکماری نے کہا، رئیس ہنسنے لگا۔

''تیرا منگیتر آٹھ دس دن تک کیسے رکا رہے گا؟ نہیں بیٹی مجھے اس سے شرمندگی ہو گی صبح چلی چلنا۔ پھر چاہے دو چار روز بعد واپس آ جانا۔

''ہاں ٹھیک تو ہے راجکماری''۔ رانی نے کہا پھر اس کے باپ سے بولی

''آپ اپنے سواروں کا انتظام کر کے یہیں آ جائیے ابھی ہم لوگوں نے بھی کھانا نہیں کھایا ہے۔ ساتھ ہی کھانا کھائیں گے۔ اور آپ کے ساتھیوں کو بھی ہم ہی کھانا کھلائیں گے۔ تکلف کی کوئی بات نہیں ہے''۔

''ہم نے ابھی ایک گھنٹہ پہلے ہی دریا کے کنارے بیٹھ کر کھانا کھایا تھا اس لیے اب آپ کے درشن کو صبح ہی حاضر ہوں گے۔ سفر کی تکان بھی ہے''۔ رئیس نے کہا۔

''اچھا ہوتا کہ آپ آ جاتے ہمیں آج ان صاحب نے بھی میزبانی کا شرف بخشا ہے۔ ذرا باتیں ہوتیں''۔ رانی بولی۔

رئیس نے حسین علی کو بیٹھا ہوا ضرور دیکھا تھا مگر اس کی طرف زیادہ متوجہ نہیں ہوا تھا۔ وہ سمجھا تھا کہ رانی کی فوج کا کوئی ہوگا۔ اب جو رانی نے اس کو اپنے مہمان کی حیثیت سے پیش کیا تو اس نے حسین علی کی طرف غور سے دیکھا اور چند ہی سیکنڈ میں اس کے چہرے پر آثارِ حیرت اُمنڈ آئے۔

''کون! حضور بنکی نواب!'' اس کی زبان سے نکلا اور وہ اٹھ کر آداب بجالایا۔

حسین علی کورگ کی تمام بڑی آبادیوں میں اپنی شجاعت کی وجہ سے معروف ہو گیا تھا۔ اور جس بے جگری سے اس نے فتنۂ بغاوت کو دبانے کے سلسلہ میں باغیوں کی جائے پناہ اور جنگلوں میں آگ لگائی تھی اس کے سبب سے وہ بنکی نواب یعنی آگ لگانے والا نواب مشہور تھا۔

رانی، اس کی سہیلیاں اور کنیزیں وغیرہ اب تک حسین کی اصل پوزیشن سے بے خبر تھیں۔ کیونکہ اس نے اپنی حقیقت سے کسی کو آگاہ نہیں کیا تھا رانی بھی اس کے کارنامے

ONE URDU FORUM . COM ® SCANNED PDF By HAMEEDI

سن چکی تھی۔ اور اسے بھی معلوم تھا کہ بنکی نواب نامی ٹیپو سلطان کے ایک اعلیٰ سردار نے کورگ کے علاقہ میں اعلیٰ درجہ کا نظم ونسق اور امن وامان قائم کیا ہے اب جو اسے اچانک رئیس کی زبانی معلوم ہوا کہ یہ سلطنت میسور کا وہی نامور سردار ہے تو اس کی بھی حیرت کی انتہا نہ رہی۔ دل اس کی جانب پہلے ہی کھینچنے لگا تھا اب اس کی اعلیٰ شخصیت نے رانی کو اور بھی مرعوب کر دیا تھا۔ مگر جلد سنبھل گئی پھر ایک محبوبانہ تبسم اس کے شیریں لبوں پر آ گیا لیکن حیرت اب بھی برقرار تھی۔

''آپ بنکی نواب ہیں! آپ؟ ہم سے کہا بھی نہیں۔ اتنا چھپایا اپنے آپ کو''۔ آخر اس نے کہا۔

حسین علی صرف مسکراتا رہا۔ اس کے بعد رانی کی تمام سہیلیوں، کنیزوں اور راجکماری وغیرہ نے چوطرف سے اس کو گھیر لیا تا کہ ایسی عظیم شخصیت کو قریب سے دیکھا جائے۔

''میں کوئی بن مانس تو ہوں نہیں کہ اتنے اچھنبے سے دیکھا جا رہا ہے''۔ حسین علی نے مسکرا کر حسین جھرمٹ کے درمیان کہا۔

''آپ تو دیوتا سے بھی زیادہ سندر ہیں''۔ کسی حسینہ نے کہا۔

''اچھا مہربانی کر کے اب یہاں بیٹھئے''۔ رانی نے اپنے قریب ترین ایک ممتاز جگہ کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ حسین علی اس لطفِ قرب کو کس طرح سے ٹھکرا سکتا تھا۔

ONE URDU FORUM . COM
® SCANNED PDF By HAMEEDI

باب نمبر28

اپنے نامعلوم مہمان کی حقیقت کے انکشاف کے بعد بڑی دیر تک مجلس پر ایک رعب واحترام کی فضا طاری رہی جس سے خود رانی بھی بچی ہوئی نہیں تھی۔ مگر اسے یہ اطمینان تھا کہ اس نے باغیوں کا ساتھ نہیں دیا تھا ورنہ بنکی نواب کی شمشیر بے امان اس کی ریاست کو بھی معاف نہیں کر سکتی تھی۔ اسی طرح رئیس سدا پور باغیوں میں سے نہ تھا بلکہ اس نے اور کنانور کی اس حسین رانی نے افواج سلطان کی حسب حیثیت مدد کی تھی جس سے بنکی نواب بھی بے خبر نہ تھا۔

رانی کی حسین آنکھوں نے اس وجیہہ وشکیل نوجوان کو جب ہال میں داخل ہوتے دیکھا تھا تو اسی وقت سے اس کے نازک دل کی رفتار بے قابو سی ہو گئی تھی۔ پھر اس کے بیٹھنے کے بعد جتنی بار اس نے اسے دیکھا اس کی وجاہت دل کی گہرائیوں میں اترتی چلی گئی۔ وہ تو رانی کو اب تک اپنی برتری کا احساس تھامے ہوا تھا لیکن اب یہ احساس بھی اس جدید انکشاف کے بعد سے ٹوٹ گیا تھا۔ کیونکہ جو شخص اس وقت اس کا مہمان تھا وہ کورگ کے علاقہ کا سب سے بڑا مالک تھا جس کے قبضہ میں خود رانی کی ریاست بھی تھی۔ اس لحاظ سے اس کی ذات جہاں تک اعزاز کا تعلق تھا رانی سے بھی بلند تھی۔

اگر حسین علی ٹیپو سلطان کی فوج کا کوئی بڑا افسر ہوتا تو خیر رانی اپنی حکمرانی کے زعم کو برقرار رکھ سکتی تھی مگر اس کا مہمان تو وہ شخص نکلا جو اس پورے خطے کے سیاہ وسفید کا مختار تھا۔ لیکن اتنی بڑی پوزیشن میں ہوتے ہوئے بھی وہ کس قدر سادگی پسند و بے تکلف تھا کہ معمولی آدمی کی طرح آیا اور اس نے خود کو معمولی آدمی ہی کی طرح پیش کیا۔ ورنہ اس حیثیت کا انسان تو زمین پر قدم نہیں رکھتا

''کیا حضور کا ابھی ریاست کنانور میں کچھ دن قیام رہے گا؟ رئیس نے آخر

ناول کیلیئے ون اردو کے شکر گزار ہیں

دریافت کیا۔

''کہہ نہیں سکتا۔ممکن ہے کل ہی چلا جاؤں''۔حسین علی نے جواب دیا۔

''تو پھر سدا پور کو اپنے قدموں سے برکت دیں اور میری عزت بڑھائیں''۔ رئیس نے کہا

''نہیں آپ ہمارے معزز مہمان کو ہم سے چھین کر نہیں لے جاسکتے۔ابھی نواب صاحب کا یہاں کئی دن قیام رہے گا''۔رانی نے مسکرا کر رئیس سے کہا۔

''چونکہ سلطنتِ خداداد سدا پور اور مظفر گڈھ سے مطمئن ہے اس لیے اس طرف آنے کی مجھے ضرورت محسوس نہیں ہوئی۔اگر وقت ملا تو آؤں گا''۔حسین علی نے رئیس سے کہا اس کے بعد رئیس اٹھ کھڑا ہوا۔ پہلے حسین علی کو آداب کیا پھر رانی سے طالب اجازت ہو کر رخصت ہونے لگا۔

''بیٹی صبح تیار رہنا۔جلدی ہی چلنا ہے''۔چلتے چلتے اس نے راجکماری سے کہا۔

جو اپنی مترجم کے ذریعہ حسین علی کی حقیقت سے باخبر ہو کر سخت مرعوب ہوگئی تھی۔ دل تو اس سے پہلے ہی ہار چکی تھی اور حسینعلی نے ازراہ پالیسی مصنوعی لگاوٹ ظاہر کر کے اس سے بہت رغبت کا اظہار کیا تھا۔مگر اب راجکماری مایوسی و پریشانی میں گھر گئی تھی۔

''پتا جی انہوں نے تو مجھ سے کہا تھا کہ یہ فقط ایک سپاہی ہیں''۔آخر راجکماری نے اپنی زبان سے رئیس سے حسین علی کی شکایت کی۔ رئیس خوب ہنسا اور اس کی شکایت سے حسین علی کو آگاہ کیا تو وہ بھی ہنسنے لگا۔

''لطف یہ کہ ہم سے بھی آپ نے خود کو اس قدر چھپایا۔نہ اس وقت راجکماری کے پتا جی آئیں نہ آپ کے چہرے پر سے نقاب اٹھے۔ ''رانی نے بھی کہا۔

''زیر نقاب رہنے کے قابل تو چہرہ آپ کا ہے جس کی تاب لانا بڑا ہی مشکل ہے''۔حسین علی نے مسکرا کر چپکے سے رانی سے کہا۔

''حضور نواب نے کچھ جھوٹ نہیں کہا تھا بیٹی یہ بہت بڑے سپاہی ہیں''۔رئیس نے اپنی بیٹی سے کہا۔

اس کے بعد وہ آداب سے رخصت ہوا۔

ONE URDU FORUM . COM
® SCANNED PDF By HAMEEDI

''سپاہیوں کی صورتیں ایسی تھوڑی ہوا کرتی ہیں''۔رانی نے پھر مسکرا کر آہستہ سے اس کی بات کا جواب دیا۔اور اس طرح دونوں میں چپکے چپکے راز و نیاز شروع ہوگئے

''اور کیسی ہوتی ہے آپ کی جیسی کہ اس صورت کو دیکھ کر انسان بغیر اصلاح ہی کے بسمل ہو جائے''۔حسین علی نے مسکرا کر کہا۔رانی لجا گئی۔

''اچھا یہ بتائیے کہ آپ نے ہم سے اپنی اصلیت کیوں چھپائی تھی''؟ اس نے اپنی مست و مخمور آنکھوں کا جادو حسین پر صرف کرتے ہوئے کہا۔ان نگاہوں سے حسین علی کا دل سینے میں تھرا اٹھا۔

''اگر یہ خوبصورت آنکھیں ہر دم میرے سامنے رہیں تو میں دنیا میں بڑے بڑے کام کر سکتا ہوں''۔حسین نے مسکرا کر کہا۔

''کیا کام''؟ شوخی سے دریافت کیا۔

''جو یہ شیریں لب بتائیں''۔حسین علی نے پیاسی نظروں سے ان تر و تازہ لبوں کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''بتاؤں''؟ مگر کیا فائدہ آپ کریں گے نہیں''۔رانی نے پھر اسے بہ نظرِ شوق دیکھتے ہوئے کہا

''آپ کہہ کر تو دیکھئے''حسین علی بولا۔

''اچھا تو آپ اب یہاں سے نہ جائیں بلکہ ہمیشہ یہیں رہیں''۔رانی نے کہا

''یہ کون سی بڑی بات ہے۔میں تو بسلسلہ انتظام غیر معین مدت تک کورگ میں ہی ہوں''۔حسین نے جواب دیا۔

رانی مطمئن نہیں ہوئی اس کی گول گول سفید سفید کلائیاں جن میں سونے کے پتر والی ہاتھی دانت کی خوبصورت چوڑیاں پڑی ہوئی تھیں حسین کو اس قدر لبھا رہی تھیں کہ اس نے جھجکتے ہوئے اس سے اپنی انگلیاں مس کر دیں جن کو ہٹایا نہیں گیا۔

''آپ کی چوڑیاں کس قدر خوبصورت ہیں اور کلائیاں اس سے بھی زیادہ''۔ حسین نے آہستہ سے کہا۔ رانی نے نگاہیں جھکالیں۔عین اس وقت چند کنیزیں داخل ہوئیں اور انہوں نے اطلاع دی کہ کھانا تیار ہے۔

''چلیئیاب کھانا کھا لیجئے''۔رانی نے حسین علی سے کہا۔

''اب بھوک بالکل غائب ہوگئی''۔حسین نے کہا۔

''کیوں''؟رانی نے ترچھی نظروں سے اس کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''آپ کو دیکھ لینے کی وجہ سے''۔اس نے جواب دیا راجکماری ان کے یہ راز و نیاز دیر سے دیکھ رہی تھی اور جس چیز کا خطرہ اسے شروع سے پریشان کر رہا تھا۔وہ سامنے آتا جا رہا تھا۔اسے ڈر تھا کہ ساحرہ رانی کو دیکھ کر حسین علی کہیں اس کے حسن سے مسحور نہ ہو جائے۔ چنانچہ وہی ہوا بس اس کے بعد سے راجکماری جلن اور رشک میں ایسی مبتلا ہوئی کہ یہ حسین محفل اسے کھانے کو دوڑنے لگی''۔اس نے نہ معلوم کیوں یہ توقع قائم کر لی تھی کہ حسین علی کو اپنا بنا سکے گی حالانکہ اسے معلوم تھا کہ جلد اس کی دوسری جگہ شادی ہونے والی ہے۔

''بہر حال آگے آگے مشعل بردار کنیزیں ان کے عقب میں رانی اور حسین علی۔ اس کے بعد سہیلیاں، راجکماری، رانی کی سیکرٹری وغیرہ ایک سنگ مرمر کی نہایت خوشنما بارہ دری پر پہنچیں۔یہاں پہلے ہی سے چوکیوں پر انواع واقسام کے کھانے چن دیئے گئے تھے۔ یہ تہذیب میسور سے یہاں تک پہنچی تھی۔ ٹیپو سلطان اور اس کے امراء مغلیہ طرز پر کھانے کا اہتمام کیا کرتے تھے۔ اس سے کون انکار کر سکتا ہے کہ اسلامی کلچر ہندوستان کے بعید گوشوں تک پہنچ گیا تھا۔کیونکہ اس میں نفاست وشائستگی بے انتہا تھی۔

رانی اور حسین علی ایک ہی چوکی کے سامنے بیٹھے۔ ان سے متصل راجکماری اور رانی کی سہیلیوں وغیرہ کو جگہ ملی۔کھانا کچھ دھلی کی طرز کا تھا۔کچھ ہندوانہ بریانی، کباب قورمہ وغیرہ کے ساتھ ساتھ پوری کچوری، ساگ، پاپڑ اور مٹھائی کی بھی کثرت تھی۔

حسین علی نے کھانے کی ابتداء پوری کچوری سے کی۔اس کی تقلید میں اوروں کو بھی اسی طرف ہاتھ بڑھانا پڑا۔ رانی کے کھانے کا انداز اتنا حسین تھا کہ حسین علی کھاتے کھاتے اس کی طرف دیکھ کر مسکرانے لگتا تھا۔

''کیا میرے نوالے گن رہے ہیں آپ''؟رانی نے آہستہ سے دریافت کیا۔

شروع سے دونوں چپکے چپکے باتیں کرتے تھے تاکہ دوسرا ان کے لطف میں مخل نہ ہو۔

''آپ لقمے اٹھا کب رہی ہیں۔ صرف کھانے کو سونگھ رہی ہیں''۔حسین علی نے

ONE URDU FORUM . COM
® SCANNED PDF By HAMEEDI

کہا۔

''گوشت آپ نے چھوا بھی نہیں۔ پرہیز ہے کچھ''؟رانی نے اس کے آگے کباب رکھتے ہوئے کہا

''آپ کے دست ناز سے میں زہر بھی کھا سکتا ہوں مگر اس گوشت کو چھونے میں مجھے تکلیف ہے''۔حسین علی نے کہا۔

''کیوں آخر''؟

''کیونکہ ہم غیر مسلم کے ہاتھ کا ذبیحہ نہیں کھاتے''۔حسین علی نے جواب دیا۔

رانی مسکرائی۔

''میں جان گئی تھی کہ آپ مسلمان ہیں چنانچہ میں نے آپ کے لئے اس کا انتظام کر دیا تھا۔ اچھا دیکھئے میں اس مسلمان سپاہی کو طلب کرتی ہوں جس نے آپ کے لئے ذبیحہ کیا تھا''۔رانی نے کہا۔

''اب اس کی ضرورت نہیں رہی، میں گمان بھی نہیں کر سکتا کہ ایسے پیارے ہونٹ سے کوئی جھوٹ بات نکل سکتی ہے''۔حسین نے مسکرا کر کہا،اور گوشت کی طرف ہاتھ بڑھایا۔

''شراب سے ذوق ہے''؟رانی نے مسکرا کر دریافت کیا۔

''صرف اتنا کہ کسی کی چشم مست سے پی لیتا ہوں''۔حسین نے مسکرا کر جواب دیا۔

''بوتل سے نہیں پیتے''؟رانی نے نیچی نظروں سے پوچھا۔

''نہیں کیونکہ بوتل کی شراب غیر حقیقی ومصنوعی ہوتی ہے آپ کو دلچسپی ہے کیا بادہ سے''؟حسین نے پوچھا۔

''نہیں میں بھی نہیں پیتی، مطلق عادی نہیں ہوں مگر کبھی کبھار میری سہیلیاں قسمیں دلا دلا کر تھوڑی سی پلا دیتی ہیں''۔رانی نے کہا۔اس دعوت میں تمام لڑکیاں لطف لے رہی تھیں مگر راجکماری جلی بھنی جا رہی تھی۔رشک وحسد کی وجہ سے اس سے کھایا بھی نہیں گیا۔غرض چند منٹ بعد یہ سلسلہ ختم ہوا۔چاندی کے ظروف میں مہمان کے ہاتھ دھلائے گئے۔ پھر سب واپس اسی دالان میں آ گئے۔اب یہاں سب طرف تر وتازہ اور خوشبودار پھول بکھیر دیئے گئے تھے۔ اور عود دان میں خوشبودار بخورات جلائی جا رہی تھیں۔

ONE URDU FORUM . COM
® SCANNED PDF By HAMEEDI

''مہارانی ناچ گانا ضرور ہوگا اب''۔ رانی کی سہیلیوں نے اس کے قریب آ کر فرمائش کی۔

''رقص وسرور سے دلچسپی ہے آپ کو''؟ رانی نے اپنے محبوب مہمان سے دریافت کیا۔

''یہ میری زندگی نہیں لیکن آپ کی زندگی سے گریز بھی نہیں کرنا چاہتا''۔ حسین نے مسکرا کر کہا۔

''لیکن آپ تو خود نغمہ پیدا کرنے پر قادر ہیں''۔ رانی نے کہا۔

''یہ صرف آپ کا حصہ ہے''۔ حسین نے مسکرا کر کہا۔ آخر رانی نے کنیزوں کو حکم دیا کہ گانے والیاں اور رقاصہ حاضر کی جائیں۔ چنانچہ چند ہی منٹ میں حسین ناچنے والیوں کے پرے کے پرے آنے شروع ہوئے۔ برہنہ برہنہ گداز جسم۔ لوچدار آوازیں سامعہ پرد رنغمہ تھوڑی ہی دیر میں یہ مجلس راجہ اندر کا اکھاڑہ بن گئی۔

بزم کے سرشار اور کاہل کر دینے والے مناظر حسین علی کی زندگی سے یکسر خارج تھے۔ سوائے اپنے ذوق حسن پسندی کے اس کو راگ رنگ سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ اگر رانی کی مقناطیسیت اس پر غالب نہ آتی تو شاید وہ تھوڑی دیر بعد معذرت کر کے چلا جاتا۔ مگر اس وقت رانی کے قرب کی بادہ نے اس کو اتنا کیف میں ڈبو دیا تھا کہ اس سے اٹھا تک نہیں گیا۔ بہر حال اس رقص وسرور میں وہ دلچسپی لینے لگا۔

وقت گزرنے کا کسی کو ہوش نہ تھا۔ بلکہ جتنا وقت گزرتا جا رہا تھا اتنی ہی یہ محفل بدمست ہوتی جا رہی تھی۔ اسی کیف کے عالم میں نہ معلوم حسین علی خود یا رانی اب ایک ہی گاؤ تکیئے سے لگے بیٹھے تھے۔ ان کے شانے ملے ہوئے تھے اور دونوں از خود رفتہ ہو رہے تھے۔ گرمی محفل نے سب کا حجاب وتکلف برطرف کر دیا تھا۔ پھر لڑکیاں یوں اور بھی زیادہ کیف زدہ ہوگئی تھیں۔ کہ اس مجلس میں ایک خوشرو اور شکیل معزز سردار بیٹھا ہوا تھا۔

عین اس سرمستی کے عالم میں نازک اندام کنیزیں بادہ گلفام کے کنٹر اٹھا لائیں اور ناچتے ناچتے انہوں نے محفل کو جام بھر بھر کر دینے شروع کر دیئے۔ سب سے پہلے جام بلورین رانی کی طرف آیا اور اس نے اٹھا کر حسین علی کے منہ کے قریب کر دیا اس نے شائستگی سے معذرت پیش کی مگر ایک دیدہ دلیر سہیلی اس کے گھٹنے پر آ بیٹھی اور اصرار کرنے لگی۔ رانی نے بڑی مشکل سے اس کو ٹالا پھر خود بھی شراب نہیں چھوئی لیکن تمام محفل بدمست ہوگئی۔ کسی لڑکی کو اپنے دامن اور پلو کا ہوش نہیں رہا۔

''مجھے اشتیاق تھا کہ شراب کا نشہ آپ کی آنکھوں میں دیکھتی''۔ رانی نے مسکرا کر کہا۔

''پہلے اپنی آنکھوں کو تو دیکھیئے جو بغیر پیئے ہی اس قدر مخمور ہیں کہ تمام میکدے ان میں سمٹ کر آ گئے ہیں''۔ حسین علی نے مسکرا کر کہا

''میرا خیال تھا کہ آپ جھوٹ بولنے کے عادی نہ ہوں گے''۔ رانی نے کہا

''ذرا میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھئے۔ جھوٹ سچ کھل جائے گا''۔ حسین نے کہا۔

''آپ کا اصل نام کیا ہے۔ بنکی نواب تو آپ کی شعلہ فشانیوں نے آپ کو مشہور کر دیا ہے''۔ رانی نے کہا۔

''پہلے اپنا نام بتایئے''۔ حسین نے کہا۔

''بالیا''۔ رانی نے جواب دیا۔

''بڑا پیارا نام ہے۔ بالی عمر، اعلیٰ حسن''۔ حسین نے مسکرا کر کہا۔

''اچھا باتوں میں نہ ٹالئے کیا نام ہے آپ کا''؟

''میر حسین علی خان''۔ حسین نے جواب دیا۔

''بڑا لمبا نام ہے۔ اگر آپ کو صرف حسین کہوں''؟ رانی نے کہا۔

''کہہ سکتی ہو بالیا'' حسین علی نے مسکرا کر جواب دیا۔ اب بالیا کا شانہ حسین کے شانے پر تھا۔ اور دونوں کے چہرے قریب ہوگئے تھے۔ راجکماری نے شاید اپنی جلن میں شراب کم پی تھی۔ دونوں کے باہمی بے تکلفی اور قرب سے اب جل بھن کر کباب ہوگئی۔ آخر مزید آتش رقابت سے بچنے کو وہ اُٹھ کھڑی ہوئی اور چل دی۔

''کہاں چلیں راجکماری''؟ رانی نے اسے جاتا دیکھ کر دریافت کیا۔

''پتا جی کے پاس جا رہی ہوں۔ نیند آنے لگی ہے''۔ راجکماری نے سوکھا سا جواب دیا اور چلی گئی۔ اس کے اس طرح چلے جانے سے رانی کو تعجب ہوا۔

ناول کیلئے ون اردو کے شکر گزار ہیں

''حیرت ہے کہ راجکماری آج اتنی جلد اٹھ کر چلی گئی۔ ورنہ وہ تو ایسی مجالس میں رات رات بھر بیٹھی رہتی ہے۔ خود بھی اچھا ناچتی ہے لیکن آج تو بالکل گم سم بیٹھی رہی''۔ رانی نے حسین علی سے کہا۔

''اس کی بدمزگی کی وجہ میں جانتا ہوں''۔ حسین نے کہا۔

''کیا وجہ جانتے ہیں''؟

''یہ کہ وہ آپ کی اور میری یکجائی سے جلنے لگی ہے''۔ حسین نے جواب دیا۔

''لیکن کیوں''؟ رانی نے دریافت کیا۔

''اسے خیال ہوا کہ میں آپ پر مرمٹا ہوں حالانکہ ابھی میں نے آپ سے اظہار محبت نہیں کیا ہے''۔ حسین علی نے مسکرا کر کہا اور بالیا کا خوبصورت ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا وہ شرما گئی۔

''اسے یہ بدگمانی آخر کیوں ہوئی''؟ ذرا وقفے سے بالیا نے کہا۔

''یہ بدگمانی نہیں حقیقت ہے''۔ حسین نے اس کے ہاتھ کو تھپتھپاتے ہوئے کہا

رانی چپ ہوگئی۔

''بدقسمتی سے اس کو بھی مجھ سے دعوی عشق ہوگیا تھا''۔ حسین نے اسے چپ پا کر کہا

''اس میں کیا برائی تھی''۔ بالیا نے دھیمے سے کہا۔

''اگر آپ اجازت دیں تو میں اس سے محبت کرنے لگوں''۔

''میں اجازت دینے والی کون۔ جس سے جی چاہے آپ محبت کریں''۔ رانی نے نیچی نظروں سے کہا۔

''اچھا تو اس کی اجازت ہے نہ کہ جی چاہے جسے چاہنے لگوں''؟ حسین نے آہستہ سے اس کی ٹھوڑی اونچی کرتے ہوئے پوچھا۔ اس نے اس کا ہاتھ ہٹا دیا۔

''یہ جگہ اس قسم کی گفتگو کرنے کے لئے موزوں نہیں۔ ممکن ہے بعض لڑکیوں کو اب بھی ہوش ہو''۔ بالیا نے آہستہ سے کہا۔

''مجھے آپ سے زیادہ گفتگو کے مواقع کہاں ہیں بالیا۔ میں کل یہاں سے چلا جاؤں گا''۔

ONE URDU FORUM . COM
® SCANNED PDF By HAMEEDI

''ابھی آپ نہیں جاسکتے''۔ بالیا نے کہا۔

''کاش یہ ممکن ہوتا۔ میں اپنے فرائض کو کسی حالت میں نہیں بھول سکتا رانی''۔

''لیکن میں آپ کو اتنی جلد چلے جانے کی اجازت تو نہیں دوں گی حسین ہاں آپ مجھے خفا کر کے جاسکتے ہیں''۔

''آپ مجھ سے خفا نہیں ہوں گی کیونکہ خود بھی فرائض شناس ہیں''۔

''سب کچھ سہی پھر بھی میرے کہنے سے آپ کو چند روز تو قیام کرنا ہی پڑیگا حسین''۔

''آخر کتنے دن تک''؟

''کم از کم پندرہ روز''؟

''یقین جانیئے بالیا اتنے لمبے قیام سے مجھے بڑی ہی مسرت ہوتی مگر افسوس میں اپنے فرائض سے اتنی مدت تک دور نہیں رہ سکتا''۔

''اچھا ایک ہفتہ''۔ بالیا نے کہا۔

''نہیں رانی زیادہ سے زیادہ پرسوں تک''۔ حسین نے کہا۔ اس کے اس اصرار پر رانی ملول سی ہوگئی

''کیا خفا ہوگئیں؟ سچ مچ چلیئے باہر تازہ فرح ناک ہوا میں چل کر آپ کو سمجھاؤں کہ میں زیادہ دن تک یہاں قیام کرنے سے کیوں قاصر ہوں''۔ حسین نے آہستہ سے اس کا ہاتھ تھامتے ہوئے کہا۔ اس کے بعد دونوں باہر باغیچہ کی طرف اٹھ کر چل دیئے۔

ناول کیلیئے ون اردو کے شکر گزار ہیں

ONE URDU FORUM . COM
® SCANNED PDF By HAMEEDI

باب نمبر29

باہر ٹھنڈی ٹھنڈی فرحت انگیز ہوا چل رہی تھی۔ اگر چہ چاندنی رات نہیں تھی مگر آسمان پھر بھی روشن تھا شاید یہاں کے زمین و آسمان بھی اتنے ہی حسین تھے۔ جتنی اس آبادی کی عورتیں۔ ہر شے سے نفاست ونزاکت ٹپکتی تھی۔ یالیا رانی کے حسن کا اجالا تھا۔ جس نے تمام سماں منور کر دیا تھا۔ پھر رات کی راگنی ایسی دلکش تھی کہ دور دور تک اس کے نغمۂ پھیلے ہوئے معلوم ہوتے تھے۔ حسین علی نے باہر آ کر بیحد فرحت محسوس کی۔ ممکن ہے اس کی وجہ یہ ہو کہ ایک ہمہ تازگی و دلکشی اس کے ساتھ تھی۔

آج رانی کو بھی جہاں منور محسوس ہو رہا تھا۔ اس کی بالی عمر میں آج تک کوئی مرد نہیں آیا تھا خدائے بخشندہ نے اس کو جس قدر حسن و جمال کی دولت بخشی تھی اسی قدر عفت و پاکیزگی اسے ملی تھی کئی معزز رؤسا و امراء اس پر مرتے تھے اور اس کے دستِ ناز کے طالب تھے مگر حسین بالیا نے کبھی ان کو ایک نگاہِ غلط انداز سے بھی نہیں نوازا تھا۔ اس کی سہیلیاں اور چند معتمد کنیزیں اپنی اپنی طرز پر کافی عشق پرور واقع ہوئی تھیں مگر رانی ہی کی مجنونانہ باتوں کی ہمیشہ ہنسی اڑاتی رہتی تھی۔ ایک دو تعشق مآب سہیلیوں نے اس کو مشورہ دیا تھا کہ اس حسن و حکومت کا مصرف وہ قلوپطرہ بن کر کیوں نہیں کرتی۔ جوانی ایک ہی بار آتی ہے حسن چند ہی روزہ چیز ہے اگر یہ ڈھل جائے تو کوئی پوچھے گا بھی نہیں۔ مگر رانی قدرت کی امین کی طرح اپنی جسمانی دولت کی حفاظت کرتی تھی اور حکومت سے بندگان خدا کا مفاد وابستہ رکھتی تھی۔

ایک بار اسے اشتیاق ہوا تھا کہ مشہور عام متقی ٹیپو سلطان کو دیکھے مگر کوئی موقع نہیں ملا تھا۔ خود میسور جاتی تو اس میں سستے پن کا پہلو نکلتا تھا۔ اس لئے اپنی دور افتادہ اور حسین ریاست ہی کو گوشۂ عافیت سمجھتی تھی۔ لیکن جب کورگ کے علاقہ میں عام بغاوت پھیلی تھی تو اس کو اپنی ریاست کا دورہ کرنا پڑا تھا کہ مفسد عناصر کی گوشمالی کرے۔ شکر ہے اس کی ریاست میں بغاوت کا فتنہ نہیں پھوٹا تھا۔ ممکن ہے کہ اس کی وجہ رانی کا حسن انتظام و حسن جسمانی ہو

کیونکہ اس کی رعایا اپنی جمیل رانی کی پرستش کرتی تھی۔

اس قدر رکھ رکھاؤ۔ تمکنت اور غرور حسن کے باوجود اس حسینہ سے آخر چوک ہو گئی حسین علی کو اس نے پہلی ہی نظر میں وہ عزت بخشی تھی کہ آج تک کسی مرد کو نہیں بخشی تھی۔ حسین علی اس کا مستحق بھی تھا۔ اور یہ رانی کی خوش قسمتی تھی کہ جس شخص کو اس نے دل سے پسند کیا تھا وہ سلطنتِ خداداد کا معزز ترین فرد اور نہایت نامور جنرل تھا۔ جس کی حیثیت و عزت ایک باب میں رانی سے بھی بلند تھی۔ شکیل حسین علی نے اس کے دل کو پہلے خالص ایک قابل پسند مرد کی حیثیت سے پکڑا تھا۔ رانی اس کے اعزاز سے مطلق نابلد تھی۔ اسے فقط وہ ایک شریف مسلمان نوجوان نظر آیا تھا۔ جس میں دلوں کو فتح کرنے کی بڑی قوت تھی، اور اسی وقت سے وہ رانی کو عفیف محتاط اور مردوں سے گریزاں دوشیزہ ہستی پر چھا گیا تھا۔ جب رانی کو اتفاقیہ راجکماری کے والد کی زبانی اس کی اصلیت بھی آشکارا ہو گئی تو اس کی مسرت کی انتہا نہ رہی تھی۔ دل میں اس نے خود کو مبارکباد دی تھی کہ اس کا منتخب مرد کس قدر عین اس کی دلی تمنا کے مطابق نکلا۔

حسین علی کی مسلح شوری میں یہ پہلا موقع تھا کہ وہ اپنی روزانہ کی مشینی زندگی سے ملائمت و گداز پا رہا تھا۔ بے شک اسے مالابار کے زمیندار کی مہ جبیں لڑکی بہت پسند آئی تھی مگر وہ اس کے دل تک نہیں پہنچ سکی تھی۔ یہی وجہ تھی اس نے اس کو بہن بنا لیا تھا۔ اور یہ اچھا ہی ہوا تھا کیونکہ چند ماہ بعد ہی اس لڑکی پر اس کا چھوٹا بھائی حسن مرمٹا تھا۔ اور دونوں میں بے حد محبت قائم ہو گئی تھی اگر یہ حسن اتفاق ظہور پذیر نہ ہوتا تو دونوں بھائیوں میں رقابت ہو جاتی جس کا انجام نہ معلوم کیا ہوتا۔

حسین علی بھی رانی کو اولین نگاہ ہی میں اپنے دل کے قریب پانے لگا تھا۔ اسے صرف حسن ہی نظر نہیں آیا تھا بلکہ حسن کی حقیقی شان بھی اس نے دیکھی تھی اس شان کے آگے کون شقی سجدہ ریز نہ ہوتا۔ حسین کی تمام روح آنکھوں میں سمٹ آئی تھی۔ پھر وہ سنبھلنے کی انتہائی کوشش کے باوجود سنبھل نہ سکا۔ رانی کو دیکھ لینا اس کے پاس بیٹھنا اس سے باتیں کرنا حاصل عمر لطیف تھا اس کا وہ قاتلانہ تبسم، وہ محبوبانہ ادائیں، شرگیں انداز ہر شخص کو اپنا حلقہ بگوش بنا رہے تھے حسین علی کے لئے بھی کوئی مفر نہ رہا تھا۔ رخِ صبیح کو چومنے والے گیسو اسے اسیر کئے بغیر نہ رہے تھے۔

''کیا کہیں بیٹھیں گے نہیں۔ آپ تو چلے جا رہے ہیں''۔ حسین علی اور بالیا دور

تک ٹہلتے ٹہلتے نکل گئے تھے۔ آخر رانی نے اس کو آگاہ کیا۔

''مجھے بہت افسوس ہے کہ آپ کی نزاکت کا پاس کرنا بالکل ہی بھول گیا۔ مگر چونکہ میں اس مقام سے نامانوس ہوں اس لئے آپ ہی کہیں لے چلیے''۔ حسین نے مسکرا کر کہا۔

''آیئے حوض کے کنارے چل کر بیٹھیں۔ افسوس آج کل چاندنی رات نہیں ورنہ یہاں کا منظر شب ماہ میں بہت ہی دلکش نظر آتا ہے''۔ رانی نے کہا۔

''میں یہ تو یقین نہیں کرسکتا کہ آج کی رات کو چاند نہیں ملا ہے مجھے تو یہ بہت ہی روشن نظر آرہی ہے''۔ حسین نے کہا۔

''آپ کو قدرت نے چونکہ بڑی روشن آنکھیں عطا کی ہیں اس لئے ہر چیز روشن نظر آتی ہے''۔ بالیا نے کہا۔

''جی نہیں! چاند آسمان میں تیرنے والے فقط ایک نورانی گولے کا نام نہیں ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ منور پھرے خدا نے بعض انسانوں کو بخشے ہیں''۔ حسین نے کہا۔

''اچھا یہیں بیٹھ جائیں''۔ بالیا نے حوض کے کنارے پر جگہ لیتے ہوئے کہا۔

''آپ کے نازک جسم میں یہ بے رحم سنگ مرمر چبھے گا۔ لایئے میں اس پر اپنا پٹکا بچھادوں''۔ حسین نے کمر سے پٹکا کھول کر بچھایا۔ اس پر بالیا بیٹھ گئی۔ وہ خود کھڑا رہا۔

''حسین، میں آپ سے کچھ باتیں دریافت کروں تو بتائیں گے''؟ بالیا نے اس کے لئے جگہ بناتے ہوئے پوچھا۔

''ضرور بشرطیکہ مفاد وطن کے خلاف نہ ہوں''۔ حسین نے جواب دیا۔

''ہماری حکومت۔ میری مراد سلطنت میسور سے ہے۔ کب تک بیرونی لڑائیوں میں اپنی قوت ضائع کرتی رہے گی''؟ رانی نے کہا۔

''آپ کا خیال کسی قدر حقیقت سے عدم آگاہی پر مبنی ہے ہم از خود کسی سے نہیں لڑتے بلکہ ہمیں لڑائی کے لئے اکسایا جاتا ہے۔ اس وقت ہمارے تین سب سے بڑے دشمن ہیں۔ مرہٹے جو ہم سے الجھ کر اپنے ہی دیش کی جڑیں کھوکھلی کرتے رہتے ہیں۔ حریص اقتدار بدیشی انگریز جو ہمارے اندر پھوٹ ڈال کر اپنی حکومت کی اساس مضبوط کرتا جارہا ہے۔ اور غدار نظام جو صرف اپنے قدح کی خیر منانے کی خاطر اپنے ہم وطنوں اور ہم مذہبوں کے خلاف کبھی وحشی انگریزوں سے ساز باز کرتا ہے کبھی مرہٹوں سے۔ مگر یہ حالات انشاء اللہ ہمیشہ نہیں رہیں گے۔ ہمارا سلطان نہایت بیدار مغز و اعلیٰ درجہ کا منتظم

انسان ہے امن وامان ہوتے ہی وہ جلد ملک میں ترقی کی راہیں کھول دے گا''۔

''لیکن کیا ہمارے دشمن ہمیں کبھی چین لینے دیں گے۔ ان کی تو ہمیشہ یہی کوشش رہے گی کہ ہم ہمیشہ لڑائیوں میں مصروف رہیں تاکہ ضعیف ہوتے چلے جائیں''۔ رانی نے کہا۔

''یہ درست ہے۔ مگر شکر ہے ہمارے بازوؤں میں بہت قوت ہے ہمارے پاس دولت اور ساز وسامان کی کمی نہیں۔ بس ہمیں ڈر ہے تو غداران وطن سے۔ اگر ہمارے گھر ہی میں دشمن پیدا ہوگئے تو ہمیں شدید نقصان پہنچ جانے کا اندیشہ ہے''۔ حسین نے کہا۔

''وطن کے غداروں کو قبل از وقت ہی کیوں نہ پکڑ لیا جائے''۔ رانی نے کہا۔

''مشکل یہ ہے کہ کسی کی پیشانی پر لکھا ہوا نہیں ہوتا کہ وہ وطن کا دشمن ہے۔ پھر یہ لوگ حکومت کے عہدوں پر پوشیدہ طور پر قابض ہوجاتے ہیں۔ بہرنوع ٹیپو سلطان ان سے غافل نہیں ہیں''۔ حسین علی نے کہا۔

''دیش کی سیوا کا جہاں تک تعلق ہے میری جان تک ملک کے لئے وقف ہے۔ میں ہمیشہ مخالفین قوم سے لڑوں گی اور اپنے سلطان کی مدد کرتی رہوں گی''۔ رانی نے عزم سے کہا۔ اس کے ان کلمات سے حسین علی بیحد خوش ہوا پھر اس کے نازک ہاتھ کو اپنے ہاتھ میں لے کر بولا۔

''اگر بالیا ہمارے وطن کی لڑکیاں آپ جیسی ہوں تو ہمارے وطن کو کوئی گزند نہیں پہنچا سکتا''۔

''کورگ میں آپ کا کب تک قیام رہے گا''؟ رانی نے دریافت کیا۔

''یہ آئندہ کے حالات پر موقوف ہے۔ شکر ہے یہاں اب امن قائم ہوگیا ہے۔ اس لئے میں چاہتا ہوں کہ انگریزوں کی سرکوبی کو روانہ ہوں۔ صرف اپنے سلطان کے حکم کا منتظر ہوں''۔

''اگر آپ کسی دوسری مہم پر چلے گئے تو پھر یہاں کا رخ کیا کریں گے کبھی''۔ رانی نے کہا۔ حسین علی ذرا رکا۔ اس کے دل میں جذبات امنڈ آئے آخر سنبھل سنبھل کر بولا

''بالیا آپ نے مجھے.....

''آپ نہیں، تم کہیے''۔ بالیا نے اس کا قطع کلام کرکے مسکراتے ہوئے کہا۔

''میں یہ کہہ رہا تھا کہ مجھ نسیانی کی عادت نہیں۔ مگر باور کرو تمہیں دیکھ لینے کے بعد سے میں اپنی عجیب حالت پا رہا ہوں۔ چند گھنٹے قبل یعنی تمہاری زیارت سے پیشتر میرا

ONE URDU FORUM . COM
® SCANNED PDF By HAMEEDI

ناول کیلئے ون اردو کے شکر گزار ہیں

ارادہ تھا کہ آج ہی رات کو اپنی منزل کی طرف روانہ ہو جاؤں گا مگر تم نے اپنا جلوہ دکھا کر مجھے لوٹ لیا''۔

''میں کوئی چور ہوں یا ڈاکو ہوں''۔ بالیا نے محبوبیت سے مسکرا کر کہا۔

''اس سے بھی زیادہ تم آفت ہو قیامت ہو''۔ حسین نے کہا۔

''آپ تو کہتے ہیں کہ آپ کو لسانی نہیں آتی''۔ بالیا نے شوخی سے کہا۔

''یہاں بیٹھ جاؤں تمہارے پاس''؟ حسین نے کہا جب نہ اجازت ملی نہ اس کی درخواست مسترد کی گئی تو وہ اس کے قریب بیٹھ گیا۔ اور اس کی منتشر حسین لٹوں کو سمیٹا ہوا بولا۔

''تم فقط اس چھوٹی سی ریاست کی رانی نہیں ہو بلکہ میرے دل کی ملکہ ہو''۔

''کتنا بڑا ہے تمہارا دل''؟ بالیا نے اس کی کلغی درست کرتے ہوئے پوچھا۔

''بہت بڑا۔ بہت وسیع۔ جتنا ایک بہادر سپاہی کا ہونا چاہیئے''۔ حسین نے جواب دیا۔

''اچھا اب اندر چلیں''۔ بالیا نے کہا۔

''کیا تمہیں یہاں فرحت محسوس نہیں ہو رہی ہے۔ میں تو ایسا محسوس کر رہا ہوں کہ گویا جنت میں آ گیا ہوں اور تم اس کی حور ہو''۔ حسین نے کہا۔

''کیا ایسے اعمال ہیں تمہارے کہ جنت بھی ملجائے اور حور بھی''۔ بالیا نے مسکرا کر پوچھا۔

''ممکن ہے ہوں۔ اچھا تم بتاؤ کہ اس حور کو حاصل کرنے کے لئے مجھے کیا عمل کرنا چاہیئے''؟ حسین نے اس کی ملائم ملائم انگلیاں اپنی انگلیوں میں بھینچتے ہوئے کہا۔

''حور کوئی آسیب تو نہیں کہ اس کے لئے تم کوئی عمل کرو''۔ رانی نے ہنستے ہوئے کہا۔ حسین یہ محسوس کرنے لگا گویا کائنات ہنس رہی ہے۔

''آخر کوئی طریقہ تو ہوگا اس حور کو پانے کا''۔ حسین نے کہا۔

بالیا خاموش ہوگئی۔

''بالیا کیا تمہارا کہیں رشتہ ہونے والا ہے''؟ کسی خوش نصیب کا انتخاب کر چکی ہو۔ حسین نے اسے خاموش پا کر دریافت کیا۔

''رشتہ تو ابھی طے نہیں ہوا مگر انتخاب عمل میں آ چکا ہے''۔ بالیا نے جواب دیا۔

حسین علی کا چہرہ فق ہو گیا۔ اپنی آرزوئیں پامال دیکھ کر سخت ملول ہوا آخر ضبط کرتا ہوا بولا۔

''مبارک ہو۔ اچھا چلو اب اندر چلیں''۔ اس کے بعد اس کے پاس سے اٹھ

ONE URDU FORUM . COM
® SCANNED PDF By HAMEEDI

کھڑا ہوا مگر وہ اپنی جگہ پر بیٹھی رہی۔

''اب میرا جی یہاں سے اٹھنے کو نہیں چاہتا''۔

''اپنے پسندیدہ مرد کے تصور میں لطف آنے لگا ہوگا''؟ حسین نے کہا۔

''لطفِ تصور تو تنہائی میں لیا جاتا ہے کسی کی موجودگی میں استغراق ٹوٹ جاتا ہے''۔ رانی نے شوخی سے کہا۔

''اچھا تو میں تمہیں اپنے کیفِ تصور کا لطف لینے کو تنہائی دے کر جا رہا ہوں''۔ حسین نے کہا اور جانے لگا۔

''سنیئے تو''۔ بالیا نے کہا اور اس کے سامنے آ کھڑی ہوئی۔ اس لطیف پیکر کو اپنے سامنے پا کر حسین نے آنکھیں اٹھائیں اور اس کا سپاہیانہ سینہ محشر جذبات بن گیا۔

''آپ نے مجھ سے سوال نہیں کیا کہ میں نے کس کا انتخاب کیا ہے''۔ بالیا نے کہا

''یہ تمہارا نجی معاملہ ہے اس میں مجھے کرید کرنے کی کیا ضرورت تھی''۔ حسین نے جواب دیا۔

''اس کے یہ معنی کہ آپ کو کچھ نہیں کہنا ہے''۔ بالیا نے کہا۔

''اگر تم اجازت دیتی ہو تو کہتا ہوں کہ مجھے مغالطہ ہوا تھا کہ تم ابھی آزاد ہو کسی مرد نے تمہارے دل میں ابھی گھر نہیں کیا ہے۔ اس سے مجھے خوشی ہوئی تھی کیونکہ اپنی شومئی مقدر کی بنا پر تم مجھے بہت پسند آ گئی تھیں۔ اتنی پسند کہ تمہیں پیار کرنے لگا۔ یہ الفاظ مجھے کہنے نہیں چاہئیں مگر کہہ گیا۔ بہر حال اب میں اپنی قسمت پر شاکر ہوں''۔

''بڑے اچھے آدمی ہو تم کہ بہت جلد قسمت پر شاکر ہو جاتے ہو یہ ہر ایک کا کام نہیں''۔ بالیا نے مسکرا کر کہا۔

پھر بولی۔

''آپ کی تو شادی ہو گئی ہوگی''؟

''میں تو بچپن ہی سے شادی شدہ ہوں بلکہ شادی زدہ ہوں۔ شکر ہے مجھ پر کبھی غموں کا سایہ نہیں پڑا''۔ حسین نے جواب دیا

''خوب، یہ بتایئے کہ آپ اپنے اصولوں کے پکے ہیں یا وقت و محل کے ساتھ چلتے رہتے ہیں''؟ بالیا نے کہا

''میں نے اس معاملہ میں کبھی اپنا جائزہ نہیں لیا۔ ممکن ہے میرے اندر دونوں

ناول کیلئے ون اردو کے شکر گزار ہیں

باتیں نہ ہوں یا دونوں ہوں"۔ حسین نے جواب دیا۔

"آپ مجھ سے اپنی ہر بات پوشیدہ رکھنا چاہتے ہیں۔ آخر کچھ تو اگلیئے"۔ رانی نے مسکرا کر کہا۔

"نہیں میں منافق نہیں ہوں میرا ظاہر و باطن یکساں ہے"۔ حسین نے کہا۔

اتنے میں دور برآمدے میں مشعل کی روشنی نمودار ہوئی۔

"چلیئے آپ کی کنیزیں شاید آپ کو لینے آ رہی ہیں"۔ حسین نے روشنی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"نہیں آپ کے سونے کا انتظام کیا جا رہا ہے کیا آپ جلد سو جانے کے عادی ہیں۔ ابھی تو رات زیادہ نہیں گئی ہے"۔ رانی نے کہا۔

"صبح سفر کرنا ہے اس لئے اجازت دو تو جلد ہی سو جاؤں"۔

"آخر صبح ہی جانے کی ٹھان لی آپ نے۔ تھوڑی دیر پہلے وعدہ کیا تھا کہ دو چار دن قیام کریں گے"۔

"بات یہ ہے کہ میرے ذمہ بہت سے امور ہیں۔ ہفتہ عشرہ بعد سرنگا پٹم جانا ہے تا کہ اپنے آقا کا حکم معلوم کروں کہ اب مجھے کدھر جانا ہے"۔

"اچھا یہاں کا چکر تو لگائیں گے نہ"؟ بالیا نے اس کو آمادہ سفر پا کر افسردگی سے پوچھا۔

"وعدہ کرنے سے قاصر ہوں۔ اگر پھر کبھی کورگ کے علاقہ کی طرف آنا ہوا تو ممکن ہے خیریت مزاج دریافت کرنے یہاں بھی آ جاؤں"۔ حسین نے جواب دیا۔

"کرم ہوگا"۔ رانی نے اضمحلال سے کہا۔ اس کے بعد ایک دوسرے کا ہاتھ تھامے محل کی طرف روانہ ہوئے۔

ONE URDU FORUM . COM
® SCANNED PDF By HAMEEDI

باب نمبر30

بالیا کو امید تھی کہ کسی قدر حوصلہ پا کر حسین علی اس سے کھلے الفاظ میں محبت ظاہر کرے گا۔ مگر وہ تو فرضی منتخب شدہ مرد کا ذکر سننے کے بعد سے بالکل ہی بدل گیا تھا۔ بالیا کو کیا خبر تھی کہ وہ اس قدر حساس انسان ہے کہ ذرا سی چھیڑ کو حقیقی بات سمجھنے لگے گا۔ اس میں قصور دونوں کا تھا۔ بالیا کو سوچنا چاہیے تھا کہ حسین کا وقت و عمر عورتوں کے درمیان صرف نہیں ہوتے تھے۔ اس لئے وہ ان کی شوخیوں اور عشوؤں کا ماہر نہیں ہو سکتا تھا۔ حسین کی غلطی یہ تھی کہ اتنا کہہ دینے کے بعد اگر بالیا پر پہلے ہی سے کسی دوسرے مرد کا سایہ نہ ہوتا تو وہ اسے چاہنے لگتا خاموش ہو جانا لازم نہ تھا۔ اس موضوع کو ذرا اور پھیلاتا۔ رانی کے صحیح جذبات کو ٹٹولتا مگر اس نے کچھ نہیں کیا بلکہ اپنی صاف باطنی کے باعث اس کی شوخی و شرارت کو صداقت سمجھا۔

اپنے بستر استراحت پر آنے کے بعد حسین کو بہت دیر تک نیند نہیں آئی۔ کیونکہ عمر میں پہلی دفعہ نئی نئی پیدا شدہ امید و آرزو کا خون ہوا تھا۔ اپنی سپاہیانہ کج فہمی کی بنا پر ہی سہی مگر دل سپاہی کو بھی ملا ہے اور اس کے ٹوٹنے کی آواز بھی اسی قدر بلند ہوتی ہے جس قدر کسی عاشق کا دل ٹوٹنے کی۔ وہ بالیا کو دیکھتے ہی اس سے متاثر ہو گیا تھا۔ مگر جب اسی ساحرہ سے اس کو معلوم ہوا۔ (بسلسلہ شوخی) کہ وہ اس کی نہیں ہو سکتی تو اسے مایوسی کے ساتھ ساتھ ندامت بھی ہوئی تھی کہ مہمانی ہی مہمانی میں وہ اپنی حسین میزبان کی تیر نگاہ کی زد میں کیوں آ گیا۔

اسی طرح مہ جبیں بالیا بھی حسین علی کی سادہ لوحی پر متاسف تھی۔ خود ہی تو وہ اس کو مجلس سے اٹھا کر باہر لے گیا تھا اور بغیر کچھ کہے سنے خود ہی اسے واپس لے آیا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ دونوں کے دل ایک دوسرے کا راز پا چکے ہیں۔ اب اس راز کی صراحت باہر کی کھلی اور فرحناک فضا میں آزادی سے ہو سکے گی وہ اپنی محبت ظاہر کریگا اور پیار بھی مگر اس مرد

نے تو کوئی پر حلاوت اقدام تک نہیں کیا۔ یہ رات اس حسین دوشیزہ پر بھی بہت بھاری گزر رہی تھی۔ عمر میں پہلی بار تو اس کا دل ناتواں کسی کا متوالا ہوا تھا۔ اور پہلی ہی کوشش میں اسے اپنی نادانی کی ایسی سزا ملی کہ دل ٹکڑے ہو کر رہ گیا۔

آخر وہ عورت تھی ایک ریاست کی مالک تھی۔ خیر قطع نظر حکومت و امارت کے وہ ایک باحیا عورت بھی تھی۔ پھر کسی طرح پیش قدمی کر کے اپنے دل زار سے مجبور ہو کر حسین علی سے کہہ دیتی کہ احمق تو نے کورگ کے وسیع علاقہ کی تو بغاوت ختم کر دی مگر میرے دل کی بغاوت پر ذرا توجہ نہیں دی۔ میں نے آج سے پیشتر کسی مرد سے محبت نہیں کی۔ صرف پہلی بار تجھے چاہا اس سے تو بہتر ہوتا کہ کسی پتھر کو چاہتی۔

رات کو دیر میں سونے سے حسین علی صبح جلد بیدار نہ ہو سکا مگر راجکماری اور اس کا والد صبح سویرے ہی اٹھ کر اپنی منزل کی طرف راہی ہو گئے تھے۔ طلوع آفتاب کے بعد آخر حسین بھی اٹھ بیٹھا۔ جلد جلد ضروریات سے فارغ ہوا۔ ناشتہ کیا پھر اپنے مایوس کرنے والے محبوب سے سلام دعا کئے بغیر ہی سوار ہو کر چل دیا۔ مگر جا اس طرح رہا تھا جیسے کوئی اپنی گراں مایہ چیز یہاں بھول چلا ہے۔ یا قصداً چھوڑ کر جا رہا ہے۔ جب تک اسے محل نظر آتا رہا وقتاً فوقتاً مڑ مڑ کر پیچھے دیکھ لیتا تھا شاید رانی کا حسین چہرہ نظر آ جائے جس سے رات بھر کی کلفت دور ہو جائے مگر وہ جلا دنظر نہ آئی۔ شاید اس کی سرد مہرانہ روانگی سے وہ خفا ہو گئی تھی اسی لئے اس نے کہیں سے اپنے درشن نہیں دیئے تھے۔

آخر مسافت و فصل نے وصل محبوب کی حسرتوں کو مٹانا شروع کیا اور آگے جا کر اس پر اپنے آئندہ کے نظام عمل کی حرارت طاری ہونے لگی۔ کئی گھنٹے میں میلوں دور نکل گیا۔ دوپہر کو برائے چند کہیں رک گیا دم لیا پھر روانہ ہوا۔ اس سرزمین میں اب وہ دلکشی نہیں رہی تھی۔ جس کو پیچھے چھوڑ آیا تھا۔ دشت اور جنگل اب بھی ہرے بھرے اور شاداب تھے۔ مگر ریاست کنانور کے سوار کا حسن ان میں مفقود تھا۔ آخر شام تک اپنے کیمپ میں آ پہنچا۔ اس نواح و علاقہ میں چونکہ اب امن قائم ہو چکا تھا اس لئے حسین نے یہاں اپنے مزید قیام کی ضرورت نہیں سمجھی۔ دو جگہ چھاؤنیاں قائم کر کے وہاں ہوشیار افسر چھوڑ دیئے پھر تھوڑے سے آدمی اپنے ہمراہ لے کر سرنگا پٹم کی طرف روانہ ہوا لیکن جب تک وہ دارالسلطنت میں نہیں جا پہنچا اس کی آنکھوں کے آگے ہر دم بالیا کا پیارا چہرہ گردش کرتا رہا۔ یہ ایک انمٹ نقش بن کر رہ گیا تھا۔

ONE URDU FORUM . COM
® SCANNED PDF By HAMEEDI

ادھر ٹیپو سلطان اندرونی و بیرونی ابتریوں کو فرو کرنے کے بعد ملک کی تنظیم اور افواج کی تربیت میں مصروف ہو گیا تھا۔ اس کی زندگی میں شاید یہ پہلی بار چند روز کے لئے سکون آیا تھا ورنہ اسے دشمنوں نے کبھی ایک لمحہ کا چین نہیں لینے دیا۔ غرض اس تھوڑی سی مہلت سے اس نے فائدہ اٹھا کر اپنے برادر نسبتی برہان الدین کی شادی کرنی چاہی اپنی ماں سے استصواب کیا تو انہوں نے دریافت کیا کہ کون سی لڑکی کے متعلق خیال ہے میرا''۔ سلطان نے اپنی ماں سے کہا۔

''بیٹے میں نے نائطہ خاندان میں تمہاری شادی کی مخالفت تمہارے والد مرحوم سے بھی کی تھی۔ اب تم انہی لوگوں میں اپنے برادر نسبتی کو پھنسا رہے ہو حالانکہ نائطہ انتہا درجہ کے مغرور اور ہمارے بدخواہ واقع ہوئے ہیں''۔ والدہ نے کہا

''لیکن اماں جان اب آپ کی دعا سے مین اس ملک کا سلطان ہوں اہل نوائط کو میں سر نہیں اٹھانے دوں گا''۔ سلطان نے اپنی والدہ سے کہا

''خیر تمہاری مرضی جو کام کرو سوچ سمجھ کر کرنا''۔ ماں نے دیکھا کہ ٹیپو نائطہ خاندان میں اپنے برادر نسبتی کی شادی کرنے کا تہیہ کر چکا ہے تو وہ چپ ہو گئی۔ غرض سلطان نے نواب بدرالزماں کو حیدر نگر سے طلب کیا جب وہ آ گیا تو سلطان بڑے تپاک سے پیش آیا۔ اس کو بہت سے تحفے نذر کئے اور اس سے کہا کہ برہان الدین جیسے صالح انسان کو اپنی دامادی میں قبول کر لے۔ بدرالزماں اپنے زعم نجابت میں اس رشتہ کے لئے تیار نہ تھا مگر اتنے بڑے بادشاہ کی درخواست مسترد کر دینے کا حوصلہ نہیں ہو رہا تھا۔ آخر بولا۔

''جناب والا کے ارشاد کو رد نہیں کر سکتا لیکن مجھے مہلت دی جائے کہ اپنے خویش و اقارب سے مشورہ کر لوں''۔

''ضرور ہمیں امید ہے کہ اس رشتہ کو سب پسند کریں گے''۔ سلطان نے کہا۔

''لیکن بدرالزماں جانتا تھا کہ اس کے کنبے والے نوائط اس رشتہ کی مخالفت کریں گے۔ بہر حال اسوقت تو اس نے مفر اسی میں سمجھا کہ طالبِ مہلت ہو۔

مکان پر آ کر بدرالزماں نے اپنے قبیلہ والوں کو جمع کیا۔ اہل نوائط کو جب معلوم ہوا کہ ان کے اعلیٰ نسب کی لڑکی غیر کفو میں مانگی جا رہی ہے تو انہوں نے وہ طوفان اٹھایا کہ خدا کی پناہ۔

ناول کیلئے ون اردو کے شکر گزار ہیں

''اگر وہ سلطان ہے تو ہم بھی اصل نسل عرب ہیں اور ہماری اعلیٰ نسبی سے زمانہ واقف ہے۔ ہم ہرگز اپنی لڑکی کسی مجہول النسبیا غیر نائطہ کو نہیں دیں گے''۔ تمام نائطہ نے یک زبان ہو کر کہا۔

ادھر بدرالزماں نائطہ کی بیوی نے بھی اپنے میاں کے وہ لتے کیے کہ توبہ ہی بھلی۔

''لیکن میں نے سلطان سے کوئی اقرار نہیں کیا ہے صرف ٹالنے کے طور پر مہلت مانگ کر چلا آیا ہوں''۔ بدرالزماں نے کہا۔

''مہلت بھی کیوں مانگی۔ صاف انکار کر کے کیوں نہ آئے''۔ اس کی بیوی نے کہا۔

''ہاں ٹھیک تو ہے انکار کر دینا لازم تھا''۔ کنبے والوں نے بھی کہا۔ غرض اس پر ایسی چپقلش ہوئی کہ تمام گھر میں کہرام مچ گیا۔ بیچاری لڑکی نے بھی یہ تماشہ دیکھا تو وہ سہم گئی اس نے سوچا کہ یہ لڑائی دنگا تو میں میں صرف اسکی وجہ سے ہو رہی ہے اس کو اس قدر صدمہ ہوا کہ اس نے کنویں میں گر کر جان دے دی۔ یہ اتنی بڑی ٹریجڈی تھی کہ سلطان کو بھی بڑا رنج ہوا اور اس نے پھر نائطہ خاندان کی لڑکی لانے کا نام نہیں لیا۔

اس حادثہ کے بعد ہی سے تمام نائطہ در پردہ سلطان کے دشمن ہو گئے۔ ان احمقوں نے ایسے نیک مسلمان سلطان کے خلاف ملک و اسلام کے دشمنوں سے ساز باز کا سلسلہ جاری کر دیا۔ سلطان کے زوال میں نائطہ لوگوں کا ہمیشہ ہاتھ رہا

ابھی سلطان کو اس صدمہ سے نجات بھی نہیں ملی تھی کہ اسے اطلاع ملی کہ نظام حیدرآباد نے مرہٹوں کے ساتھ مل کر سخت سازش شروع کر دی ہے۔ نظام کو دکن میں سلطنت خداداد ہمیشہ کانٹے کی طرف کھٹکتی رہی اور اس بدنہاد مسلمان حکمران نے ہمیشہ نیک نہاد ٹیپو سلطان کو تکلیفیں پہنچائیں۔ اس کے خلاف قسم قسم کی سازشیں کیں اسے دو دیدوں نہیں بھاتا تھا کہ ٹیپو سلطان کی سلطنت دریائے کرشنا سے لے کر ٹراونکور تک پھیلی رہے۔

غرض نظام نے مرہٹوں سے سلطان کے خلاف معاہدہ کیا کہ سلطنت خداداد کے پرخچے اڑا دیں۔ چنانچہ انہوں نے قلعہ دھاڑواڑ پر حملہ کر دیا۔ یہ قلعہ حیدر بخشی کے قبضے میں تھا اس غدار نے دشمنوں سے بھاری رشوت لے کر قلعہ ان کے حوالے کر دیا اتنا ہی نہیں کیا بلکہ کنچن گڑھ، نرکنڈہ وغیرہ کے قلعے بھی دشمنوں کے سپرد کر دیئے۔

اس خبر بد کو سن کر سلطان ایک لشکر جرار لے کر ادھونی کی طرف بڑھا، ادھونی میں نظام کا داماد مہابت جنگ قلعہ دار تھا۔ اس نے جو سلطان ٹیپو کی آمد کا غلغلہ سنا تو اس کے چھکے چھوٹ گئے اور فوراً صلح کے لئے دوڑا آیا۔ سلطان کو خود اس چیز سے سخت تکلیف تھی کہ مسلمان کے ہاتھ سے مسلمان کا خون بہے۔ چنانچہ اس نے نظام کو مندرجہ ذیل تاریخی خط

ONE URDU FORUM . COM
® SCANNED PDF By HAMEEDI

لکھا۔

''میں مسلمانوں کی سلطنت کو تقویت دینا اور خدا کی راہ میں اپنی جان قربان کر دینا سعادت ابدی سمجھتا ہوں دریں صورت تمام مسلمانوں کو میرے ساتھ ہونا چاہیے نہ یہ کہ میرے خلاف اعداء اسلام کا ساتھ دیں۔ اور ان سے مل کر کسی اسلامی سلطنت کو تاخت و تاراج کرنے کی کوشش کریں۔ جس طرح آپ دربار پیشوائے پونہ سے مل کر میرے ملک کو پامال کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔ حالانکہ مرہٹہ وہ قوم ہے جس نے خود آپ کو شدید نقصان پہنچایا ہے۔ انہوں نے فصلیں کی فصلیں تباہ کی ہیں۔ مساجد کو منہدم کیا ہے اقتضائے وقت تو یہ تھا کہ آپ میری طاقت کو اپنی طاقت سمجھتے۔ اور جب آپ کی اور ہماری طاقتیں ایک ہو جاتیں تو مرہٹوں کی کیا مجال تھی کہ ہماری متحدہ قوت کے سامنے آتے۔

دوسری بات یہ ہے کہ آپ انگریزوں کی مکاری اور اسلام دشمنی سے بالکل غافل ہیں بلکہ ان کے ہاتھوں بکے ہوئے ہیں۔ انگریز اپنی شیطنیت کی بنا پر نہیں چاہتا کہ دو مسلمان حکمران متحد ہو جائیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ ہم کو اور آپ کو نہیں ملنے دیتے اور آپ ہیں کہ ان کے دم میں آئے جاتے ہیں۔ وہ کبھی آپ کو اور کبھی مرہٹوں کو میرے خلاف ابھارتے ہیں۔ حد تو یہ ہے کہ آپ انگریزوں کے بہکائے میں آ کر ایک مسلمان بھائی کا ساتھ چھوڑ کر مسلمانوں کے دشمن کا ساتھ دینے لگے ہیں۔

چنانچہ میری رائے میں ہمارا اور آپ کا رشتہ اتحاد اس صورت میں مستحکم ہو سکتا ہے کہ میرے خاندان کی لڑکیاں آپ کے بیٹوں اور بھتیجوں کے گھر جائیں اور آپ کے خاندان کی لڑکیاں میرے عزیز و اقربا کے ہاں آئیں اس طرح ہم نہ صرف اسلامی رشتہ میں ہمیشہ منسلک رہیں گے بلکہ ہمارے آپ کے درمیان قرابتداری بھی پیدا ہو جائے گی''۔

اس کے ساتھ ساتھ سلطان نے نظام کے پاس قیمتی تحائف بھی روانہ کئے۔ اس خط کا نظام کے دل پر اثر ہوا مگر پھر اس نادان کو شاطروں نے بہکایا کہ انگریزوں اور مرہٹوں کا ساتھ دینے میں ہمارا زیادہ فائدہ ہے۔ سب سے بڑا فائدہ تو یہی ہے کہ ریاست میسور ہمارے قبضہ میں آ جائے گی۔ چنانچہ احمق نظام نے پھر اپنی رائے بدل دی اور سلطان کے دشمنوں سے ساز باز میں مصروف ہو گیا۔ اسے اس کی کوئی پرواہ نہ تھی کہ ایک اپنے ہی ہم مذہب کی تخریب کے درپے ہے۔

بہر نوع سلطان کا ایلچی بے نیل مرام واپس آ گیا اور صلح دامن پسند سلطان کی سعی مصالحت رائیگاں چلی گئی۔

باب نمبر31

سلطان جب نظام سے بالکل ہی مایوس ہوگیا تو اس نے مجبوراً قلعہ ادھونی پر دھاوابول دیااور سخت جنگ کے بعداسے فتح کرلیا۔اسے معلوم ہوا کہ نظام کی بیٹی اور دوسری خواتین بھی قلعہ میں موجود ہیں تو اس شریف اور بہادر دشمن نے اپنی فوج کو قلعہ میں داخل ہونے سے روک دیا تا کہ بیگمات اطمینان سے قلعہ خالی کردیں اس نے اتنا ہی نہیں کیا بلکہ نظام کی بیٹی وغیرہ کو بڑی تکریم سے اپنی فوج کے زیر حفاظت رائچور تک پہنچادیا۔

یہ اس کی محاربانہ غلطی سہی مگر اس اسلام کے نام لیوا سلطان نے ثابت کردیا کہ امن ہو یا جنگ شرافت وانسانیت کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑنا چاہیے۔ادھونی کے قلعہ سے فوج ہٹاتے ہی قلعہ والوں نے پھر قلعہ پر قبضہ کرلیا جس کو دیگر فتح کرنے کے لئے سلطان کو پھر زور لگانا پڑا۔آخر بعد خونریزی بسیار قلعہ دوبارہ فتح کرلیا۔اس کے بعد سلطانی افواج نظام کے علاقہ سانڈور کی طرف بڑھیں لیکن سانڈور کے حاکم نے اطاعت قبول کرلی۔پھر کمپلی کا رخ کیااوراس کو بھی فتح کرلیا تاریخ میں آیا ہے کہ سانڈور کی عورتیں عیاش طبع ہوا کرتی تھیں۔ یہیں سے انگریز سپاہی اور افسر عورتوں کو عیاشی کے لئے لے جاتے تھے۔ سترھویں صدی کا انگریز اتنا ہی جاہل، غیر مہذب اور کندہ ناتراش ہوتا تھا جتنا افریقہ کا حبشی اس زمانہ میں انگریزوں کو تہذیب چھوٗ کر بھی نہیں گئی تھی۔وہ جاہل و بدکردار ہونے کے ساتھ ساتھ بدباطن اور بددیانت بھی تھے۔ان کی تہذیب فقط یہ تھی کہ ادھر ادھر سے عورتیں پکڑ کر لیجاتے اور رات دن بہیمیت میں مصروف رہتے۔پھر اس کثرت سے شراب پیتے کہ بالکل ہی غار کے انسان بن جاتے۔انسان کو قتل کرنا، لوٹ لینا، کارآمد اشیاء تباہ کردینا، فصلیں جلاڈالنا، لوٹ مار کرنا ان کا دن رات کا مشغلہ تھا۔

ان تمام جانوروں کی سی خصلتوں کے ساتھ ساتھ وہ نہایت گندے اور غلیظ رہتے تھے۔انہیں نام کو تہذیب نہ تھی۔ لیکن جب انہوں نے میسور سلطنت کی تہذیب دیکھی

ONE URDU FORUM . COM
® SCANNED PDF By HAMEEDI

اسلام کی تمدن وثقافت ان کی نظر سے گزری تو وہ حیران رہ گئے ان کی یہی کیفیت تھی جیسے کسی جاہل گنوار کو مہذب بستی میں لاکر چھوڑ دیا گیا ہو اور وہ حیران حیران ہوکر در و دیوار کو دیکھتا ہو۔

سانڈور کی عورتوں کے برعکس کمپلی کی صنف نازک رکھ رکھاؤ والی تھی سلطان نے جب کمپلی کو فتح کیا تو اس کے ساتھ جو فرانسیسی سپاہی تھے انہوں نے بھی انگریزوں کی تقلید میں کئی عورتوں کو پکڑ لیا تھا اور ان کی دیکھا دیکھی چند مسلمان سپاہیوں نے بھی یہ حرکت کی تھی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اپنی آبرو بچانے کے لئے کئی عورتیں دریا میں کود کر مرگئی تھیں۔ ان واقعات کی سلطان کو اطلاع ہوئی تو اس کو بڑا غصہ آیا اور اس نے اپنی فوج کے بدکردار افسروں اور سپاہیوں کو قرار واقعی سزائیں دیں اس سے دوسروں کو عبرت ہوئی اس کے بعد ان باتوں کا بار دیگر اعادہ نہیں ہوا۔

واقعات جلد جلد پلٹا کھا رہے تھے۔ چار سال تک سلطان ٹیپو مرہٹوں اور نظام سے جنگ آزما رہا اس دوران میں ایسٹ انڈیا کمپنی خاموشی سے تماشہ دیکھنے میں مصروف نہیں رہی انگریزوں نے اندازہ لگالیا تھا کہ متواتر جنگوں میں سلطنت میسور کمزور ہوگئی ہے۔ اس لئے اب موقع قریب آگیا تھا کہ اس کی کمزوری سے فائدہ اٹھایا جائے اور سلطان پر ٹوٹ پڑیں یہ زمانہ وہ تھا جب انگریزوں کے ہاتھ سے امریکہ کے مقبوضات نکل گئے تھے۔ اس لئے انہیں کالونی کی ضرورت تھی۔اس کے لئے جنوبی ہند میں انہیں وسیع میدان نظر آتا تھا۔

انگریزوں کو اب صرف کسی حیلہ کی تلاش تھی تا کہ سلطان سے چھیڑ کا سلسلہ شروع ہوجائے چنانچہ انہوں نے مدراس کے گورنر جنرل کے عہدے پر لارڈ کارنوالس کا تقرر کیا اور گورنر میڈوز کو بنایا۔میڈوز بڑا ہوشیار جنرل تھا اور پہلے کئی لڑائیوں میں سلطان کے ہاتھ شکست کھا چکا تھا۔ اسے اب ان شکستوں کو بدلہ لینا تھا۔ چپکے چپکے انگریز تیاریوں میں مصروف رہے۔اب صرف موقع کے منتظر تھے۔ ٹیپو سلطان اپنی فوج کو ابھی ترتیب دینے میں مصروف ہی تھا کہ مالابار کی طرف سے حسن نے قاصد روانہ کیا کہ نائروں نے پھر سر اٹھانا شروع کردیا ہے اور اس بار ان کی پشت پناہی راجہ کوچین اور ٹرانکور کررہے ہیں یہ اطلاع پاتے ہی سلطان نے کوچین اور ٹراونکور پر حملہ کی تیاری شروع کردی لیکن ایک تجربہ کار افسر نے عرض کیا کہ راستہ بہت خراب ہے اور راہ میں ایک بڑا دریا حائل ہے

''اس کا یہ مقصد ہوا کہ میں راہ کی ناہمواری اور دریا کے ڈر سے مالابار میں اپنی

پھنسی ہوئی فوج اور اپنے جانباز جنرل حسن کو ختم ہو جانے دوں''۔سلطان نے کہا۔

''میں نے یہ عرض کیا تھا کہ اعلیٰ حضرت کثیر فوج ساتھ لیں اور دوسرے راستے سے میں روانہ ہوں''۔افسر نے کہا۔

''مگر اس میں بہت وقت صرف ہوگا۔میں دشمنوں کو اتنی مہلت دینا نہیں چاہتا''۔ سلطان نے کہا۔

دوسرے ہی روز صرف دو ہزار سپاہی لے کر روانہ ہوا پھر چند روز میں کوچین جا پہنچا اور حملہ کر کے ریاست پر قابض ہو گیا۔

مکار دشمن نے کوچین پر قبضہ تو ہو جانے دیا مگر راتوں رات انہوں نے دریا کے بند توڑ دیئے جس سے سلطانی لشکر چوطرفہ پانی میں گھر گیا۔ یہ ایسا نازک وقت تھا کہ نہ تو کمک آسکتی تھی نہ سلطان کی فوج آبی گھیرے سے نکل سکتی تھی۔ اس کے بعد دشمن نے اس شدت سے حملہ کیا کہ سلطان کا تمام لشکر وہیں کام آ گیا۔ خود سلطان بال بال بچا۔اس نے بڑی مشکل سے دریا پار کیا اور اپنی فوج سے بہزار دشواری آملا پھر جو دوبارہ لشکر لے کر بڑھا تو دشمن سے ایسا انتقام لیا کہ اس کا خاتمہ کر ڈالا۔کوچین میں بے شمار دولت اس کے ہاتھ لگی۔

کوچین اور ٹراونکور کے راجہ انگریزوں کے دوست بنے ہوئے تھے دوسری طرف میڈوز میسور کے راجہ کے معزول خاندان سے چپکے چپکے ساز باز کر رہا تھا اور میسور کی رانی اسے سرنگا پٹم کی تمام اطلاعات بھیجتی رہی تھی۔ چنانچہ چند روز بعد ہی جنرل میڈوز نے سلطان کے پاس ایک شکایتی خط روانہ کیا کہ ریاست ٹراونکور پر آپ کے حملہ کے یہ معنی ہیں کہ آپ نے ہم پر حملہ کیا ہے کیونکہ راجہ ٹرانکور ہمارا دوست ہے۔ اس اعتراضِ بے جا ہی سے سلطان نے سمجھ لیا کہ انگریز آمادۂ شر ہے اور جنگ کے خواہاں معلوم ہوتے ہیں۔

ان حالات کے پیش نظر سلطان نے مناسب سمجھا کہ آگے بڑھ کر انگریزوں کی فوج کو روک لینا چاہیے چنانچہ گوئمٹور کے قریب اس کا مقابلہ جنرل میڈوز سے ہو گیا۔ اس بار بھی سلطان نے جنرل میڈوز کو شکست دی جنگ کے بعد بہت سے قیدی ہاتھ لگے اور جب انگریزوں کے خیمے لوٹے گئے تو ان میں بہت سی عورتیں بھی ہاتھ لگیں۔

یورپین قوم سے کسی حالت میں بھی شراب اور عورت نہیں چھوٹتی۔انگریز بھی اپنی دل بستگی کے لئے بہت سی عورتیں اپنے ساتھ رکھتے تھے جس طرح دوسری جنگ عظیم میں انگریز سپاہ اور افسروں کا دل بہلانے کے لیے دیکائی عورتوں کا انتظام کیا تھا۔اسی طرح آج

ONE URDU FORUM . COM
® SCANNED PDF By HAMEEDI

سے دو صدی پیشتر بھی وہ اپنے ساتھ فاحشہ عورتیں رکھتے تھے۔ آج کے انگریز میں اور آج سے دو صد سال پہلے کے انگریز میں کوئی فرق نہیں۔ میڈوز کی شکست خوردہ فوج کے ساتھ جب یہ عورتیں بھی سلطان کے سامنے پیش ہوئیں تو اس نے ان کو دیکھ کر فرطِ غیرت سے منہ پھیر لیا۔

''یہ کون عورتیں ہیں''؟ آخر سلطان نے ایک افسر سے دریافت کیا۔

''حضور یہ بدکار دشمن کی بدکار عورتیں ہیں''۔افسر نے جواب دیا۔

''کیا ان کی بیویاں ہیں یہ؟ یہ تو مجھے سب ہندوستانی عورتیں معلوم ہوتی ہیں''۔ سلطان نے کہا۔

''جی ہاں! یہ انگریزوں کا دل بہلانے والی عورتیں ہیں''۔افسر نے جوابدیا۔

''لیجاؤ ان کو میرے سامنے سے۔ مجھے اپنے وطن کی ایسی عورتوں سے سخت نفرت ہے یہ بے حیا میرے سامنے زندہ کیوں آئیں''۔سلطان نے کہا۔

اس کے بعد ایک روایت کے مطابق ان کو دیس نکالا دے دیا گیا دوسری کے مطابق سنگسار کر دیا گیا۔کیونکہ ان میں چند مسلمان عورتیں بھی تھیں۔

اس کے بعد سلطان کی کئی چھوٹی بڑی لڑائیاں انگریزوں کے ساتھ ہوئیں جن میں اس کو فتح کامل ہوئی۔ ان پے در پے شکستوں سے انگریز جھلا اٹھے اور سلطان کا خاتمہ کرنے کی بڑے پیمانے پر تیاریاں کرنے لگے۔ اس دوران میں سلطان پانڈیچری تک جا پہنچا۔جو فرانسیسیوں کے قبضے میں تھا۔ اس نے فرنچ گورنر پانڈی چری سے درخواست کی اسے چند ہزار فرانس کے سپاہی دے دیئے جائیں تا کہ ان کی مدد سے انگریزوں کو نکال باہر کرے۔ سلطان کی یہ درخواست شاہ لوئی کے پاس روانہ کر دی گئی مگر وہ انقلاب فرانس کے آثار سر پر پار رہا تھا اس لئے اس وقت کچھ نہ کر سکا۔

ٹیپو سلطان کے وسطی دور حکومت میں یورپ اور ہندوستان کے مختصر حالات پیش کئے جاتے ہیں تا کہ اندازہ ہو سکے کہ انگریز ہندوستان میں اپنے قدم مضبوطی سے جمانے کے لئے اس قدر کوشاں کیوں تھا ان حالات سے یہ بھی اندازہ ہوگا کہ انگریز نے شرافت و آدمیت کو بالائے طاق رکھ کر ہندوستانی قوم کے ساتھ بہیمانہ سلوک کیوں روا رکھا تھا۔

وارن ہسٹنگیز کو گورنر جنرل بنا کر بھیجا گیا تھا۔تو اس کو اختیارات کلی دے دیئے گئے تھے۔ ہندوستان میں جمی جمائی اور امن پسند حکومتوں کی پرواہ نہ کر کے غاصبانہ

کارروائیوں سے کام لے اور قوم کے اندر ایسی زبردست پھوٹ پیدا کردے کہ وہ کمزور ہوتی چلی جائے تاکہ انگریزوں کو اپنا قبضہ جمانے میں میدان ہموار ملے۔ اسی غاصبانہ کارستانیوں کا نتیجہ تھا کہ انگریز بنگال سے لے کر کرناٹک تک چھا چکے تھے۔ اس میں غداران وطن نے بھی ان کی بڑی مدد کی تھی۔ غداران وطن کے زمانے مختلف سہی مگر فی الحقیقت یہی لوگ تھے جنہوں نے ان کو ہندوستان کی گدی پر لا بٹھایا تھا۔ بنگال میں میر جعفر اور دکن میں میر صادق پورنیا میں میر غلام علی لنگڑا اور بدرالزمان موجود تھے۔ جو بظاہر سلطنت خداداد کے رکن اور ٹیپو سلطان کے دست راست بنے ہوئے تھے۔ مگر ان دشمنان وطن نے اپنی ناپاک روحوں کو انگریزوں کے ہاتھ فروخت کر رکھا تھا۔ پھر مخالف وحریف سلاطین ہندو رؤسا حکمران اور راجہ کا آپس میں بیر، رقابت، دشمنی اور اپنے اقتدار کی ہوس نے ان کو ایک دوسرے سے ہمیشہ ٹکرائے رکھا۔

ان حالات کے پیش نظر انگریز ہندوستان کو ہر قیمت پر ہضم کرنے پر تلا ہوا تھا ریاستہائے امریکہ کے مقبوضات اس کے قبضے سے نکل چکے تھے ان کے نعم البدل پیدا کرنے کی اشد ضرورت تھی۔ چنانچہ اس نے اس مشن کے لئے کارنوالس کا انتخاب کیا۔ اسی شخص کی وجہ سے انگریزوں کے ہاتھوں سے امریکہ کے مقبوضات نکلے تھے۔ وہ ہندوستان کے پانی سے اس داغ بدنامی کو دھونا چاہتا تھا۔

اس شیطان صفت لارڈ کارنوالس کو ہندوستان میں آکر صرف ٹیپو سلطان ہی چٹان کی طرح مضبوط اور دل سے فدائے وطن نظر آیا کیونکہ مرہٹے وطن سے غداری کا ثبوت دے چکے تھے۔ نظام پہلے ہی سے انگریزوں کا زرخرید غلام بن چکا تھا۔ اور نواب کرناٹک انگریزوں کو خوش کرنے کے لئے ٹیپو تک چڑھائی کرنے کو آمادہ ہوسکتا تھا۔ اس لئے انگریزوں کو محبّ وطن اور ناقابل خود فروخت سلطان ٹیپو سے للہی ہوگئی۔

لیکن سلطان کی سطوت و ہیبت نہ صرف ہندوستان بلکہ انگلستان تک چھائی ہوئی تھی۔ انگریز مائیں اس کے نام سے اپنے شریر بچوں کو ڈرایا کرتی تھیں۔ بہرنوع کارنوالس نے آتے ہی مرہٹوں اور نظام کو اپنی طرف بلا لیا تاکہ سلطان ٹیپو اکیلا رہ جائے۔ پھر اس سے نمٹ لینا دشوار نہ تھا۔ آج کل بھی یہی ہو رہا ہے۔ ہر ملک اپنے زیادہ سے زیادہ حلیف پیدا کرنے کی کوشش کرتا ہے تاکہ دوسرا تنہا رہ جائے پھر اسے آسانی سے دبوچ لیا جائے۔

ONE URDU FORUM . COM
® SCANNED PDF By HAMEEDI

باب نمبر32

سلطان نہایت شریف اور صاف باطن مسلمان تھا۔ اسے چالبازیوں سے نفرت تھی۔ مگر سیاست میں یہ ناگزیر سمجھا جاتا ہے۔ بہرنوع سلطان اچھی طرح انگریزوں کی نیت سے واقف تھا۔ اس لئے اس نے ان کے شر کو دبائے رکھنے کی خاطر لارڈ کارنوالس کے آنے سے قبل ہی مدراس گورنمنٹ سے صلح کر لی تھی۔ جس میں طرفین سے عہد کیا تھا کہ آپس میں ایک دوسرے سے جنگ نہیں کریں گے لیکن انگریز اس عہد نامہ کے چند ماہ بعد ہی آمادہ جنگ ہونے لگے تھے۔ اور عہد نامہ کی دھجیاں اڑا دینے کی فکر میں تھے۔

لارڈ کارنوالس نے آکر تو سلطان کے خلاف جنگ کی پوری پوری تیاری شروع کردی تھی چنانچہ اس کی شکایت کرنل ولسن اپنی تاریخ میسور میں بدیں الفاظ کرتا ہے

''لارڈ کارنوالس جیسے شخص سے امید نہیں کی جاتی تھی کہ اس طرح بدعہدی کرے گا۔ اس نے خلافِ معاہدہ سلطان کے خلاف مدراس گورنمنٹ کو فوجوں کی تیاری کا حکم دیا۔ اس زمانے میں مدراس کا گورنر مسٹر ہالینڈ تھا اس نے اس حکم کے خلاف احتجاج کیا کہ ہم ٹیپو سلطان سے صلح کر چکے ہیں اس پر ہالینڈ کو برطرف کر دیا گیا''۔

''اس طرح کارنوالس نے اپنا مقصدِ خبیثہ حاصل کرنے کے لئے چند صاحب ضمیر انگریزوں کو بھی اپنی راہ سے ہٹا دیا تھا۔ مسٹر ہالینڈ کو برطرف کرنے کے بعد اس نے مدراس کا گورنر میڈوز کو بنایا جو سلطان کے ہاتھوں کئی شکستیں اٹھا چکا تھا اور اس سے سخت عناد رکھتا تھا کارنوالس کی بدعہدی و بددیانتی کا ثبوت اس خط سے بھی ملتا ہے جو اس نے مدراس گورنمنٹ کو لکھا تھا۔ اس خط کا اقتباس جیمس ملی ان الفاظ میں پیش کرتا ہے کارنوالس کا وہ خط یہ ہے:۔

''اس ملک میں ہمیں اپنا اقتدار و عظمت قائم رکھنے کے لئے ضروری ہے کہ ہم ٹیپو سلطان سے نبرد آزما ہوں نہ صرف یہ کہ بلکہ موقع ہاتھ لگ جائے تو اس کا اور اس کی طاقت کا

خاتمہ کردینا چاہیے۔موجودہ وقت سے بہتر موقع ہاتھ نہیں آئے گا۔ کیونکہ ہندوستان کی دوسری طاقتیں اس وقت ہمارا ساتھ دینے کو آمادہ ہیں۔اگر ٹیپوسلطان کو آزاد چھوڑ دیا گیا تو وہ فرانس سے مدد لے کر ہمیں نکال باہر کرے گا''۔

ان فاسد ارادوں کے بعد لارڈ کارنوالس گورنر جنرل نے سلطان کے خلاف سازشوں کا جال پھیلا دیا۔ اسی خبیث نے ہندوستان میں سنی شیعہ فتنے کو ہوا دی اور اس شدت سے دی کہ مسلمان کو مسلمان کی جان کا لاگو بنا دیا۔یہ اسی کا بویا ہوا بیج تھا کہ دوسو سال پہلے سے لیکر ۱۹۴۷ء تک جبکہ ہندوستان میں انگریزوں کا راج تھا۔انگریز لکھنؤ اور دوسرے مقامات پر شیعوں کو اور سنیوں کو لڑاتے رہے اور جن کی تقلید کو ہندوستان کی کانگریسی گورنمنٹ نے بھی مباح رکھا۔

سلطان ان سازشوں سے بے خبر نہ تھا۔مگر وہ چاہتا تھا کہ میثاق کی بدعہدی کا مرتکب پہلے وہ نہ ہو۔ اس نے مدراس گورنمنٹ سے اپنے خلاف ان تمام ریشہ دوانیوں کی شکایت کی مگر اس کا کوئی جواب نہیں دیا۔میر حسین علی کورگ کی تسخیر کے بعد کئی مہمات سے لوٹ کر جب سلطان کی خدمت میں حاضر ہوا تو اس نے اپنے بہت سے چشم دید حالات بیان کیئے کہ انگیز کس طرح مرہٹوں سے ہمارے خلاف ساز باز کررہے ہیں اور غدار نظام کس قدر ان کے ہاتھوں میں کٹھ پتلی بنا ہوا ہے۔

''خیر یہ سلسلہ تو ہمارے خلاف عرصہ سے جاری تھا مگر لارڈ کارنوالس نے تو عام مسلمانوں میں ہی پھوٹ ڈالنی شروع کردی ہے''۔حسین نے کہا۔

''سن میں بھی رہا ہوں مجھے معلوم نہ تھا کہ انگریز اتنے اوچھے ہتھیار بھی استعمال کرسکتا ہے''۔ٹیپوسلطان نے کہا۔

''آپ اوچھے ہتھیاروں کا کہتے ہیں بھائی صاحب انگریزوں نے تو نہایت ہی سفلہ پن کا ثبوت دینا شروع کردیا ہے انہوں نے عام مسلمانوں کے اندر اختلاف پیدا کرنے کی ایسی خطرناک چال چلی ہے کہ اگر وہ کامیاب ہوگئی تو ہمارے ملک کے مسلمان نہ صرف آپس میں کٹ مریں گے بلکہ وہ سب سے باغی ہوجائیں گے''۔حسین نے کہا۔

''تفصیل بیان کرو کیا چال ہے وہ''۔سلطان نے کہا

''ہماری ریاستِ محروسہ میں تعزیئے بنانا ان کے آگے ڈھول تاشے بجانا اور سوانگ بھر کر ناچنا کودنا منع ہے لیکن لارڈ کارنوالس نے صرف ہمارے خلاف شیعہ بھائیوں کو ابھارنے کے لئے ان کو تعزیئے بنانے کو روپیہ دیا۔پھر تمام تعزیئے اپنے سامنے نکالے۔ لوگ قسم قسم کے جانوروں کے سے سوانگ بھر کر اس کے آگے آگے ناچتے چلے جارہے تھے۔ جن کو کارنوالس بخشش دیتا تھا پھر ہر تعزیئے کے سامنے اس طرح مکارانہ آکھڑا ہوتا تھا جیسے تعظیم دے رہا ہو۔یہ صرف لوگوں کو بے وقوف بنانے کے لئے اس کی شیعیت تھی۔تعزیوں پر نذر نیاز چڑھاتا حالانکہ ان بے دینو کا نذر نیاز سے دور کا واسطہ بھی نہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ کسی مسلمان سے اس نے یہ سب ترکیبیں سیکھ لی ہیں''۔حسین نے کہا۔ سلطان سنتا رہا۔

''اس مکاری وخباثت کا یہ اثر ہوا کہ ہمارے شیعہ بھائی کہنے لگے کہ انگریز کتنے نیک اور اچھے آدمی ہیں کہ تعزیوں سے اتنی عقیدت رکھتے ہیں ایک ٹیپوسلطان ہے کہ مسلمان ہوکر بھی تعزیئے نہیں بنواتا''۔حسین نے پھر کہا۔

انگریزوں کے اس دجل اور مسلمانوں میں باہمی انتشار پیدا کرنے کی سعی مسموم کا حال معلوم کرکے سلطان کھولنے لگا۔انگریزوں کی ان افتراق انگیز واسلام سوز کاروائیوں کا اسے بہت افسوس ہوا۔بہرحال اس نے شیعہ علماء کو بلا کر ان سے استدعا کی کہ انگریز کے پھیلائے ہوئے فتنے کے سدِ باب میں اس کی مدد کریں۔

انگریزوں نے اس شیطانی جال کے علاوہ سلطان کے امراء وغیرہ کو اپنی طرف بلانے کے لئے تھیلیوں کے منہ کھول دیئے۔چنانچہ چند ہی روز میں سلطان کے کئی امراء انگریزوں کے ہاتھوں فروخت ہوگئے۔ سید امام جو دارالسلطنت میں مقیم تھا۔ سلطان کی تمام فوجی کارروائیوں سے انگریزوں کو مطلع کرتا رہتا تھا۔ اس زمانہ میں محکمہ جاسوسی کوئی باقاعدہ نہیں ہوتا تھا۔ اور نہ ہوشیار جاسوس موجود تھے پھر بھی سلطان کو کسی طرح سید امام کی حرکتوں کا پتہ چل گیا۔ اور اس نے سید امام کو گرفتار کرلیا۔

''انگریزوں میں تم کو کیا خوبی نظر آئی کہ تم نے ہم سے تو غداری کی اور ان سے ساز باز''سلطان نے غصہ سے سید امام سے دریافت کیا۔ اس نے کوئی جواب نہ دیا۔کیا تمہیں اسلام عزیز نہیں وطن سے محبت نہیں''؟ سلطان نے پھر اس سے کہا اس کا بھی اس نے کوئی جواب نہ دیا۔

''اور کون غدار ہیں تمہارے ساتھ''؟ سلطان نے پھر غصے سے تیسرا سوال کیا مگر اس غدار نے تو چپ رہنے کی قسم کھائی تھی خاموش کھڑا رہا۔

''اچھا اس غدار کے سامنے اس کے دوسرے ساتھیوں کو بھی لایا جائے''۔سلطان

ONE URDU FORUM . COM
® SCANNED PDF By HAMEEDI

نے سپاہیوں سے کہا۔ چنانچہ وہ لال خان بخشی، میر نذر علی اور اسماعیل کو پکڑ کر لائے۔

''کیا تم لوگ یہ سمجھتے تھے کہ میں اندھا ہوں اور اتنی بڑی سلطنت صرف اٹکل سے چلا رہا ہوں''۔ سلطان نے غداروں سے کہا انہوں نے مارے شرم کے سر جھکا لئے۔

بہرنوع سلطان نے ان سب کو سزائے موت دی لیکن یہ فتنہ یہیں ختم نہیں ہو گیا تھا۔

انگریز پانی کی طرح روپے بہا رہا تھا۔ اس بار اس نے زیادہ اونچے طبقے سے جاسوس چنے اور ان کا جال پھیلا دیا۔

ادھر مالابار میں نائروں کی شورش تمام تر نہیں مٹی تھی اس لئے سلطان نے حسین علی کو طلب کیا اور پندرہ ہزار کا لشکر فراہم کر کے اس کی سرکردگی میں روانہ کرنے کی تیاری کرنے لگا۔

''مالابار میں تمہارا چھوٹا بھائی حسن موجود ہے۔ اس نے بڑی خوبی سے وہاں کے حالات کو سنبھال رکھا ہے۔ تمہارے پہنچنے سے اس کو تقویت ملے گی۔ پھر دونوں مل کر نائروں کی سرکوبی کر سکو گے۔ پیچھے سے ہم بھی آتے ہیں۔ سلطان نے حسین سے کہا۔

غرض حسین علی دوسرے ہی روز پندرہ ہزار سپاہ لے کر روانہ ہو گیا اور کوچ کرتا ہوا جلد از جلد مالابار کے اطراف میں جا پہنچا۔ حسن کو اطلاع ہو چکی تھی کہ اس کی مدد کو اس کا بڑا بھائی آ رہا ہے۔ چنانچہ اس کے استقبال کے لئے آیا اور تمام حالات سے اس کو باخبر کیا۔

''نائیروں کا زور تو ختم کر دیا گیا تھا۔ پھر یہ کیسے پیدا ہو گئے''؟ حسین نے اپنے بھائی حسن سے دریافت کیا۔

''یہ قوم بڑی بدعہد ہے۔ حالانکہ اس قوم کو اعلیٰ حضرت حیدر علی خلد آشیاں نے اس قدر مراعات بخشی تھیں اور ان کو اعلیٰ حضرت ٹیپو سلطان نے بھی بحال رکھا مگر ہر بار وہ سر اٹھاتے رہتے ہیں۔ اس کی صورت صرف یہی ہے کہ ان کی جاگیر وغیرہ ضبط کر لی جائیں تاکہ عیش کی زندگی ختم ہو جائے۔ حسن نے کہا۔

''تم ٹھیک کہتے ہو مگر بھائی سلطان اس کو گوارا نہیں کریں گے''۔ حسین نے کہا۔

فوج کے جن افسروں اور سپاہیوں نے ان دونوں بھائیوں کو ایک ساتھ نہیں دیکھا تھا۔ وہ ان کی حیرت انگیز مشابہت کو دیکھ کر دنگ رہ گئے تھے۔ اور تمیز نہیں کر سکتے تھے۔ کہ ان میں کون سا حسن علی ہے اور کون سا حسین علی؟

چند ہی روز میں دونوں بھائیوں نے دشمنوں پر یورش شروع کر دی نائیروں کی پشت پناہی چونکہ ٹراونکور کا راجہ کر رہا تھا اور یہ راجہ انگریزوں کا دوست بنا ہوا تھا۔ اس لئے نائیروں پر حملہ کرنا گویا راجہ ٹرانکور اور انگریزوں پر حملہ کرنے کے مترادف تھا۔ مگر ٹیپو سلطان کے یہ دونوں بہادر جنرل راجہ یا اس کے حلیف انگریزوں کو کب خاطر میں لانے والے تھے۔

انگریزوں نے نائیروں کو ہتھیاروں سے مسلح بھی کیا اور راجہ ٹراونکور نے اپنی سپاہ سے ان کی مدد کی تھی۔ یہ سب کچھ سلطان ٹیپو کی دشمنی میں کیا جا رہا تھا تاکہ اس کا جینا اجیرن کر دیا جائے۔ ایسی منظم و متحدہ طاقت سے ان دونوں دور افتادہ بھائیوں کو بڑے سخت سخت معرکے کرنے پڑے۔ ان لڑائیوں میں ان دونوں بھائیوں کا طرز جنگ خوب تھا۔ دونوں آگ اور خون میں پھنسے رہتے مگر شدید جنگ کے ہنگامے میں بھی ایک دوسرے کی حفاظت کرتا رہتا۔ اپنے زخمی ہوئے یا مارے جانے کی پرواہ نہ کرتا مگر ایک بھائی دوسرے بھائی کو ہر طرح بچاتا رہتا۔ اگر ایک زخمی ہو جاتا تو دوسرا رات رات بھر اس کی تیمارداری کرتا رہتا۔ تیر چلتے، نیزے آتے تلواریں اٹھتیں تو دونوں ایک دوسرے کے سینہ سپر ہو جاتے تھے۔

غرض دو اڑھائی مہینے کی شدید جنگوں کے بعد خدا خدا کر نے نائیروں کا خاتمہ ہوا اور مہاراجہ ٹرانکور کو بھی شکست اٹھانی پڑی۔ انگریزوں نے جو ساز و سامان نائیروں کو دیا تھا وہ سب سلطان کی فوج کے ہاتھ لگا۔ بہرنوع بظاہر فتنہ دب گیا تھا مگر اس کا ختم ہونا ایک حد تک ممکن نہ تھا۔ کیونکہ دور دراز علاقہ ہونے کی وجہ سے وہاں کثیر فوج نہیں رکھی جا سکتی تھی۔ وہ تو حسن نے اپنے حُسن تدبیر و شجاعت سے یہاں کے باغیوں کو سرنگوں کر دیا تھا۔ ورنہ ان کا سر کوئی نہیں مٹا سکتا تھا۔

پھر ایک مصیبت یہ تھی کہ ادھر سلطانی فوج پیٹھ موڑتی ادھر مالابار سرکش اٹھ کھڑے ہوتے اسی ابتری کی بنا پر سلطان نے کئی بار سوچا کہ مالابار سے اپنی فوج ہٹا لے اور اس علاقہ کو اس کے حال پر چھوڑ دے۔ مگر اس میں ایک قباحت تو یہ تھی کہ تمام ساحلی علاقوں پر انگریزوں کا تسلط ہو جاتا۔ انگریزوں کے پاس پہلے ہی سے بحری طاقت موجود تھی۔ دوسرے مالابار کے موپلے پھر غیر مسلمین کے رحم و کرم پر آ پڑتے۔

ONE URDU FORUM . COM
® SCANNED PDF By HAMEEDI

ناول کیلئے ون اردو کے شکر گزار ہیں

باب نمبر33

مالا بار کی لڑائیوں سے فرصت پا کر دونوں بھائی برائے چندے اس بستی کی طرف لوٹے جہاں زمیندار کی وہ حسین لڑکی رہتی تھی۔ یہ لڑکی پہلے حسین علی کی محبت میں گرفتار ہوئی تھی اور جب وہ لاپتہ ہو گیا تھا تو اس کے ہم شکل بھائی حسن کو اپنا اگلا محبوب سمجھ کر اس کی پرستش کرنے لگی تھی۔ اس بار اس کی پرستش رائیگاں نہیں گئی تھی کیونکہ خود حسن بھی اس کی کاکلِ مشکیں کا اسیر ہو گیا تھا۔ دونوں کے اقرارِ محبت ہو چکے تھے۔ پیمان وفا استوار ہو گئے تھے اور روحانی طور پر دونوں ایک دوسرے کے ہو چکے تھے۔ اب صرف اپنے سلطان کے اشارہ کے منتظر تھے جس کے بعد دونوں جسمانی طور پر ایک دوسرے سے واصل ہو جانے والے تھے۔

مگر سلطان کو ان طالب و مطلوب کے سوز و گداز کا اندازہ لگانے کی فرصت نہیں تھی۔ اسے کہاں مہلت تھی ان ایک دوسرے کے پجاری کی بے چینی کو پڑھ سکتا اس لئے ایک طرف وہ لڑکی اپنے محبوب حسن کے لئے تڑپ رہی تھی۔ دوسری طرف حسن اپنی حسین محبوبہ کے لئے بے کل رہتا تھا۔

ان رات دن کی شورشوں۔ ہنگاموں اور خون آشام معرکوں میں بھی جوان دل محبت سے دھڑکنے سے باز نہیں رہتے تھے۔ ادھر حسن اس حسینہ کو گرفتارِ محبت کر کے تڑپا رہا تھا اور خود تڑپ رہا تھا۔ دوسری طرف اس کا ہم شبیہ شکیل بڑا بھائی کنانور کی رانی بالیا جیسی مہ جبیں کو مار آیا تھا اور خود یا اس کا شکار ہو کر اپنے سینے میں ناسورِ سوز پیدا کر چکا تھا۔

اس مہمانداری کی شب کو شوخ و شنگ بالیا نے محض چھیڑ کی بنا پر حسین سے کہا تھا کہ وہ پہلے ہی سے اپنے لئے ایک مرد کا انتخاب کر چکی ہے۔ مگر غیور حسین نے بر بنائے غیرت سپاہیانہ اس سے دریافت کرنا بھی گوارا نہیں کیا تھا کہ وہ کون خوش بخت مرد ہے۔ اس کے بجائے اس کے نئے نئے پیدا شدہ گداز پر ان کلمات سے اوس پڑ گئی تھی اور وہ تین چار

ONE URDU FORUM . COM
® SCANNED PDF By HAMEEDI

روز قیام کرنے کا وعدہ کرنے کے باوجود مزید مایوسیوں سے مفر کی تلاش میں صبح ہی ریاست کنانور سے نکل بھاگا تھا اور رکھ رکھائی والی رانی بالیا کو خون کے آنسو بہانے کے لئے چھوڑ دیا تھا۔

حسین علی کو نازک اندام رانی بالیا سے جدا ہوئے سات آٹھ ماہ گذر گئے تھے۔ اس مدت میں اس نے نامعلوم کتنے معرکے سر کئے تھے۔ نجانے کتنی بار زخمی ہوا تھا اور خاک و خون سے کھیلا تھا۔ باحیا خود دار رانی اس کی بازدید سے مایوس ہو چکی تھی مگر ایک لمحہ کے لئے بھی اس نے اپنے دیوتا کی یاد کو دل سے جدا نہیں کیا تھا۔ اٹھتے بیٹھتے اسی کے تصور و یاد سے دل بہلاتی رہتی تھی۔ اور جب یارائے ضبط نہ رہتا تو کونوں میں چھپ کر پھولوں کی آڑ لے کر آنسو بہا لیتی تھی۔

حوض کے موتی جیسے پانی پر جب وہ اپنے ہنس کے جوڑے کو تیرتے اور آپس میں اختلاط کرتے دیکھتی تو اس کا دل بھر آتا۔ حسین ہنس کو وہ پانی سے نکال کر گود میں بٹھا لیتی۔ اس کو پیار کرتی۔ پھر اس طرح چپکے چپکے اس سے اپنے چھوڑ کر جانے والے کی شکایت و شکوہ کرتی جیسے وہ اس کا راز دار ہو۔ اس کے زخم دل کو سمجھتا ہو۔ اس سے کہتی کہ جا اور اس بے وفا کو ڈھونڈ لا۔ میں انعام میں تیری ہنسنی کی چونچ اور پنجوں پر سونے کا خوبصورت پتھر چڑھا دوں گی۔

ہنس پیار سے اپنی لمبی اور خوبصورت گردن اس کی صراحی دار گردن میں ڈال دیتا پھر اپنی موٹی موٹی آنکھوں سے اسے دیکھتا جیسے اس کی بے تابی کو پا گیا ہو اور اس کا مداوا اس کے ذہن طائرانہ میں آ گیا ہو۔ پر پھلاتا۔ پھڑ پھڑاتا۔ اپنی مادہ کے پاس جانے کے بجائے دیر تک حسین رانی کی گداز گود میں بیٹھا رہتا۔ اس کی ہتھیلی پر چونچ رگڑتا۔ اس کے ریشم سے بالوں میں گردن گھساتا جیسے پیار کر رہا ہو اور پھر ایکا ایکی کسی سوچ میں پڑ جاتا۔

رانی کی سیکرٹری سمجھئے یا اس کی وزیرِ ریاست جس کا نام رامن تھا ایک بڑی ذہین لڑکی تھی۔ جب حسین علی چل دیا تو اسے تعجب ہوا تھا اور اس نے اپنے خیال کی اصلاح کر لی تھی۔ اس کے بعد اس نے اپنی رانی کو رات دن سوگوار سا دیکھا تو اسکا ماتھا ٹھنکا تھا کہ شاید تیر ایک ہی طرف لگا ہے اور دوسرا اپنی کمان سنبھال کر چلتا بنا ہے۔ اس کا اسے بھی رنج ہوا تھا کیونکہ اس کے بھی سینے میں ایک امنگوں بھرا دل تھا جس کو شکر ہے اب تک تو کسی نے توڑا تھا اور نہ خود کسی پر ٹوٹ کر پڑا تھا۔

ناول کیلئے ون اردو کے شکر گزار ہیں

بالیا کی شب وروز کی افسردگی وغمگینی سے رامن کڑھنے لگی تھی اور چاہتی تھی کہ اس کے دل کا بھید معلوم کر کے کچھ اس کی مدد کرے۔ مگر بالیا ہر بار ٹال جاتی اور اسے کوئی بھید نہیں دیتی۔ اس کے یہ معنی نہ تھے کہ اسے اپنی سیکرٹری پر اعتماد نہ تھا۔ اس کے برعکس وہ اس کی وفاشعاری وہمدردی سے بہت خوش تھی۔

''آخر معلوم تو ہو رانی۔ کیا غم آپ کو کھائے جا رہا ہے۔'' ایک دن آخر رامن رانی کے پیچھے ہی پڑ گئی۔

''کیا غم؟ اچھی تو ہوں۔ مجھے کوئی غم نہیں۔'' رانی نے جواب دیا۔

''اچھا آپ مالک کی سوگند کھا کر کہہ سکتی ہیں کہ آپ کو کوئی غم پریشان نہیں کر رہا ہے۔'' رامن نے کہا۔

''مالک کی سوگند کھانے سے کیا فائدہ۔ وہ کون سا میرے آڑے آتا ہے۔'' رانی نے افسردگی سے کہا۔

''اس کا مطلب یہ ہوا کہ کسی معاملہ میں آپ کی مدد نہ کرنے کی وجہ سے آپ مالک سے بھی خفا ہیں۔'' رامن نے ہنس کر کہا۔ رانی نے دل میں اس کی سمجھ کی داد دی۔

''نہیں رامن میں کیوں کسی سے خفا ہونے لگی۔ اگر ہوں تو اپنے ہی آپ سے ہوں'' رانی نے کہا۔

''کیوں آخر؟ میں یہی تو جاننا چاہتی ہوں۔'' رامن بولی۔

''کیا کرو گی جان کر۔ بہت سی باتیں ایسی ہیں کہ جن کا نہ جاننا ہی اچھا ہے۔''

''کچھ ہی سہی۔ مجھ سے آپ کا یہ رات دن کا رنج وغم نہیں دیکھا جاتا۔'' رامن نے کہا۔

''اول تو مجھے کوئی رنج وغم نہیں۔ اگر ہے تو زبردستی کا سمجھو۔'' رانی نے کہا ''اچھا میں بتاؤں۔ کیا فکر وامنگیر رہتی ہے آپ کو؟'' رامن نے کہا۔

''بتاؤ۔ اچھا ٹھہرو۔ آؤ وہاں حوض کے پاس چلیں'' رانی نے کہا اور اسی حوض کے کنارے اس کو لے گئی جہاں ایک رومانی رات کی چند ساعتوں میں حسین علی اور وہ محبت کے کنارے آتے آتے لوٹ گئے تھے۔ یہاں آتے ہی وہ تمام سماں اس کی آنکھوں میں پھر گیا۔ کس طرح حسین علی نے جھجکتے جھجکتے اس کا ہاتھ تھاما تھا۔ پھر ابتدا میں کس قدر پرحلاوت باتیں بھی کی تھیں مگر پھر چھیڑ ہی چھیڑ میں ایک ذرا سی بات پر ایسا بددل ہوا کہ اس کے بعد

ONE URDU FORUM . COM
® SCANNED PDF By HAMEEDI

اسکا گداز مٹ گیا۔ اگر وہ ظالم اس کو بالکل ہی بھول گیا ہے تو پھر کوئی توقع نہیں ہو سکتی کہ کبھی مڑ کے پیچھے دیکھے گا۔

''آپ اس روز اسی جگہ مہمان کو لے کر بیٹھی ہوں گی؟'' رامن نے رانی کی محویت توڑتے ہوئے دریافت کیا۔

''کون مہمان؟ اچھا وہ ہاں۔'' رانی نے کچھ رازِ دل چھپاتے کچھ برملا کرتے ہوئے جواب دیا۔

''کیا وہ پھر واپس آنے کا وعدہ نہیں کر گیا تھا؟'' رامن نے اپنی مخدومہ کے سینے کا بھید لیتے ہوئے پوچھا۔

''کیوں کرتا وعدہ۔ وہ سپاہی آدمی ہے۔ کسی ایک ہی جگہ کا ہو کر کس طرح رہ سکتا ہے۔'' رانی نے پرحیلہ انداز میں کہا۔

''مگر اپنی سپاہیانہ شان کی بنا پر کسی کا ہو کر تو رہ سکتا ہے۔'' رامن نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''اس معاملہ میں وہ تو پہلے ہی کسی کا ہے۔'' بالیا نے کہا۔

''اچھا! کس کا؟'' رامن نے پوچھا۔

''اپنے سلطان کا۔ سلطان کے مقابلہ میں وہ کسی کو کیوں خاطر میں لانے لگا'' بالیا بولی۔

''تو آپ کو اس کا رنج ہو گا؟'' چالاک رامن بالیا کے دل کا چور پکڑنے کے قریب ہوتی جا رہی تھی۔ بالیا چپ ہو گئی۔

''کیا دل آ گیا تھا میری رانی کا اس پردیسی پر؟'' مسکرا کر کہا ''ہنس رہی ہو تم رامن'' رانی نے چڑ کر کہا اور رامن کو ہنسی آ ہی گئی۔

''پھر اس میں اتنا جلنے کڑھنے کی کونسی بات ہے۔'' رامن اسی طرح ہنستی ہوئی بولی۔

''کہاں جل رہی ہوں۔ تم ہنس رہی ہو میں بھی ہنس رہی ہوں۔'' رانی نے اپنی حسین تیوری پر بل ڈال کر کہا۔

''اچھا اچھا خفگی تھوک ڈالئے اور دل کی بات بتایئے۔ آپ کے نازک دل میں کیسے گھس پڑا وہ چالاک سردار وہ تو آگ لگانے والا نواب ہے۔ میری رانی کے سینے میں بھی آگ لگا گیا۔ تعجب ہے کہ اس ہمیشہ بند رہنے والے اور محفوظ سینے میں اس کی رسائی ہو کیسے

ناول کیلئے ون اردو کے شکر گزار ہیں

گئی۔'' رامن چھیڑتی رہی۔

''جس طرح تمہارے سر میں بے عقلی کی رسائی ہوگئی ہے۔'' رانی نے خفگی سے کہا

''حکم ہوتو پکڑ لاؤں اسے جا کر۔'' رامن نے کہا۔

''اب وہ کبھی نہیں آئے گا رامن۔'' رانی کے منہ سے فرطِ یاس سے نکل گیا۔

''کیوں نہیں آئے گا۔ کیا آپ نے اسے کوئی داغ دیئے بغیر چلا جانے دیا تھا؟''

''داغ اور دھبہ تو میں جانتی نہیں مگر وہ چپ چاپ چلا گیا۔''

''مجھے بڑا دکھ ہوا میری مہارانی۔ کیا آپ اسے بشدت چاہنے لگی ہیں؟'' رامن نے کہا۔ رانی نے کوئی جواب نہیں دیا۔

''سوچ لیجئے ایسا نہ ہو کہ آپ کے دل میں اس کی یاد محض وقتی ہو۔''

''چپ رہو رامن۔ میرا دل جھوٹا نہیں ہے'' صادق طبع حسین رانی نے کہا۔

''اچھا گھبرایئے نہیں۔ میں اس کی تلاش کروں گی اور کسی طرح اس کو یہاں بلانے کی کوشش کی جائے گی۔'' رامن نے اس مغموم حسینہ کی دلدہی کرتے ہوئے کہا۔

''یہ ممکن نہیں ہے۔ اسے اپنی شدید ذمہ داریوں میں میرا خیال نہیں رہ سکتا اور مجھے بھول جانے میں وہ حق بجانب ہے کیونکہ مقدم دیس کی حفاظت اور وطن کے دشمنوں کی سرکوبی ہے۔ میرا کیا میں عورت ہوں۔ ہر طرح مجھے صبر آسکتا ہے۔'' ملول رانی نے کہا۔

''یہ ٹھیک ہے مگر آپ کی زندگی بھی وطن کے لئے اتنی ہی ضروری ہے جتنی اس کی ہوسکتی ہے۔ آپ بھی تو دیش بھگت ہیں۔''

''کچھ بھی سہی میں اپنی ناکارہ ذات کے کارن اس کو اپنی ذمہ داریوں سے توڑ لینا نہیں چاہتی۔'' رانی نے کہا۔

''اسے فرائض ادا کرنے سے کون روکتا ہے۔ مگر اسے یہ اجازت نہیں دی جاسکتی کہ آپ کی معصوم اور خوش وخرم زندگی سے کھیلے۔'' رامن نے کہا۔ رانی خاموش ہوگئی۔ دل اس کا بھی تڑپ رہا تھا کہ کسی طرح ایک ہی دفعہ اس جانہار کو دیکھ لے۔

''مجھے ایک تدبیر سوجھی ہے۔ امید ہے کہ کارگر ہوگی۔'' رامن نے کہا۔

''کیا تدبیر؟'' رانی نے دریافت کیا۔

''یہ کہ اس معاملہ میں ٹیپو سلطان سے رجوع کروں۔'' رامن نے کہا۔

''کیا مطلب؟ سمجھی نہیں'' رانی نے کہا۔

ONE URDU FORUM . COM
® SCANNED PDF By HAMEEDI

''یہ کہ میں اپنے پتا جی کو سلطان کی خدمت میں روانہ کروں۔''

''لیکن کس طرح؟ کیا پیغام لے کر؟'' رانی نے استفسار کیا۔

''یہ ابھی آپ کو نہیں بتاؤں گی۔''

''نہیں رامن۔ اس طرح میری رسوائی ہوگی اور سلطان کی نظروں میں بنکی علیحدہ علیحدہ۔'' رانی نے کہا۔

''مطلق نہیں، میں ایسی تدبیر چلوں گی کہ سلطان کہیں سے بھی بنکی نواب کو تلاش کر کے روانہ کردے گا۔'' رامن نے کہا۔

''مجھے معلوم تو ہو آخر کیا ترکیب چلوگی۔'' رانی نے دل میں خوش ہو کر پوچھا۔

''وقت پر بتاؤں گی۔ ابھی نہیں۔'' رامن نے مسکرا کر کہا پھر اپنی مخدومہ کے ریشمی بال سنوارنے بیٹھ گئی۔

دوسرے روز رامن نے بڑی ترکیبوں اور حیلوں سے اپنے والد کو آمادہ کیا کہ سلطان کی خدمت میں جائے اور کورگ کے تمام حالات بیان کرنے کے بعد اس تک ایک رقعہ پہنچا دے۔

''لیکن کورگ میں اب امن وامان ہے پھر کاہے کی چنتا ہے۔'' اس کے باپ نے کہا۔

''ہے تو امن وامان پتا جی مگر ایک طرف سے ہمارے دیش کے دشمن انگریزوں نے سلطان کو دبانا شروع کر دیا ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ ہمارا سلطان دوسری مہمات میں پھنسا رہے اور انگریز کورگ پر چڑھ دوڑیں۔'' رامن نے جواب دیا اور اسی وقت سلطان کی خدمت میں یہ عریضہ تحریر کیا:۔

مہابلی سلطان

کنانور کی رانی بالیا بنو بصد آداب عرض پرداز ہے کہ کورگ کے علاقہ میں اپنے دشمن انگریزوں کے کچھ جاسوس دیکھے گئے جن سے خوف ہے کہیں وہ انگریزوں کو یہاں نہ چڑھا لائیں۔ اس لئے احتیاط کا تقاضہ یہی ہے کہ پہلے ہی سے تمام ناکوں پر فوج پھیلا دی جائے اور مظفر آباد میں ایک بڑی فوج لا ڈالی جائے۔ کیونکہ اسی طرف سے انگریزوں کے چڑھ دوڑنے کا خوف ہے۔

بنکی نواب چونکہ بغاوت کورگ کے سلسلہ میں یہاں کافی معروف ہیں اور ان کا

رعب ہر طرف چھایا ہوا ہے اس لئے اس مہم کے لئے ان سے زیادہ بہتر آدمی کوئی نہیں ہو سکتا۔حضور مہربانی کر کے انہیں جلد اس طرف روانہ کر دیں۔اگر چہ ہماری ریاست میں کوئی بڑی فوج نہیں ہے مگر جتنے بھی آدمی ہیں وہ اپنے سلطان اور وطن پر قربان ہونے کو تیار ہیں۔رانی بالیا کو بھی بنکی نواب بہت پسند ہیں اور وہ اکثر ان کا تذکرہ کرتی رہتی ہیں،لہذا نا چیز کی رائے میں حضور انہیں جتنی جلد یہاں روانہ فرما دیں اچھا ہے۔

فقط نیاز مند دیوان ریاست کنانور

باب نمبر34

سلطان کئی ماہ سے انگریزوں کے خلاف مدافعت کے سلسلہ میں ادہر ادہر دوڑا دوڑا پھر رہا تھا۔پھر عین اس زمانہ میں اسے معلوم ہوا کہ غدار نظام آخر مسلمانوں کا خون بہانے کو چالیس ہزار سوار اور بیس ہزار پیادہ فوج اپنے فرزندان عالی جاہ اور سکندر جاہ کی سرگرمی میں روانہ کر چکا ہے تا کہ ٹیپو سلطان کا خاتمہ کر دیں۔یہی فوج کوچ کر کے آنیکل کے قریب پڑاؤ ڈالے پڑی تھی۔

دوسری طرف سے لارڈ کارنوالس اپنی انگریز سپاہ لے کر موگلی گھاٹ وغیرہ کو طے کرتا ہوا بنگلور کی طرف بڑھ رہا تھا۔اور بنگلور سے صرف چھ میل کے فاصلہ پر آ گیا تھا۔تیسری طرف سلطنت میں ہر جگہ سازش پھیلتی جا رہی تھی۔وہ ملک وقوم واقعی بہت ہی بد نصیب ہے جس کے باشندے آپس میں متحد نہ ہوں اور اپنے اختلافات وسازش سے ہوم فرنٹ کو کمزور کر دیں۔جنگ کی صورت میں تنہا فوج ہی محاذ پر نہیں لڑتی بلکہ سیکنڈ لائین آف ڈیفنس یعنی ثانی دفاعی محاذ خود ملک کے باشندے اپنی یک جہتی و ہمت عالی سے قائم کرتے ہیں تا کہ اگر میدانِ جنگ میں اپنی فوج کے قدم اکھڑ جائیں تو اہلِ شہر آگے بڑھ کر دوسری مدافعت کی لائن کا کام دیں۔جس قوم میں یہ جذبہ نہیں ہوتا اسے زندہ رہنے کا کوئی حق نہیں۔

سلطان نے حمید سپاہ سالار کو بنگلور کے قلعہ کی حفاظت کی لئے روانہ کیا اور خود چند ہزار سوار لے کر دوسری طرف روانہ ہوا۔ابھی وہ چلا ہی تھا کہ نل فلائڈ نے سلطان پر حملہ کیا۔سلطان کو سنبھلنا پڑا۔اور اس حملہ کا جواب اس نے اپنی اژدرد ہاں توپوں سے دیا۔اس نے اس شدت سے انگریزی فوج پر گولے برسائے کہ دشمن حواس باختہ ہو گیا۔اس جنگ میں انگریزی فوج کا کمانڈر کرنل فلائڈ بھی زخمی ہو گیا۔اس کے بعد تو انگریز سر پر پاؤں رکھ کر بھاگے۔اس لڑائی میں سلطان نے چار سو انگریزوں کو مع گھوڑوں کے گرفتار کر لیا۔

عین اس فتح کی خوشی کے موقع پر رامن کا والد کنانور سے رقعہ لے کر سلطان کی

ONE URDU FORUM . COM
® SCANNED PDF By HAMEEDI

خدمت میں حاضر ہوا۔ سلطان اسی روز آگے کوچ کرنے والا تھا کہ کیونکہ اسے بھی نظام کی خبر لینی تھی جو ساٹھ ہزار کا لشکر لئے انگریزوں کی حمایت میں سلطان سے آمادۂ جنگ تھا۔ سلطان کو کنانور سے دلچسپی تھی اور وہ کورگ کے علاقے کو بھی بیحد پسند کرتا تھا۔

''میں کنانور کی رانی کا ایک رقعہ لے کر حاضر ہوا ہوں۔'' رامن کے والد نے سلطان سے عرض کیا۔

ہے تو سب وہاں خیریت؟ کسی دشمن کا خوف یا کسی سازش کا اندیشہ تو نہیں ہے اب وہاں؟'' سلطان نے دریافت فرمایا اور اس کو ایک ممتاز جگہ پر بٹھایا۔

''حضور کے راج میں ہر طرف امن اور شانتی ہے۔ ہمیں سرِ دست کسی دشمن کا خطرہ نہیں اور نہ کورگ میں اب کسی بغاوت کا خطرہ ہے۔'' رامن کے باپ نے کہا۔ پھر ادب سے سلطان کی خدمت میں عریضہ پیش کیا۔ سلطان نے رقعہ لے کر پڑھا اور اس کے مضمون کو قاصد کے حالیہ بیان کے خلاف پایا۔ کیونکہ اس کا مضمون حقیقت پر مبنی نہ تھا بلکہ صرف حسین کو بلانے کی ترکیب چلی گئی تھی اس لئے حالات بیان کرنے میں مبالغہ سے کام لیا گیا تھا۔

''آپ تو کہتے ہیں کہ کورگ کو کوئی خطرہ نہیں۔ اس رقعہ میں تو تشویش انگیز خبر ہے۔'' سلطان نے قاصد سے کہا۔ بیچارے رامن کے والد کو اپنی بیٹی اور اپنی حسین رانی کی حسین سازش کا کیا علم تھا اور نہ وہ رقعہ کے مضمون سے باخبر تھا۔ سلطان کے الفاظ سن کر پریشان سا ہوا پھر مودبانہ بولا۔

''حضور والا۔ میں بھی سپاہی آدمی ہوں۔ کورگ کے علاقہ کا اکثر چکر لگاتا رہتا ہوں لیکن میں نے تو وہاں کوئی تشویش انگیز صورتِ حال نہیں پائی۔''

''خیر اس متضاد بیان سے مجھے اس نتیجہ پر ضرور پہنچنا پڑے گا کہ وہاں کوئی بات وقوع پذیر ہوئی ہے یا ہونے والی ہے۔'' سلطان نے کہا۔

''حضور کو اگر فرصت مل جائے تو خود آکر وہاں کے حالات ملاحظہ فرمالیں۔'' رامن کے والد نے کہا۔

''مگر اس رقعہ میں تو کنانور کی رانی نے فرمائش کی ہے کہ میر حسین علی خاں کو روانہ کیا جائے۔ افسوس اس وقت وہ ایک اہم مہم پر ہے جہاں سے سردست اس کو ہٹایا نہیں جا سکتا۔ چنانچہ میں خود ہی کوشش کروں گا کہ ڈیڑھ دو ماہ بعد کورگ کا ایک چکر لگا آؤں۔'' سلطان نے کہا۔

ONE URDU FORUM . COM
® SCANNED PDF By HAMEEDI

ناول کیلئے ون اردو کے شکر گزار ہیں

''وہ دن کورگ کی سرزمین کے لئے نہایت مبارک ہوگا۔'' رامن کے باپ نے خوش ہو کر کہا۔ اسے زیادہ مسرت اس بات کی تھی اس کا مشن کامیاب ہوا تھا۔ لیکن اس غریب کو کیا معلوم تھا کہ سلطان کا وہاں پہنچنا رامن کے والد کے مشن کی عین ناکامی تھی۔ طلبی اس کی نہیں ہوئی تھی بلکہ ایک معصوم دل حسینہ نے کسی بے وفا سے محبت کی بازی ہاری تھی اب اُسی کو جا کر بساط کو دیکھنے کی ضرورت تھی۔

بہرنوع سلطان نے قاصد کو خلعت و اکرام عطا کر کے رخصت کیا۔ رامن کا والد خوش خوش کنانور کی طرف روانہ ہوا اور وہاں جا کر اسے اپنی کامرانی کا مژدہ پہلے رانی اس کے بعد اپنی بیٹی کو سنایا۔ مگر اس خوشخبری کو سننے کے بعد رانی اور رامن خوش ہونے کے بجائے چپ ہو گئیں۔

''ارے آپ تو چپ سی ہو گئیں رانی بیٹی۔ ہمارے کہاں مقدر کہ حضور سلطان ہماری ریاست میں قدم رنجہ فرمائیں۔ سرکار کی آمد کی ابھی سے تیاری شروع کر دینی چاہئے تا کہ ہم ان کی خوشنودی حاصل کر سکیں۔'' رامن کے والد نے رانی اور اپنی صاحبزادی کو خاموش پا کر کہا۔ ان کی چپ پر وہ حیران سا ہو گیا تھا۔

''آپ نے بھی پتاجی غضب ہی کر دیا۔ ملک کی سب سے بڑی شخصیت کو یہاں آنے کی دعوت دے آئے۔ میر حسین علی کا آجانا ہی کافی تھا۔'' رامن نے لاڈ سے کہا۔

''تو ہے دیوانی۔ حسین علی تو کیا چیز ہے۔ ہمارا تمہارا بادشاہ آرہا ہے۔ یہ کیا کم خوشی کی بات ہے۔'' رامن کے باپ نے کہا۔

''مگر ہم ذرا سی بات کے لئے اپنے سلطان کو تکلیف دینا نہیں چاہتے تھے۔ آپ نے حسین علی کو روانہ کرنے پر کیوں نہیں اصرار کیا۔'' اس بار رانی نے کہا۔

''اب یہ رانی بیٹی آپ الٹی بات کہہ رہی ہیں۔ کہاں حسین علی اور کہاں اس کا اور ہمارا سب کا مالک۔ پھر سلطان نے خود فرمایا تھا کہ حسین علی کہیں دوسری جگہ پھنسا ہوا ہے اس لئے خود سلطان کو آنا پڑے گا۔'' رامن کے والد نے اس دوطرفہ اعتراض پر حیران ہو کر کہا۔

''اچھا خیر۔ آپ کو بڑی تکلیف ہوئی۔'' آخر رانی نے اسے ٹالتے ہوئے کہا جب وہ چلا گیا تو رانی رامن سے بولی۔

''اب کیا ہوگا رامن۔ تمہارے والد تو الٹی کارروائی کر آئے۔ کس کو بلایا تھا اور کس کو دعوت دے آئے۔'' قاصد کے چلے جانے کے بعد رانی نے رامن سے کہا۔

رامن کو ہنسی آ گئی۔

''ہاں یہ تو بالکل الٹی بات کر آئے پتا جی۔ اگر حضور سلطان آ گئے تو یہاں امن و امان پا کر ہمارے خط کو اور ہمیں جھوٹا سمجھیں گے۔ کیوں کہ ہم نے تو یہاں کے فرضی حالات کی کیفیت بیان کر کے حسین علی کو بلانا چاہا تھا مگر ٹپک پڑنے والے ہیں خود سلطان۔'' رامن نے کہا۔

''کوئی دوسری ترکیب چلو نہ جس سے سلطان آنے کی زحمت نہ فرمائیں بلکہ ہمارے مطلوبہ انسان کو روانہ کر دیں۔'' رانی نے کہا۔

''یعنی آپ کے مطلوب کو؟'' رامن نے ہنس کر کہا۔ وہ بڑی زندہ دل لڑکی تھی۔

''خیر یونہی سہی۔ اس کو کسی طرح بلا لو تو سمجھوں گی کہ بڑی تیز طرار اور ہوشیار لڑکی ہو۔'' رانی نے کہا۔

''اچھا اگر آپ کے مطلوب کو بلا لیا تو اس کا انعام کیا ہوگا؟'' رامن نے ہنس کر کہا۔

''جو مانگو گی۔'' رانی نے کہا۔

''ہم کیا مانگ سکتے ہیں۔ ہماری کوئی طلب نہیں۔'' رامن نے حسرت سے کہا۔

''اب یہ تم بنتی ہو۔ بہر حال جو طلب کرو گی، دیدوں گی۔'' رانی نے کہا۔

''خیر آپ سے کیا لوں گی۔'' دیکھئے کوئی دوسری ترکیب سوچوں گی۔ رانی نے کہا۔

''ابھی سوچ لو تا کہ مجھے بھی معلوم ہو جائے۔'' رانی نے کہا۔

''مجھ ہی کو جانا پڑے گا۔'' رامن نے کہا۔

''تم خود جاؤ گی؟ لیکن کہاں؟''

''سلطان کے حضور میں'' رامن نے جواب دیا۔

''اچھا! کیا کہو گی سلطان سے جا کر؟'' رانی نے اشتیاق سے دریافت کیا۔

''تمام اصل واقعہ سلطان سے بیان کرنا پڑے گا۔ اس کے بغیر کام نہیں چل سکتا۔'' رامن نے جواب دیا۔

''نہیں نہیں، میں اپنی رسوائی گوارا نہیں کر سکتی۔ سلطان اپنے دل میں مجھے نہ معلوم کیا سمجھے گا۔'' رانی نے کہا۔

''میں سمجھتی ہوں کہ اسے خوشی ہی ہوگی کہ ایک ریاست کی مالک لڑکی اس کے کسی

ONE URDU FORUM . COM
® SCANNED PDF By HAMEEDI

امیر سے محبت کرتی ہے۔ اور امیر بھی وہ جو سلطان کا دودھ شریک بھائی ہے۔''

رامن نے کہا۔

''اچھا ہمارا حسین علی سلطان کا دودھ شریک بھائی ہے؟ تمہیں کس طرح معلوم ہوا''

''مجھے سب کچھ معلوم ہے۔'' رامن نے جواب دیا۔

''رامن تم نے اس پر بھی غور کیا کہ ہمارے سلطان کے کس قدر دشمن پیدا ہو گئے ہیں۔ اور پھر وہ سب اکیلے سلطان کے خلاف متحد ہو گئے ہیں۔ دیکھو اس کا کیا انجام ہوتا ہے۔ کہیں ایسا نہ ہوا کہ ادھر سلطان کو کوئی گزند پہنچے ادھر اسکے بعد حسین علی پر کوئی آفت آ جائے'' رانی نے آئندہ کے واقعات پڑھتے ہوئے کہا۔ ہر سمجھدار آدمی ایک ملک کی تباہی کا اندازہ لگا سکتا ہے۔ اگر کسی ملک میں غدار پیدا ہو گئے ہوں۔ عمالِ حکومت راشی اور مفاد پرست ہوں۔ خود عوام میں بے اطمینانی کے جذبات ہوں تو ایسے ملک کو تباہی سے نہیں بچایا سکتا۔ سلطنتِ خداداد کی یہی حالت تھی اور آج بھی بیشتر اسلامی ممالک کے اندر یہی حالات موجود ہیں یہی وجہ ہے کہ وہ اپنی زندگی کے دن گن رہے ہیں۔

''ہم لوگ ہندو ہیں رانی۔ ہمیں کوئی نقصان نہیں پہنچائے گا۔ مرہٹے بھی آخر ہندو ہی ہیں وہ ہمیں نہیں ماریں گے۔ نظام انگریزوں کا دوست ہے اس لئے اسے بھی ہم سے بیر نہیں ہو سکتا۔ انگریزوں اور مرہٹوں میں صلح ہے اس لئے وہ بھی ہمیں تکلیف نہیں دیں گے۔'' رامن نے کہا۔

''افسوس رامن تم نے یہ الفاظ ادا کر کے مجھے بڑا صدمہ پہنچایا۔ کوئی وطن پرست ایسی بات منہ سے نہیں نکال سکتا۔ میسور ہمارا ہے اور میسور کا بادشاہ ٹیپو سلطان ہے اسلئے جو اس کا دشمن ہے وہ ہمارا دشمن ہے۔ چاہے وہ ہندو ہو یا انگریز ہو۔ اور جو ہمارے سلطان کا دوست ہے وہ ہمارا بھی دوست ہے جیسے فرانس والے'' رانی نے جوش سے کہا۔ اس کے کلمات سے رامن بھی بہت متاثر ہوئی۔

ناول کیلئے ون اردو کے شکر گزار ہیں

ONE URDU FORUM . COM
® SCANNED PDF By HAMEEDI

باب نمبر35

نظام کی فوج سلطان پر حملہ کی تاک میں تھی اور اس نے مرہٹوں سے اتحاد کر لیا تھا۔انگریز تو ہمیشہ دشمنانِ سلطان کے ساتھ تھا چنانچہ ان کا اتحاد ثلاثہ سلطنتِ خداداد کے خلاف ہمیشہ قائم ہو جاتا تھا لیکن انگریز نظام کو اپنی پالیسی کے ماتحت صدقہ کا بکرا بنائے رکھنا چاہتے تھے۔ان کی کوشش یہ ہوتی تھی کہ سلطان کے خلاف جنگ میں اگر کوئی شہر یا علاقہ انگیزوں کے ہاتھ آئے تو اس پر انگریزوں کا قبضہ بلا شرکت غیرے رہے۔نظام کا اس میں حصہ نہیں ہوتا تھا بلکہ اس سے آئندہ کی فتوحات کے وعدوں پر سامانِ رسد اور بار برداری کے جانور لئے جاتے تھے۔بعض دفعہ کافی فوج بھی۔اس طرح وہ صرف ایک مسلمان سلطان کی دشمنی میں انگریزوں کے ہاتھوں اپنی ذلت تک گوارا کر رہا تھا۔

انگریز اپنی پچھلی شکست کے فوراً بعد ہی کرنل مورس اور جنرل میڈوز کی سرکردگی میں بنگلور پر حملہ آور ہوئے۔اس وقت ٹیپو سلطان بنگلور سے دور بالار پور کی طرف تھا۔اور بنگلور میں اپنا قائم مقام کشن راؤ کو بنایا گیا تھا۔سلطان کا دارالسلطنت سرنگاپٹم تھا۔بنگلور اسے بہت پسند تھا اور قلعہ اس نے کشن راؤ کے سپرد کر دیا تھا۔یہ وہی کشن راؤ تھا جس نے چالبازی اور زرِ کثیر صرف کر کے مہ جبین سبیتا سے شادی کر لی تھی حالانکہ معصوم سبیتا کا دل شروع ہی سے ٹیپو سلطان کو پیار کرتا تھا۔مگر جب یہ عورت بیزار سلطان اس کی جانب ملتفت نہیں ہوا تھا تو وہ سخت مایوس ہو گئی تھی۔

یہ کم بخت کشن راؤ سبیتا پر قبضہ کرنے کے معاملہ میں تو بڑا خوش قسمت تھا۔مگر ملک کا بڑا زبردست غدار تھا۔بنگلور کی فوج کا سپہ سالار سید حمید تھا۔جب کرنل مورس نے بنگلور پر حملہ کیا تو سید حمید نے اس کا ڈٹ کر مقابلہ کیا اور کرنل مورس کو مار ڈالا۔جنرل میڈوز اگر کمک لے کر نہ آجاتا تو تمام انگریزی فوج کا خاتمہ ہو جاتا۔انگریزوں کی تعداد کثیر تھی اور سید حمید کے پاس کل چار ہزار سپاہ تھی۔میڈوز نے آتے ہی قلعہ کا محاصرہ کر لیا اور تقریباً

اٹھارہ روز تک وہ برابر قلعہ پر حملے کرتا رہا۔یہاں تک کہ اس کی ایک دیوار شق ہو گئی۔

اسی اثنا میں نمک حرام کشن راؤ نے انگریزوں کے پاس پیغام بھیجا کہ اگر پانچ لاکھ روپے دو تو قلعہ تمہارے حوالہ کر دیا جائے گا۔

''ہمیں منظور ہے۔'' جنرل میڈوز نے کہا وہ سلطان سے اپنی پچھلی شکستوں کی بنا پر خار کھاتا تھا۔

''لائیے روپیہ کہاں ہے؟'' کشن راؤ نے جنرل میڈوز سے کہا۔

ایک لاکھ آپ کو پیشگی دیا جا سکتا ہے۔بقیہ چار لاکھ تسخیرِ قلعہ کے بعد مل جائے گا۔جنرل میڈوز نے کہا۔

''میں پیشگی دو لاکھ سے کم نہ لوں گا۔'' کشن راؤ نے کہا۔

''اچھا ایک شرط پر دو لاکھ بھی دے سکتے ہیں۔تم سید حمید کو ہمارے مقابلہ سے ہٹا دو۔اس نے ہماری فوج کا ناک میں دم کر رکھا ہے۔'' میڈوز نے بہادر سید حمید کے متعلق کہا۔

''سید حمید میرا ماتحت ہے۔اسے ہٹا دیا جائے گا۔کشن راؤ نے کہا۔

''اچھا ہماری ایک خواہش اور ہے۔'' جنرل میڈوز نے کہا۔

''بیان کیجئے'' کشن راؤ بولا۔

سنا ہے کہ آپ کی تھوڑے دن پہلے شادی ہوئی ہے اور آپ کی بیوی بہت ہی خوبصورت ہے۔ہمیں یا تو اس کے پاس لے چلئے یا اسے یہیں بلا لیجئے۔جنرل میڈوز نے کہا۔

''جب آپ قلعہ میں آجائیں گے تو اس کا انتظام بھی ہو جائے گا۔'' لوٹ کشن راؤ نے اتنی ہی نمک حرامی نہیں کی تھی بلکہ وہ سلطان کی ایک ایک نقل و حرکت سے انگریزوں کو آگاہ کرتا رہتا تھا۔

دوسرے روز آخر جنرل میڈوز نے پلان کے مطابق قلعہ بنگلور پر یلغار کیا۔کشن راؤ نے سید حمید کو حکم دیا کہ مدافعت نہ کرو مگر اس محبِ وطن جوانمرد نے ایک نہیں سنی۔آخر قلعہ کے سامنے لڑتا لڑتا شہید ہو گیا اور اس کا ماتحت افسر شیخ انصر قید کر لیا گیا۔قلعہ کے دوسرے سلطانی امرا بھی اسیر کر لئے گئے۔

اس کے بعد انگریزوں نے لٹیروں اور ڈاکوؤں کی مانند شہر اور خزانے کو اس طرح لوٹا کہ اس کی نظیر بربریت کی تاریخ میں کم ہی ملے گی۔بے شمار دولت ان کے ہاتھ آئی اور ایک طرف انگریزوں کی مراد پوری ہوئی دوسری طرف غدار کشن راؤ کی سلطان کو جب یہ خبر

پہنچی تو اس کو بڑا رنج ہوا۔

''آپ دیگر نہ ہوں سلطان۔اجازت دیجئے کہ میں جا کر دشمنوں کو مار بھگاؤں'' میر قمرالدین نے سلطان سے عرض کیا۔

''نہیں میں شکست سے حوصلے ہارنے کا عادی نہیں۔مگر اب وقت نکل گیا کہ بنگلور پر حملہ کیا جائے۔اس سے ہماری طاقت بلا وجہ زائل ہو گی۔'' سلطان نے کہا۔غرض لارڈ کارنوالس چار ہزار سے زائد ہندوستانی سپاہ اور ایک ہزار گورے قلعہ بنگلور کی حفاظت کے لئے چھوڑ کر دیوان ہلی کی طرف بڑھا۔دیوان ہلی وہی مبارک مقام تھا جہاں سلطان شہید پیدا ہوا تھا۔اس شہر کو بڑی فوجی اہمیت حاصل تھی۔اس نواح میں اس وقت میر حسین علی مامور تھا اس کی دھاک انگریزوں پر بھی بیٹھی ہوئی تھی۔اسی لئے سلطان نے اس کو اس علاقہ سے نہیں ہٹایا تھا۔مگر نادکِ محبت کے مارے ہوئے اس کو اس اہم مقام سے ہٹا کر رہے۔

ادھر سلطان اپنے قریب آ جانے والے دشمنوں سے نبرد آزما تھا۔اسے یہ بھی یاد نہ رہا کہ اس نے قاصد سے وعدہ کیا تھا کہ حالات کا معائنہ کرنے وہ کورگ آئے گا مگر دو ماہ گذر چکے تھے۔وہ نا جا سکا تھا۔مہمات سے سر اٹھانے کی فرصت نہیں ملتی تھی۔لیکن ادھر حسین کورگ کے علاقہ کی حسین سیاست کنانور میں ایک معصوم دوشیزہ رانی اپنے محبوب کی یاد میں تڑپ تڑپ کر اپنا برا حال کر چکی تھی۔جب ایک عرصہ دراز گزار جانے پر بھی اسے حسین علی کی نہ تو کوئی خیر وخبر پہنچی نہ اس نے اس طرف کا رخ کیا تو رانی بالیا کی نازنین ہستی یاس کا شکار ہو گئی۔

''میری رانی۔بھگوان کے لئے دل مضبوط رکھئے۔میرا دل گواہی دیتا ہے کہ اپنی مصروفیات سے فرصت پا کر حسین علی ضرور آئے گا۔'' رانی کی مسلسل غمگینی و پریشانی سے تنگ آ کر ایک دن رامن نے کہا۔

''ہاں ضرور آئے گا۔مگر میری راکھ پر پھول چڑھانے'' رانی نے افسردہ تبسم سے کہا۔

''ایسی بات منہ سے نہ نکالئے۔خیر دیکھئے میں دوبارہ سلطان کو یاد دہانی کراتی ہوں کہ جلد حسین علی کو کورگ کی طرف روانہ کر دے۔'' رامن نے کہا۔

''نہیں رامن بار بار سلطان کو پریشان نہ کرو۔دشمنوں نے اسے پہلے ہی دق کر رکھا ہے۔مجھے اپنا رازِ دل لئے چپ چاپ مر جانے دو۔''

''مریں آپ کے دشمن۔یہ حسین علی بھی بڑا ہی احمق وسنگدل انسان ہے کہ سب

ONE URDU FORUM . COM
® SCANNED PDF By HAMEEDI

کچھ جانتے ہوئے بھی اس طرف آ کر نہیں جھانکتا۔'' رامن نے کہا۔

''حسین علی کو گالیاں نہ دو رامن۔اس کے علاوہ وہ بیچارہ تو کچھ نہیں جانتا۔شروع سے میری ہی غلطی ہے۔'' فدائے محبت بالیا نے کہا۔

''اگر آپ اسے اپنی غلطی سمجھتی ہیں تو اس بے وفا کو بھول جانے کی کوشش کیوں نہیں کرتیں۔''

''کروں گی۔حالانکہ یہ ممکن نہیں۔اس کی یاد میرے دل سے کبھی نہیں نکلے گی۔'' حسین بالیا نے سر کے نیچے سے تکیہ کھینچ کر کہا اس کے بعد گوہر کے چند دانے اس کے گلاب سے رخساروں پر ڈھلک آئے۔

ONE URDU FORUM . COM
® SCANNED PDF By HAMEEDI

باب نمبر36

رانی کی حالت پھر خراب ہونے لگی۔اس مغرور وحکمران حسینہ نے آج تک کسی سے محبت نہیں کی تھی حالانکہ اس کا زمانہ خواہاں تھا۔بڑے بڑے مرہٹے سرداراس کے پاس اپنے پیغامات بھیج چکے تھے۔آس پاس کے رؤسا۔امرا اور راجہ اس کی نازنین ہستی کے طالب ہوئے تھے۔بڑے بڑے شجاعانِ وہراس نازک اندام قاتلہ کے در پر جبہ سائی کر چکے تھے۔مگراس جلادلڑکی نے اب تک کسی کواپنی چشمِ التفات سے نہیں نوازا تھا۔لیکن ایک پردیسی ایک اجنبی جواپنی شجاعت وتدبر میں یگانۂ روزگار تھا۔کنانور میں وارد ہوکراس ہمہ گریز دوشیزہ پرایسا چھا گیا تھا کہ اس کے چلے جانے کے بعدوہ زندگی سے بیزار ہوگئی تھی۔

رامن سے اب اپنی محبت پرست وحسین رانی کی حالت نہیں دیکھی جارہی تھی مگر کوئی تدبیر ذہن میں نہیں آرہی تھی کہ کیونکراس مفقود الخبر شخص کوتلاش کیا جائے جس کے بغیراس کی مخدومہ زندہ نہیں رہ سکتی تھی پھراسکی تلاش کا مسئلہ اس قدر نازک تھا کہ کسی شخص کے سامنے پیش نہیں کیا جاسکتا تھا۔کیونکہ یہ معاملہ رانی کی عزت ووقار کا تھا۔ہزار دشمن تھے ہزار دوست تھے۔اگرانہیں موقع مل گیا تووہ عفیف بالیا کورسواوبدنام کئے بغیر نہ رہیں گے۔

ان حالات میں اس کے سوا کوئی چارۂ کارنظر نہیں آتا تھا کہ رحمدل ومردم پرور سلطان ہی سے رجوع کیا جائے۔مگر پھر یہی سوال سامنے آتا تھا کہ رجوع کون کرے مرہٹے شب وروزاس کے خاتمے کی فکر میں لگے ہوئے تھے۔

بالیا کی محبت کا معاملہ سلطنتِ خداداپرآئی ہوئی آفت کے مقابلہ میں کچھ نہ تھا مگر جولڑکیاں بالیا سے محبت کرتی تھیں ان کے نزدیک کرۂ ارض کی تباہی اتنی افسوسناک نہ تھی جتنی اس کی محبوب سہیلی کا نامعلوم اضمحلاکئی روز کے غوروخوض کے بعد آخر رامن اپنی آخری تدبیر آزمانے پر مجبور ہوگئی۔اس نے اپنی اسکیم سے خودرانی کوبھی آگاہ نہیں کیا۔بہت سے تحفے تحائف جمع کئے۔دس سوار ساتھ لئے اور ہمراہی کے لئے صرف اپنی ایک کنیز کو پالکی میں بٹھایا اورسرنگاپٹم کی طرف روانہ ہوئی۔تاکہ سلطان کی خدمت میں بازیابی حاصل کرسکے۔

لیکن اسے راہ ہی میں اطلاع ملی کہ سرنگاپٹم تک پہنچنے کی راہ بہت مخدوش ہوگئی ہے۔کیونکہ انگریزوں کا بنگلور پر قبضہ ہوگیا تھا۔اس کے علاوہ خودسلطان اپنی دارالسلطنت میں موجود نہ تھا بلکہ کہیں بالاپور کی طرف تھا ان اطلاعات سے نوجوان رامن کو بڑی تشویش ہوئی۔اسے سب سے زیادہ یہ خوف تھا کہ اگرانگریزوں کے ہاتھ پڑگئی تووہ اس کے نوجوان وپُرشباب جسم کی اپنی بہمیت کی بناء پر دھجیاں اڑادینگے ان خدشات کی بناپرغریب رامن کو بالاپورتک پہنچنے کے لئے بڑا چکر کاٹنا پڑااوراس سفر میں اس کے کئی دن غارت ہوگئے۔دس روز کے سفر میں پندرہ روزصرف ہوچکے تھےاورابھی بالاپوردور تھا۔

ایک دوپہر کو پراؤ کے سلسلہ میں سب درختوں کی گھنی چھاؤں میں آکر رک گئے۔سواروں نے دور لے جاکراپنے گھوڑے کھول دیئےاورادھرادھر پھیل کردوپہر کی نیند نکالنے لگے۔رامن کی کنیز قریب میں چشمہ پرنہانے چلی گئی اور رامن پالکی میں پیر پھیلا کر وراز ہوگئی۔آخرتھوڑی دیر بعددوپہر کی غنودگی نے اسے بھی آلیااور چندہی منٹمیں وہ سوگئی۔

رامن ایسے بیخبرانہ انداز سے سوئی کہ اس کی ساڑی کھسک کرگھٹنوں تک آگئی پر شباب سینے کا آنچل کہیں سے کہیں جاپہنچااوراس کے درازوحسین بال اس کی گوری گردن اور تروتازہ چہرے پرمنتشر ہوگئے۔

ابھی رامن کوسوئے ہوئے پندرہ بیس منٹ ہی گزرے ہوں گے کہ قریب میں گھوڑے کی ٹاپ سنائی دی اورآناً فاناً میں کوئی سوار اس طرف نمودار ہوا۔کوئی انگریز سوار تھا۔بالکل نواجوان سالڑکااس کی عمراٹھارہ انیس سال سے زیادہ نہ ہوگی۔ہاتھ میں بندوق۔کمر میں تلوارمگرسر پرٹوپی غائب۔ایسا معلوم ہوتا تھاجیسے وہ یاتو کہیں سے بھاگ نکلا تھایا جنگل میں کہیں اس کی ٹوپی اتر کرآرہی تھی۔اس کا رنگ عتاب کی طرح سرخ تھا۔گہرے زردی مائل بھورے بال اور گہری نیلی بڑی بڑی آنکھیں بڑاوجیہہ نظرآرہا تھامگراس کے چہرے سے عجلت۔بدحواسی اور پریشانی عیاں تھی جیسے یاتو کسی کے تعاقب کا خوف ہویا اسے کہیں پہنچنے کی عجلت ہو۔

اس پرعجلت طاری تھی یا خوف کسی کونہیں معلوم۔مگرمست شباب ومست خواب رامن کے چہرے پرنظر پڑتے ہی اس کی عجلت بھی مٹ گئیاورخوف کوبھی بھول گیا۔اس کے بجائے حیران حیران اس کے حسین چہرے اورجسم پرنظریں گاڑکرکھڑا ہوگیا پھر جیسے

اسے کوئی کھینچ رہا ہو گھوڑے پر اسے اتر پڑا اور رامن کی پالکی کے قریب آ کر سحر زدہ سا کھڑا رہ گیا۔ کئی منٹ اس عالم میں گزر گئے۔ اس کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ اس لق ودق صحرا میں اس قدر بے فکری سے یہ کون حسین لڑکی سو رہی ہے۔ یہ کوئی دوشیزۂ بیابان ہے یا اس جنگل کی رانی۔

جس قدر اس انگریز بچے نے رامن کو دیکھا اسی قدر وہ اس کے حسن کے جادو سے مبہوت ہوتا چلا گیا۔ آخر اس سے نہ رہا گیا۔ شاید وہ ابھی اچھا سپاہی نہیں بن سکا تھا ممکن ہے وہ ہندوستان کی اس حسینہ کو دیکھ کر سحر زدہ ہو کر رہ گیا ہوتا۔ آخر اس سے رہا نہ گیا اور اس نے ایک شاعرانہ اقدام کیا۔ پہلے رامن کے تلوے سہلائے پھر اس کی گداز رانوں پر اپنا سر رکھ گیا۔

شاید رامن کی نیند ابھی کچی تھی اسے تلووں میں گدگدی کا ہلکا سا احساس ہوا پھر اپنی رانوں پر ہلکا سا دباؤ محسوس کیا۔ اس نے کروٹ لینی چاہی مگر مڑا نہیں گیا۔ آخر اس کی آنکھ کھل گئی۔ اور اس نے اپنے اوپر ایک بہت شکیل یورپین نوجوان کو جھکا ہوا دیکھا۔ لڑکی کی شکل پر نظر پڑتے ہی رامن کے حلق سے ایک خوف کی چیخ نکلنے والی تھی کہ نوجوان نے جلدی سے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔ پھر مسکرا کر انگریزی میں اس سے کچھ کہا۔

رامن انگریزی کا ایک لفظ بھی نہیں سمجھتی تھی۔ اب ایک نوجوان انگریز کے قبضہ میں خود کو پا کر اس کا کلیجہ دھک سے ہو گیا اور اسے خوف ہوا کہ آخر انگریزوں کے ہاتھوں میں پڑ گئی۔ لیکن یہ دشمن انگریز کس قدر وجیہہ تھا۔ اس نے رامن کی نہ کوئی بے عزتی کی تھی نہ اسے کوئی گزند پہنچایا تھا بلکہ اس کے منہ سے فوراً ہی ہاتھ ہٹا لیا تھا اس کے بعد وہ اسکے بال اور ہاتھ چومنے لگا تھا گویا طالبِ صلح دوستی تھا۔

''کیا چاہتے ہو تم مجھ سے۔ کون ہو تم؟'' رامن نے اس سے اپنی زبان میں دریافت کیا۔ انگریز نوجوان بھی اس کی بولی مطلق نہیں سمجھتا تھا۔ اس لئے اس نے ہنس کر سر ہلایا۔ پھر دوسری دفعہ اس کے ہاتھوں کو طویل پیار کیا۔ رامن کے پرشباب جسم میں ایک سنسنی سی دوڑ گئی۔ کیونکہ جو شخص اس کی دست بوسی کر رہا تھا وہ اسے بڑا دیدہ زیب نظر آ رہا تھا۔

''تم کون ہو اور تمہارا کیا نام ہے؟'' انگریز نے بھی مسکرا کر رامن سے یہی سوال کیا۔ وہ سمجھتی تو کوئی جواب دیتی اس کی طرف دیکھنے لگی۔ نوجوان نے جھک کر اس کی خوبصورت آنکھوں کو چوم لیا۔ رامن نے آہستہ سے اس کا منہ ہٹا دیا۔

ONE URDU FORUM . COM
® SCANNED PDF By HAMEEDI

اب بڑی مشکل یہ پیش آئی کہ دونوں ایک دوسرے کی بولی نہیں سمجھ رہے تھے۔ آخر اشارے سے چلنے لگے۔ نوجوان نے پہلے اپنے گھوڑے کی طرف اشارہ کیا۔ پھر ایک سمت بتائی۔ اس کے بعد ہاتھ چوڑے کئے۔ شاید اس کا مفہوم یہ تھا کہ بہت دور سے آ رہا ہے اور دور جا رہا ہے۔ رامن کچھ سمجھی کچھ نہیں سمجھی۔ اس نے بھی ایک راہ کی طرف اشارہ کیا پھر اپنی پالکی کے انداز اشارہ کیا۔ یہ بتانا مقصود تھا کہ ہم بھی دور سے آ رہے ہیں۔ لیکن شوریدہ سر نوجوان اس کا مطلب یہ سمجھا کہ اس کو پالکی کے اندر آنے کی دعوت دے رہی ہے۔ چنانچہ ہنستا ہوا زقند بھر کر پالکی میں آ کودا اور رامن کو ہاتھوں کے درمیان لے لیا۔ وہ تڑپی اور اس کو دھکیلنے لگی۔ نوجوان شاید اس کا مقصد سمجھ گیا اور اشاروں سے معذرت خواہ ہوتا ہوا پالکی سے نکل آیا۔ رامن نے نگاہوں سے اس کا ہلکا پھلکا سا شکریہ ادا کیا اور اس خوف وکشمکش۔ دلچسپی اور سنسنی کے درمیان پہلی بار رامن کے لبوں پر مسکراہٹ آ گئی۔ نوجوان نے اپنے ہونٹوں پر ہاتھ رکھ کر رامن کے خوبصورت ہونٹوں کی طرف پیار روانہ کیا۔

دونوں نوجوان تھے۔ دونوں پر شباب تھے۔ ایک بجلی دوسری بجلی کے سامنے گھومنے لگی تھی۔ اس لئے دونوں یہ تو سمجھ گئے کہ باہمی پسندیدگی پیدا ہو چکی ہے۔ مگر تعارف کے باب میں اب بھی دونوں ایک دوسرے کے لئے اجنبی تھے۔ نوجوان اپنی دونوں کہنیاں پالکی پر ٹیک کر مشتاقانہ حسین رامن کو دیکھنے لگا اور رامن بھی کبھی لجاتی، کبھی مسکراتی نوجوان کے انگارے کی طرح سرخ رنگ، سنہری بال اور نیلی نیلی آنکھوں کی طرف نظر اٹھا کر دیکھ لیتی تھی۔

''اب تم جاؤ۔ میری کنیز آتی ہوگی''۔ آخر رامن بیدار ہوئی اور گھبرا کر بولی۔ اس طرح بولی جیسے اسکا پسندیدہ نوجوان اس کی زبان کو سمجھتا ہے۔ وہ صرف لاعلمی میں ہنسنے لگا اور ہنستا ہوا رامن کو اور بھی اچھا معلوم ہوا۔

نوجوان نے باہر سے بازو پھیلائے پھر دل کی طرف اشارہ کیا۔ یہ بہت صاف کنایہ تھا۔ اس کا پورا مفہوم شاید رامن کی سمجھ میں آ گیا تھا۔ اس لئے اس نے شرما کر گردن جھکا لی۔ نوجوان نے سہولت سے اس کا منہ اونچا کیا اور پھر ہنسا۔ اس دفعہ رامن نے بے اختیار اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا کہ زور سے نہ ہنسے اس کے بعد دور سوتے ہوئے اپنے سپاہیوں کی طرف اشارہ کیا۔

نوجوان نے سپاہیوں کو اب تک دیکھا بھی نہ تھا۔ اب جوان پر اس کی نظر پڑی تو

ایک دفعہ اس کی مسکراہٹ اور زندہ دلی مٹ گئی۔ مگر اس نے گردن ہلا کر کسی چیز کی نفی کی جیسے اب اس کو کسی کی پرواہ نہیں۔ پھر سہولت سے رامن کی گداذ باہیں پکڑ کر انہیں چومنے لگا۔ رامن نے اس کے خوبصورت بال انگلیوں میں بھر لئے اور بیخود سی ہوگئی۔ آخر پھر سرور وکیف کے مابین بولی۔

''اب چلے جاؤ۔ ایسا نہ ہو کہ میرے سپاہی تمہیں پکڑ لیں۔'' اس نے پھر سپاہیوں کی طرف اشارہ کیا اور اس کی بندوق پر ہاتھ رکھا جس کا مطلب یہ تھا کہ کہیں تمہیں مار بھی نہ ڈالیں۔ نوجوان نے اپنی بندوق اور تلوار رامن کی گود میں ڈال دی گویا کہہ رہا ہو کہ مجھے تم پر اعتماد ہے۔ اگر تم میرے ساتھ ہو تو کوئی میرا بال بیکا نہیں کر سکتا۔ رامن نے اس کے اسلحہ واپس کرنے چاہے مگر نوجوان دور ہٹ گیا۔ رامن نے مسکراتے ہوئے اشارہ کر کے اسے قریب بلایا اور اس کے سفید سفید ہاتھوں پر اپنے نازک نازک ملائم ملائم ہاتھ پھیرتی رہی۔ پھر بندوق اٹھا کر اس کو دے دی اور اس کے گھوڑے کی طرف اشارہ کیا کہ اس پر سوار ہو کر چلا جائے۔

مگر اس بار بھی نوجوان نے ہنس کر سر ہلا دیا۔ پھر اس کی پیشانی سے اپنی پیشانی لگا دی۔ اسکے بعد اس کے رخسار پر اپنا رخسار رکھ دیا۔ اس طرح دونوں تمام آلام وخطرات کو بھول کر بیخود ہو گئے۔ عین اس عالم میں رامن کی کنیز نہا کر آ گئی مگر دونوں میں سے ایک کو اس کی خبر نہیں ہوئی۔ کنیز کی نظر پہلے گھوڑے پر پڑی اس کے بعد اس نے اپنی مخدومہ کے گلے سے انگریز کو لپٹا ہوا دیکھا۔ اس کا کلیجہ دھک سے ہو گیا۔ وہ احمق سمجھی کہ انگریز رامن کا گلا گھونٹ رہا ہے پہلے تو اس نے ایک خوف کی چیخ ماری اور چلاتی ہوئی سپاہیوں کی طرف دوڑی۔

''سپاہیو دوڑو۔ دشمن نے اپنی مالکن کو مار ڈالا''۔

اس کی چیخ اور ہڑبونگ سے دونوں ہوشیار ہوئے۔ اور گھبرا کر علیحدہ ہو گئے۔

رامن تو یہ دیکھ کر خوف سے تھرا اٹھی کہ سپاہی بندوقیں تانے دوڑے چلے آ رہے ہیں مگر نوجوان اطمینان سے کھڑا رہا۔ اس نے اپنی بندوق اٹھائی تک نہیں گویا اپنی محبوبہ کے سامنے مر جانا اس کے لئے عین حاصل حیات تھا۔

ONE URDU FORUM . COM
® SCANNED PDF By HAMEEDI

باب نمبر 37

ایک سپاہی نے بندوق تانی اور قریب تھا کہ انگریز نوجوان کے گولی مار دے مگر رامن ایک دم چیخ کر بولی خبردار۔ اس کو مارنا نہیں۔'' سپاہی نے بندوق نیچی کر لی۔ اس کے بعد سب نے آ کر اس کو گھیر لیا اور اس کے ہتھیاروں کو اپنے قبضہ میں کر لیا پھر سپاہیوں کا افسر رامن کے قریب آیا تا کہ معلوم کرے کہ آیا اسے کوئی گزند تو نہیں پہنچا۔

''یہ انگریز کدھر سے آ گیا تھا رانی؟''

''کیا خبر میں تو سو رہی تھی۔'' رامن نے جواب دیا۔

''یہ انگریزوں کا جاسوس معلوم ہوتا ہے۔ ہمارے سلطان اور ملک کے خلاف جاسوسی کر رہا ہے۔ اگر آپ کہیں تو اس کو یہیں گولی مار دوں۔''

''شکل سے تو یہ جاسوس نظر نہیں آتا۔ اس کے علاوہ کسی پر جرم ثابت کئے بغیر مارنا ناانصافی ہے۔'' رامن نے جواب دیا۔

''آپ کی مرضی۔ ہم حضور سلطان کے پاس تو چل ہی رہے ہیں اب اس شخص کے متعلق فیصلہ وہی کریں گے۔'' افسر نے کہا۔ اس کے بعد اس نے سپاہیوں کو حکم دیا کہ اس کی مشکیں کس لو۔

''اس کی بھی کیا ضرورت ہے۔ تم نے ہتھیار اس سے چھین ہی لئے ویسے ہی اس کو گھیرے میں لے کر سفر کیا جائے۔'' رامن نے کہا۔

''نہیں رانی انگریز بڑے مکار ہوتے ہیں۔ یہ بھاگ جائے گا۔'' افسر نے کہا اور اپنے گھوڑے کی رسی کھولنے لگا تا کہ نوجوان انگریز کی مشکیں باندھ دے۔ نوجوان نے ایک نظر رامن کی طرف دیکھا پھر مسکراتا ہوا اس کی طرف آیا اور اپنا رومال اس کو پیش کر کے اپنے دونوں ہاتھ اس کی طرف بڑھا دیئے۔ رامن اپنے ماتحتوں کے سامنے اس کی طرف التفات نہیں کر سکتی تھی۔ اس لئے اس نے اس کا رومال ایک طرف ڈال دیا پھر سپاہیوں سے بولی۔

ONE URDU FORUM . COM
® SCANNED PDF By HAMEEDI

''اچھا اب سفر شروع کیا جائے۔'' غرض پالکی برداروں نے رامن کی پالکی اٹھائی سوار اپنے اپنے گھوڑوں پر سوار ہوئے۔نوجوان انگریز کے ہاتھ پیچھے کی طرف باندھے گئے۔اور سب روانہ ہوئے۔

اپنے گمنام و اجنبی عاشقِ زاد کو اس حالت میں پا کر رامن کا نازک دل دکھنے لگا۔شاید نوجوان پیاسا تھا تھوڑی دور چل کر اس نے اشارے سے پانی مانگا اس پر قریب والے سوار نے اس کے ایک تھپڑ رسید کیا۔رامن نے جو یہ دیکھا تو سوار کو ڈانٹا اور اس کو پانی پلوایا۔نوجوان نے اپنی رحمدل محبوبہ کا نگاہوں سے شکریہ ادا کیا اس پر صعوبت سفر میں جب کبھی رامن کی پالکی اس کے زاویۂ نگاہ میں آجاتی تو وہ پراشتیاق نظروں سے اس کو دیکھنے لگتا تھا۔رامن بھی سب کی نظریں بچا کر اس کی جانب دیکھ لیتی تھی۔اور مسکرا دیتی تھی۔

رات کو پڑاؤ کے موقع پر اس کو اچھی طرح باندھ دیا جاتا مگر رامن کی توجۂ ناز کے طفیل میں اس کو بھوکا نہ مارا گیا۔اس طرح ایک طویل مسافت طے کر کے آخر یہ قافلہ بالا پور کے قریب جا پہنچا۔اسی وقت سواروں کو دوڑا کر سلطان کی خدمت میں بھیجا گیا تا کہ اس چھوٹے سے قافلہ کی آمد سے اس کو مطلع کیا جائے۔اسے ایک انگریز کی گرفتاری کے واقعہ سے بھی باخبر کیا گیا۔اور یہ بھی بتایا گیا کہ کنانور کی معتمد دیوان لڑکی حاضر خدمت ہوئی ہے اور باریابی کی متدعی ہے۔

سلطان نے باوجود اپنی مصروفیات کے رامن کے لئے ایک علیحدہ پرتکلف خیمہ کا انتظام کیا۔پھر چونکہ اپنے تقوے کی بنا پر نہ تو از خود عورتوں کے سامنے جاتا تھا ورنہ ان کو اپنے مواجہ میں بلاتا تھا۔اس لئے رامن سے بھی اس نے پردہ کیا۔حالانکہ رامن اس نیک سلطان کی رعایا میں سے تھی اور اس کے درِ دولت پر حاضر ہوئی تھی۔باریابی کی منتظر تھی۔

''کس طرح آنا ہوا آپ کا؟'' سلطان نے رامن کو پس پردہ بٹھا کر شفقت سے دریافت فرمایا۔اس کے حضور میں وہ نوجوان انگریز بھی لایا گیا تھا جس کو باہر سپاہی دھوپ میں لئے کھڑے تھے۔

''میری آمد کسی اہم سیاسی معاملہ کی بنا پر نہیں ہے۔اس لئے حضور پریشان نہ ہوں۔بلکہ یہ عرض کروں گی کی پہلے اس گرفتار شدہ انگریز کے مرافعہ سے فرصت پا لیں۔'' رامن نے مؤدبانہ کہا۔

''اس انگریز کا کیا قصہ ہے اور یہ کس طرح گرفتار ہوا آپ کے سواروں نے ہمیں یہ اطلاع دی تھی کہ آپ دوپہر کو جنگل میں سو رہی تھیں کہ وہ کہیں سے نمودار ہوا اور آپ کا گلا گھونٹنے کو کوشش کر رہا تھا''۔سلطان نے کہا۔

''اس کے نمودار ہونے کے راز سے میں بھی مطلق بے خبر ہوں۔ یہ درست ہے کہ مجھے سوتا دیکھ کر وہ میری پالکی کی طرف آیا تھا مگر اس نے میرا گلا دبانا تو کجا مجھے چھوا تک نہ تھا بلکہ جب بیدار ہو کر میں خوف زدہ ہوئی تو اس نے اپنی بندوق اور تلوار میرے سامنے ڈال کر خود کو نہتا کر دیا تھا''۔رامن نے کہا۔ زیرک سلطان ان الفاظ کو سن کر ذرا مسکرایا پھر بولا۔

''کیا آپ اس نوجوان کی ہم سے مدافعت کی خواہاں ہیں''؟

''مطلق نہیں اس کو سزا دینا یا رہائی بخشنا حضور کے اختیار میں ہے۔ اگر وہ فی الحقیقت انگریزوں کا جاسوس اور ہمارا دشمن ثابت ہو تو حضور اسے ضرور سزا دیں۔میں نے جو کچھ دیکھا ہے اور از ابتدا اس کا ہمارے ساروں کے ساتھ طرز عمل رہا ہے وہ من وعن میں اعلیٰ حضرت سے بیان کر دوں گی''۔

''اچھا تو پہلے اسی شخص کے مقدمہ کو فیصل کیا جاتا ہے۔آپ کے آنے کی غرض اس کے بعد دریافت کی جائے گی''۔سلطان نے کہا اور کسی کو بھیج کر نوجوان انگریز کو طلب کیا۔

سلطان نے اس نوجوان کو سر سے پیر تک بغور دیکھا۔قیاس شناسی میں اسے دسترس حاصل تھی جرم و گناہ کے آثار کے بجائے اس نوجوان کے بشرے پر اس نے معصومیت پائی اور وجاہت سے دل کا صاف نظر آیا۔ سلطان کو چھ سات زبانیں آتی تھیں۔چونکہ فرانسیسی اس کے ہاں ملازم تھے اس لئے فرنچ بھی بے تکلف بولتا تھا مگر انگریزی کم آتی تھی اس لئے مترجم کو بلایا گیا۔

مترجم نے سلطان کے ارشاد کے بموجب نوجوان کے ہاتھ میں انجیل دی اور سوال کیا

''تمہارا اس کتاب پر اعتقاد ہے''؟

''پہلے تھا۔اب نہیں ہے اب میں مسلمان ہوں اور میرا اعتقاد قرآن پاک پر ہے''۔نوجوان نے جواب دیا۔

''اس کا کیا ثبوت ہے کہ تم مسلمان ہو گئے ہو تمہاری عمر تو اتنی کم ہے اسلام کا مطالعہ تم نے کہاں''؟ سلطان کے ایما سے سوال کیا گیا۔

''مجھے انگلستان سے آئے ہوئے ابھی صرف چھ ماہ ہوئے ہیں۔ ہندوستان

کے عجائبات دیکھنے کا مجھے بچپن سے ہی شوق تھا۔ مگر یہاں آنے کا ذریعہ فوج میں بھرتی ہونے کے علاوہ اور کوئی نہ تھا۔ لیکن جنگ وجدال کو میں شروع ہی سے پسند نہیں کرتا آخر مجھے فوج کے ساتھ آنا پڑا''۔نوجوان نے اپنے حالات سناتے ہوئے کہا۔پھر خاموش ہوگیا شاید سلطان کوئی سوال کرے۔ سلطان نے کوئی سوال نہیں کیا تو اس نے اپنی کہانی جاری رکھتے ہوئے کہا۔

''ایک ماہ تک مجھے کلکتہ میں رکھا گیا۔پھر مدراس بھیج دیا گیا۔ تین ماہ مدراس رہا پھر نواب کرناٹک کو حضور کے خلاف انگریزی فوج کی ضرورت تھی چنانچہ میرا بھی کرناٹک تبادلہ کردیا گیا۔ یہاں میں نے ایک مسلمان عالم دین کو دیکھا جو انگریزی کم جانتے تھے مگر فرنچ زیادہ۔ مجھے فرنچ کی زیادہ مہارت نہیں مگر میں مولینا سے فرنچ ہی میں تبادلہ خیالات کیا کرتا تھا۔ انہوں نے مجھے اسلام کے محاسن سے باخبر کیا۔ پھر میں نے ان کے ذاتی کردار کو دیکھا تو اس کو بھی بہت بلند پایا۔ ان چیزوں کا درحقیقت جو طبیعت پر ایسا اثر پڑا کہ چند ہی روز میں مولینا کے ہاتھ پر اسلام لے آیا''۔نوجوان ذرا خاموش ہوا سلطان کو متوجہ پا کر پھر بولا۔

''مگر میرا اسلام لانا غضب ہوگیا۔ میری قوم نے مجھے بے حد برا بھلا کہا بعض نے زدوکوب تک کیا میرے انگریز ساتھیوں نے اتنا ہی نہیں کیا کہ میرے مسلمان ہوجانے کی شکایت نواب کرناٹک سے بھی کی۔میری حیرت کی انتہا نہ رہی کہ نواب اتنا غصہ ہوا گویا مجھ سے کوئی جرم سرزد ہوگیا ہے۔ اسلام سے برگشتہ کرنے کو اس نے میرے بیس کوڑے مارے اور میرے مولینا کو بھی جیل میں بند کردیا''۔یہ کہہ کر نوجوان نے اجازت لے کر اپنی پشت دکھائی جس پر کوڑوں کے نشانات موجود تھے۔

آخر مجھے لارڈ کارنوالس کے سپرد کردیا گیا جس نے مجھ سے غلاموں کا سا سلوک روا رکھا کیونکہ میں مسلمان ہوگیا تھا۔ قوم کا پاس بھی اس کے دل سے نکل گیا تھا۔ ان تمام شدائد سے تنگ آکر بالآخر میں ایک رات کو کیمپ سے نکل بھاگا اور تقریباً دو ماہ سے جنگلوں میں چھپتا پھر رہا تھا کہ اس قافلہ کے ہاتھ چڑھ گیا جس کی سردار یہ خاتون ہیں۔بہرنوع آج مجھے اپنی قسمت پر ناز ہے کہ ایسے سلطان کی خدمت میں آپہنچنے کا موقع مل گیا جو بازوئے اسلام ہے''۔نوجوان نے اپنی داستان ختم کی۔

سلطان غور سے اس کے حالات سنتا رہا۔ اسے اس کے الفاظ میں صداقت نظر

ONE URDU FORUM . COM
® SCANNED PDF By HAMEEDI

آئی تھی پھر بھی دوسرے ذرائع سے تصدیق ضروری تھی۔

''اچھا انہیں آرام سے نظر بند کیا جائے اور آسائش بہم پہنچائی جائے''۔سلطان نے حکم صادر فرماتے ہوئے کہا۔ اس کے بعد فارسی میں اپنے میر منشی سے کہا کہ کسی طرح لارڈ کارنوالس کے کیمپ میں معلوم کیا جائے کہ آیا وہاں سے کوئی نوجوان انگریز مفرور ہے''؟

نوجوان کو حراست میں رکھا گیا مگر یہ ایسی حراست تھی کہ اسے وہاں ہر طرح کی آسائش حاصل تھی۔ اب رامن کا پیارا چہرہ اس کی نظروں سے اوجھل ہوگیا تھا۔بس اس کا تکدّر اس پر چھایا ہوا تھا۔ آخر بلجاحت مترجم سے بولا۔

''کیا آپ مجھ پر ایک احسان کریں گے''؟

''بولو''۔مترجم نے جواب دیا۔

نوجوان ذرا رکا پھر بولا۔

''جو حسینہ مجھے گرفتار کرکے لائی ہے وہ میری زبان نہیں سمجھتی نہ میں اس کی۔ اس لئے براہِ کرم اس تک میرا یہ پیغام پہنچا دیجئے کہ میں اسے چاہتا ہوں۔ اسے خواب کی حالت میں دیکھ کر ہی میں اس پر مرمٹا تھا۔ بصد دل میں اسے چاہتا ہوں۔ بس آپ اس سے فقط اتنا کہہ دیجئے''۔مترجم ہنسا پھر بولا۔

''اچھا اگر وہ کوئی جواب نہ دے یا تمہاری محبت کو مسترد کردے تو کیا کروگے''؟

''یہ میری بدقسمتی ہوگی۔ آپ تو صرف میرے دل کا پیغام اس تک پہنچا دیجئے''

''خیر اطمینان رکھو میں موقع دیکھ کر تمہارے رازِ دل سے اس کو باخبر کردوں گا''۔مترجم نے کہا اور چلا گیا۔

باب نمبر38

اس مقدمہ سے فرصت پا کر سلطان رامن کی طرف متوجہ ہوا اسے تعجب ہوا تھا کہ ایک لڑکی اتما دور سرر کا سفر کر کے آخر کیوں آئی ہے۔ کورگ سے پہلے بھی ایک قاصد آ چکا تھا (ابھی سلطان کو معلوم نہیں ہوا تھا کہ جو معزز شخص پہلے کورگ سے آیا تھا وہ اس عہدیدار لڑکی کا والد ہی تھا) اب کی دفعہ ایک جوان لڑکی آئی تھی سلطان کو کنانور والوں کی عقیدتمندی و وفا شعاری کو دیکھ کر بڑی مسرت ہوئی تھی اور اس نے تہیہ کر لیا تھا کہ اگر کورگ والوں کی کوئی جائز شکایت ہوئی یا بجا مطالبہ ہوا تو عدیم الفرصتی کے باوجود پورا کرے گا۔

''اچھا اب بتایئے کس طرح آنا ہوا آپ کا''؟ سلطان نے رامن سے دریافت کیا۔

''یہ تو میں پہلے عرض کر ہی چکی ہوں کہ میرا آنا کسی سیاسی مسئلہ کی بنا پر نہیں ہے بلکہ ایک قلبی معاملہ کی بنا پر ہے''۔ رامن نے مسکرا کر جواب دیا۔

''کس معاملہ کی بنا پر''؟ سلطان اس کا مطلب سمجھ نہ سکا۔

''ابھی عرض کرتی ہوں۔ کچھ لب کشائی کرنے سے قبل یہ کہنا ضروری سمجھتی ہوں کہ مجھے کسی کی شکایت مقصود نہ ہوگی''۔ رامن نے حرفِ مطلب ادا کرنے سے پہلے خواہ مخواہ ادھر ادھر کی بات چیت شروع کی۔ دراصل سلطان کے سامنے وہ رانی کے واقعہ محبت کو پیش کرنے سے جھجک رہی تھی۔ سلطان کو متوجہ پا کر اسے ذرا حوصلہ ہوا اور بولی۔

''حضور کو یاد ہوگا کہ کورگ کی بغاوت فرو کرنے کے سلسلہ میں ایک بڑے سردار کو بھیجا گیا تھا جس کا نام میر حسین علی خان ہے اور جسے باغی خوفزدہ ہو کر بنکی نواب کہنے لگے تھے''۔

''کیا اس کے متعلق اہل کورگ کی کوئی شکایت ہے''؟ سلطان نے دریافت کیا۔

''جی نہیں! اس کے برعکس تمام کورگ کا علاقہ ان کے حسن سلوک کا مداح ہے''۔ رامن نے کہا۔

''پھر کیا بات کہنا چاہتی ہو۔ بات چباؤ نہیں صاف صاف کہو''۔ سلطان نے

ONE URDU FORUM . COM
® SCANNED PDF By HAMEEDI

مسکرا کر کہا۔ اس نے اندازہ لگایا تھا کہ یہ لڑکی کچھ کہنے میں جھجک رہی ہے۔

''حضور معاف فرمائیں۔ بات کچھ ایسی آپڑی ہے کہ اس کے اظہار میں میری زبان یاوری نہیں کرتی۔ مگر حضور والا ہمارے آقا ہیں اس لئے ہمت کر کے عرض کرتی ہوں۔ واقعہ یہ ہوا تھا کہ میر حسین علی خان صاحب اپنی سپاہیانہ گشت کے سلسلہ میں چھ ماہ کا عرصہ ہوتا ہے ہماری ریاست کنانور میں بھی آئے تھے۔ یہ تو حضور جانتے ہی ہیں کہ مالک نے جہاں انہیں اتنی شجاعت عطا کی ہے وہاں وہ اعلیٰ مردانہ وجاہت کے بھی مالک ہیں۔ خیر تو ہماری رانی بالیا بنو نے ان کا استقبال کیا اور میزبانی کے فرائض انجام دیئے مگر میری مالکہ میر صاحب سے اس درجہ متاثر ہوگئی تھیں کہ کوئی عورت کسی مرد کو دیکھ کر شاید ہی اتنی متاثر ہوئی ہوگی''۔

''متاثر ہونے سے آپ کی کیا مراد ہے''؟ سلطان نے دریافت کیا۔

''جی یہ کہ..... یہ کہ میری رانی بالیا کو میر صاحب سے شدید محبت ہوگئی۔ مگر میر صاحب نے اس کا ذرا اثر نہیں لیا بلکہ بے رحمانہ رانی کو تڑپتا چھوڑ کر دوسرے ہی روز چلدیئے۔ اس دن کے بعد سے انہوں نے پھر جا کر میری رانی کی خبر تک نہیں لی''۔ رامن نے کہا اور اپنی رانی کی وکالت میں حسین علی کے خلاف اس کا لہجہ شکائتی ہوگیا۔ سلطان پہلے تو ذرا جز بز ہوا پھر اس کے چہرے پر خوش طبعی کی مسکراہٹ آ گئی۔

''مجھے تم سے اور تمہاری رانی سے ہمدردی ہے لیکن میں اپنے ہاں کے کسی سردار کو کسی لڑکی کی طرف زبردستی ملتفت نہیں کر سکتا۔ حسین علی نے اپنا فرض ادا کیا تھا میری ہدایت ہے کہ ایک جنگجو سپاہی کو دل کے نازک معاملات اور نازک ہستیوں سے دور رہنا چاہیے''۔ سلطان نے کہا۔

رامن اس مایوس کن جواب کو سن کر سخت پریشان ہوئی۔ جوان و معزز لڑکی تھی پھر اپنی مخدومہ کو بھی بیحد چاہتی تھی۔ اس لئے اس نے اپنے کیس کو زیادہ جرأت و بیباکی سے پیش کرنے کا تہیہ کیا اور سلطان سے بولی

''مگر حضور سے مجھے امید ہے کہ اپنے کسی جنگجو سپاہی کو یہ ہدایت نہیں ہوگی کہ کسی معصوم دوشیزہ پر اپنی محبت کا جادو کر کے اسے تمام عمر خون کے آنسو رونے کے لئے چھوڑ آیا کرے۔ حسین علی کے چلے آنے کے بعد سے میری رانی جو صدمہ مفارقت سے بیدم ہو کر پڑی ہے تو شب و روز کی خلش سے اس کی جان پر بن آئی ہے۔ وہ برسوں کی بیمار نظر آنے

ناول کیلئے ون اردو کے شکر گزار ہیں

لگی ہے۔اگر حسین اس کی پرسش کو کنانور نہ آئے تو اس کی زندگی کی خیر نہیں''۔

ان الفاظ کو سن کر اب سلطان کو بھی افسوس ہوا اسے معلوم نہ تھا کہ رانی کا معاملۂ محبت اتنا رنگ لے آیا ہے کہ وہ حسین علی کی یاد میں رات دن تڑپتی رہتی ہے حسین علی کو یہ لازم تھا کم ازکم ازراہِ خدا ترسی ہی اسے جا کر رانی کی مزاج پرسی کرنی لازم تھی۔مگر اس احمق کو تو معلوم بھی نہ ہوگا کہ ایک ریاست کی مالکہ نے اس کے کارن اپنی زندگی تباہ کرلی ہے ممکن ہے حسین علی کنانور کی رانی کو یوں نہ چاہ سکا ہو کہ وہ کوئی حسین اور خوب صورت عورت نہ ہوگی۔ سلطان سوچ رہا تھا۔

''مجھے تمہاری مخدومہ کی سقیم حالت پر بے حد افسوس ہے لیکن پھر بھی حسین علی کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کرسکتا اس میں اس کا کیا قصور ہے کہ کوئی لڑکی ازخود اس پر عاشق ہوجائے پھر یہ بھی ممکن ہے کہ تمہاری رانی نے ایسی شکل وصورت نہ پائی ہو کہ جو حسین علی کے حواس کو متاثر کرسکتی''۔سلطان بولا۔

''حضور بے ادبی معاف فرمائیں جہاں تک میری مالکہ کی شکل وصورت کا تعلق ہے وہ چاند کا ٹکڑا ہے۔ایسی حسین لڑکی حضور کی تمام ریاست میں نہ ہوگی۔اس کے علاوہ اقدامِ محبت رانی کی طرف سے نہیں ہوا تھا بلکہ حسین علی صاحب نے گرویدگی کی ابتدا کی تھی۔ پھر نجانے کیا بات ہوئی کہ وہ اس کے باوجود دوسرے ہی روز چل دیئے تھے''۔رامن نے کہا۔

یہ معاملہ سلطان کی سمجھ میں بھی نہیں آیا تھا۔وہ عورتوں کی دنیا کا انسان نہ تھا۔ اسے ان چیزوں سے کوئی دل چسپی نہ تھی اور نہ فرصت۔ آخر رامن کی دل رہی کے طور پر اس نے اسے کوئی مشورہ دینا چاہا لیکن اب صلاح مشورے کا وقت نہ رہا تھا۔ کیونکہ بقول رامن کے رانی نے فرطِ غم سے اپنی حالت خراب کرلی تھی۔

''آخر اب آپ کیا چاہتی ہیں''؟ سلطان ان غیر حربی اور غیر سیاسی باتوں سے پریشان ہوکر بولا۔

''صرف اتنا کہ چند روز کے لئے حسین علی کو کنانور بھیجد یا جائے تاکہ رانی انہیں دیکھ کر صدمۂ جدائی سے رہائی پاسکے''۔رامن نے جواب دیا۔

''اگرچہ موجودہ حالات میں حسین کو محاذ پر سے ہٹانا مشکل ہے لیکن تمہاری رانی کی زندگی کی خاطر اگر ایسا کر بھی دیا جائے تو اس کی کیا ضمانت کہ حسین تمہاری رانی کو اپنی محبت واپسیں سے نوازیں گے بھی''۔سلطان نے کہا۔

ONE URDU FORUM . COM
® SCANNED PDF By HAMEEDI

''یہ حضور رانی پر چھوڑ دیں۔ مجھے معلوم ہے کہ حسین علی میری رانی کے حسن و جمال سے بچ کر نہیں نکل سکے تھے۔ اس لئے حضور کے حکم سے وہ بارِ دیگر کنانور آئیں گے تو ان کا دل رقت سے خالی نہ ہوگا''۔رامن نے کہا۔

سلطان دل میں متعجب تھا کہ یہ لڑکی اس کے مقابلہ میں دل کی کس قدر ماہر ہے۔ آخر اس نے کہا۔

''اچھا میں حسین علی کو کنانور روانہ کردوں گا۔تم اپنی رانی کو یہ مژدہ سنا سکتی ہو''۔ رامن نے سلطان کا شکریہ ادا کیا اور خوش خوش اپنے کیمپ میں چلی آئی۔

مگر رامن چاہتی تھی کہ حسین علی کو اپنے ہمراہ ہی لے کر روانہ ہو ورنہ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ چلی جائے لیکن حسین علی کسی مہم میں پھنسا رہنے کی وجہ سے روانہ نہ ہوسکے۔اس کے علاوہ اس کا دل نہیں چاہتا تھا کہ اپنے محبوب انگریز نوجوان کو چھوڑ کر چلی جائے۔ ہرچند وہ سلطان کی قید میں نہ تھا صرف نظر بند کیا گیا تھا۔ سلطان نے اس کے اصلی حالات معلوم کرنے کی تدابیر ضرور اختیار کرلی ہوں گی اور چند روز میں اس کے متعلق صحیح حالات کا پتہ چل جائے گا۔اپنے بیان سے تو وہ کاذب معلوم نہیں ہوتا تھا۔ویسے کسی کے دل کا بھید خدا کو ملحق۔

اس انگریز نوجوان کا عیسوی نام ولیم تھا اور اسلامی نام رشید رکھا گیا تھا۔ رامن کو ابھی رشید کے متعلق سلطان کے آخری فیصلہ کا انتظار تھا۔ اگر وہ اپنے بیان میں صادق نکلا تو سلطان سے اجازت لے کر وہ اسے حسین علی کی معیت میں کنانور لیجانے کا ارادہ کررہی تھی انہی اسباب کی بنا پر اسے اپنے مزید قیام کا جواز تلاش کرنا پڑا تھا اور وہ جواز صرف یہ تھا کہ وہ حسین علی کا انتظار کرے۔

''اگر حضور اجازت دیں تو میں حسین علی صاحب کا یہاں برائے چندے رہ کر انتظار کرلوں''۔دوسرے روز رامن نے پھر حاضر ہوکر سلطان سے عرض کیا۔

''کیا تمہیں ہمارا اعتبار نہیں۔ کیا تمہارا یہ خیال ہے کہ ہم تمہیں فقط ٹال رہے ہیں ورنہ ہمارا ارادہ حسین علی کو روانہ کرنے کا نہیں ہے''۔سلطان نے مسکرا کر کہا۔

''یہ بات نہیں حضور والا۔ بلکہ میری رانی کی حالت اب مزید انتظار کے قابل نہیں۔اگر میں نے جا کر ان سے فقط اتنا کہہ دیا کہ حسین علی جلد آنے والے ہیں تو ان کی تسکین نہیں ہوگی اسی بنا پر مجبور ہوں کہ میر صاحب کو اپنے ہمراہ ہی لے کر روانہ ہوں۔

امید ہے کہ حضور نے انہیں طلب تو فرمالیا ہوگا''؟ رامن نے پوچھا۔

''ہاں میں حسبِ وعدہ کل ہی پیغام خاص کے ساتھ آدمی روانہ کر چکا ہوں تم اطمینان وآرام سے یہاں رہو۔ میں سمجھتا ہوں کہ حسین علی میری طلبی کو معلوم کر کے اسی ہفتہ میں آجائیں گے''۔ سلطان نے کہا

''میں نے حضور کو بہت زحمت دی۔ کسی طرح حضور کے کرم ہائے بے پایاں کا شکریہ ادا نہیں کرسکتی۔ اگر میری رانی کی موت وزندگی کا معاملہ نہ ہوتا تو میں ہرگز حضور کے اہم محاربات میں مخل نہ ہوتی''۔ رامن نے کہا۔

''تم باتیں بڑی اچھی کرتی ہو۔ مجھے مسرت ہے کہ میری ریاست میں تم جیسی سمجھدار لڑکیاں موجود ہیں''۔ سلطان نے مسکرا کر کہا۔ رامن آداب بجالائی پھر اپنے کیمپ کی طرف روانہ ہوئی راہ میں مترجم کی اس پر نظر پڑی تو قریب آیا اور مسکرا کر بولا۔

''ولیم رشید کل سے آپ کے لئے تڑپ رہا ہے اگر زحمت نہ ہو تو ذرا کھڑی کھڑی اس کے پاس تشریف لے چلیں''۔ ولیم کا نام سنتے ہی رامن کے خوبصورت رخساروں پر حیا کی سرخی دوڑ گئی۔ مگر وقار سے کام لیتی ہوئی بولی۔

''کیوں۔ اس کو مجھ سے کیا سروکار؟ وہ حضور سلطان کا معتوب قیدی ہے''۔

''جی نہیں آپ کو مغالطہ ہوا۔ وہ معتوب قیدی نہیں ہے بلکہ نظر بند مہمان ہے''۔ مترجم نے کہا

''اچھا ہمیں معلوم نہ تھا لیکن اس نے ہمیں کیوں یاد کیا ہے۔ کیا وہ میرے ذریعہ سلطان کی خدمت میں کوئی سفارش چاہتا ہے''؟

''سفارش کا کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ وہ کوئی مجرم تو ہے نہیں۔ ممکن ہے آپ سے موجودہ حالات کے متعلق کوئی مشورہ چاہتا ہوں''۔

''اچھا چلیئے''۔ رامن نے جواب دیا اور خراماں خراماں مترجم کے ساتھ ہولی۔

ONE URDU FORUM . COM
® SCANNED PDF By HAMEEDI

باب نمبر39

مترجم نے جلد جلد آگے بڑھ کر چپکے سے خوش نصیب ولیم رشید کو اطلاع کی کہ وہ اس کی محبوبہ کو لے کر آیا ہے۔ اب مناسب یہ ہے کہ وہ خود اس سے اپنی کیفیات دلی بیان کرے اور اس کی حیثیت پیامبر کے بجائے صرف مترجم کی رہنے دے۔ رشید اپنی جان تمنا کی خبر آمد سن کر پھولا نہ سمایا دوڑ کر باہر نکلا تا کہ اس کا خیر مقدم کرے۔

دو شبانہ روز کے آرام کے بعد اور غسل ولباس سے اس وقت رشید بہت دیدہ زیب نظر آرہا تھا۔ رامن نے پہلے بمظر پسندیدگی وشوق اس کی طرف دیکھا پھر نظریں جھکالیں رشید نے مؤدبانہ اس کو سلام کیا پھر اس طرح ادب سے اس کی انگلیوں کو لبوں سے لگایا گویا انگلستان کی کسی ملکہ کی دست بوسی کر رہا ہے۔

''کیا آپ نے مجھے طلب کیا ہے؟ کیوں آخر''؟ رامن نے نگاہیں اٹھا کر دریافت کیا رشید نے اس شیریں سوال کا مطلب دریافت کرنے کے لئے مترجم کی طرف دیکھا۔ اس نے سمجھا دیا۔

''معاف کیجئے۔ آپ کو زحمت ہوئی۔ اس تشریف آوری کا شکریہ۔ بات یہ ہے کہ آپ کی زیارت کئے چھتیس گھنٹے گزر گئے تھے۔ دل نہیں مانا''۔ ولیم نے مترجم کے ذریعہ جواب دیا۔ رامن چپ ہوگئی۔

''کیا آپ نے اپنے متعلق جو کچھ سلطان سے کہا ہے سچ ہے''؟ آخر رامن نے دریافت کیا۔

''بالکل سچ۔ اگر میرا بیان غلط ثابت ہو تو آپ مجھے گولی ماردیں''۔ ولیم نے کہا۔

''میں کون گولی مارنے والی سلطان کے جلاّد کافی ہیں''۔ رامن نے بانداز محبوبانہ کہا

''مگر میری جلاد تو آپ ہی ہیں''۔ ولیم نے مسکرا کر کہا۔

''یہ بکواس ہے جس کو سننے کی میں عادی نہیں''۔ رامن نے جواب دیا۔

''اچھا تو باہوش وحواس عرض کرتا ہوں کہ میں بصدق دل و بہزار جان آپ کو چاہتا ہوں''۔ ولیم نے اس کے حسین چہرے پر نظریں جمائے کہا۔ رامن کا چہرہ شرم سے سرخ ہوگیا۔ ان کلمات سے اس کو بیحد مسرت ہوئی مگر ان کا جواب وہ مترجم کے ذریعہ نہیں دے سکتی تھی اس چیز کو ولیم نے بھی تاڑ لیا۔

چنانچہ اس سے منت سے بولا کہ چلا جائے۔ مترجم مسکراتا ہوا رخصت ہوا۔ اس کے جانے کے بعد پھر دو گونگوں کا اجتماع ہوگیا مگر شاید محبت ونفرت کے جذبات زبان کے ذریعہ نہیں بلکہ دل کے واسطہ سے سمجھے جاتے ہیں دونوں ہر چند ایک دوسرے کی زبان نہیں سمجھتے تھے مگر دنیا میں تمام دلوں کی بولیاں ایک ہی ہیں۔ رامن اور ولیم کے دل بھی آپس میں گفتگو کرنے لگے۔ ولیم نے محبت سے رامن کی نازک کلائی تھام لی۔ اس کو چوما پھر آنکھوں سے اس نے سب کچھ کہہ دیا۔ رامن بھی فرطِ کیف سے شرماتے شرماتے مسکرانے لگی۔

اس کی مسکراہٹ سے حوصلہ پا کر ولیم نے اس کو سہولت سے بازوؤں میں لے لیا۔ رامن نے پہلے کسی قدر کشمکش کی مگر پھر خاموش ہوگئی۔ کئی سیکنڈ تک دونوں اسی عالم میں کھڑے رہے۔ رامن نے منہ اونچا کر کے ولیم کی طرف دیکھا اور دونوں آنکھوں میں جیسے نشے کے لال لال ڈورے نمودار ہوگئے۔ اب زبان سے کچھ کہنے کی ضرورت نہیں رہی تھی۔ دل پیمانِ الفت باندھ چکے تھے۔ اور ہمیشہ کے لئے ایک دوسرے کے ہو چکے تھے۔ آخر رامن جدا ہوئی۔ پھر ولیم کے سنہری بالوں میں انگلیاں پھیرنے لگی۔ اس کے بعد جانے لگی جاتے جاتے ولیم نے اس کی خوبصورت گردن پر اپنے گرم گرم ہونٹ رکھ دیئے اس پیمانِ محبت کے بعد دونوں کی مسرت کی انتہا نہ رہی۔ اب رامن کو صرف یہ انتظار تھا کہ خدا کرے جلد ولیم رشید کے بیان کی تصدیق ہو جائے تا کہ اس کو اپنے ہمراہ کنا نور لے جائے اور وہاں پہنچ کر دونوں جلد بامراد ہوں۔

ادھر سلطان کا ایلچی طلبی کے لئے حسین علی کے پاس پہنچا تو وہ ایسے نازک موقع پر اپنے سلطان کی طلبی کا حکم سن کر حیران رہ گیا۔ اسے خیال ہوا کہ شاید دوری کی وجہ سے بھول گیا ہے کہ انگریز بنگلور پر قابض ہو گئے ہیں اور جب تک ان سے واپس بنگلور نہ چھین لیا جائے۔ ان کی مزید پیش قدمی نہیں رک سکے گی۔ آخر حسین نے سلطان کو جواب لکھ بھیجا کہ اس محاذ کو میرا چھوڑنا ناممکن ہے اس لئے معاف فرمایا جائے۔

ONE URDU FORUM . COM
® SCANNED PDF By HAMEEDI

سلطان خود محسوس کرتا تھا کہ جب تک انگریزوں کو بنگلور سے نہ نکالا جائے گا اس وقت تک یہ تمام علاقہ مخدوش رہے گا اور ایسے اہم محاذ پر سے حسین علی جیسے قابل اعتماد و بہادر جنرل کو ہٹانا دانائی کے خلاف تھا۔ اول تو سلطان کی فوج میں تجربہ کار اور بھروسے کے افسروں کی بہت کمی تھی۔ جن افسروں کو تجربہ تھا ان میں کئی انگریزوں کے ایجنٹ تھے جو اپنے آقا سلطان کی فوجی اسکیموں سے انگریزوں کو باخبر کر دیا کرتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ جس میدان یا محاذ پر سلطان نے انگریزوں پر حملہ کیا ان کو ہمیشہ کیل کانٹے سے مقابلہ کے لئے تیار پایا۔ وہ تو خدا نے سلطان کو غیر معمولی شجاعت اور بے انتہا آرزوِ شہادت بخشی تھی ورنہ وہ انگریزوں کو شکست نہیں دے سکتا تھا۔

اپنے اردگرد کے نازک حالات کے باوجود سلطان حسین علی کو رانی بالیا کی جانِ عزیز کی خاطر برائے چندے ہٹانے پر مجبور ہوگیا تھا۔ اگر اس بار حسین علی کنانور اپنی بیمار محبت رانی کے پاس نہ پہنچا تو وہ جان دے دیگی۔ سلطان نے خود بھی کسی عورت سے محبت نہ کی تھی مگر وہ محبت کے احترام سے خالی نہ تھا۔

آخر سلطان نے پھر حسین علی کو لکھا کہ تمہارا میرے پاس آنا نہایت ضروری ہے اپنی جگہ کمیدان سید احمد کو چھوڑ آؤ۔ وہ بھی بھروسے کا آدمی ہے اس باہمی نامہ و پیام میں رامن کے پندرہ روز کے قریب ضائع ہوگئے اور اس نے تہیہ کر لیا تھا کہ حسین علی کو اپنے ہمراہ لے کر ٹلے گی۔ فوجی آدمیوں کا کوئی بھروسہ نہیں ابھی وعدہ کر لیا مگر پھر کوئی معرکہ پیش آ گیا تو مقدم صرف جنگ رہ جاتی ہے اس کے علاوہ جن حالات میں سلطان کو اس کے دشمنوں نے گھیر لیا تھا ان کا تقاضا تھا کہ تمام جاں نثارانِ مملکت مجتمع رہیں۔

بہرنوع اس بار حسین علی کو سلطان کے ارشاد کی تعمیل کرنے کے سوا چارہ نہ رہا۔ لہٰذا وہ سید احمد کو بہت سی ہدایات کرنے کے بعد اپنا چارج اس کے سپرد کر کے سلطان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ سلطان اپنے طرفدار دودھ شریک بھائی سے بغلگیر ہوا اور ہنس کر بولا۔

''میں نے تمہیں برطرف کرنے کو طلب کیا ہے''۔

''آخر قصور''؟ حسین علی نے مسکرا کر پوچھا۔

''تم نے بڑا زبردست جرم کیا ہے۔ بہرحال اب میں نے تہیہ کر لیا ہے کہ کسی خوشرو افسر کو اپنی فوج میں نہیں رکھوں گا''۔ سلطان نے مسکرا کر کہا۔

''مگر پہلے آپ کو اپنا حلیہ بھی بگاڑنا پڑے گا بھائی صاحب''۔ حسین علی نے ہنس کر کہا۔

''اچھا کیا حالات چھوڑ کر آئے ہو''؟ سلطان نے دریافت کیا۔

''حالات اچھے نہیں ہیں ہمارے خلاف اب کے بہت بڑا پیمانہ پر تیاری کی جارہی ہے۔

''خدا پر بھروسہ رکھو۔ ہم بھی غافل نہیں ہیں۔ صرف اپنے درمیان میں جو غدار چھپے ہوئے ہیں ان پر نظر رکھنے کی ضرورت ہے''۔ سلطان نے کہا

''اچھا یہ بتایئے کہ مجھے کیوں طلب کیا گیا ہے۔ میں تو شاہی بلاوے سے اس دفعہ پریشان ہوگیا تھا''۔ حسین نے کہا۔

''تمہارا جرم یہ ہے کہ تم ایک بہت مضبوط قلعہ کو توڑ کر چلے آئے ہو اور اس کے اندر کی خونریزی کی تم نے پرواہ نہیں کی''۔ سلطان نے مسکرا کر کہا

''کون سا قلعہ ہے وہ۔ مجھے تو پچاسوں قلعوں پر زور آزمائی کرنی پڑی تھی لیکن جہاں تک یاد پڑتا ہے میں نے کبھی سا کنانِ قلعہ کو گزند تک نہیں پہنچایا۔ خونریزی تو کجا''۔ حسین علی نے متعجب ہو کر کہا۔

''تم نے ریاست کنانور کے قلعہ کو مسمار کر دیا ہے جو اتنا مضبوط تھا کہ آج تک کوئی اسے فتح کرنے میں کامیاب نہ ہوسکا۔ تم نے اتنا ہی نہیں کیا بلکہ خون بھی بہا کر آئے ہو''۔ سلطان نے کہا، اس بار مسکرایا نہیں

''یہ کیا کہہ رہے ہیں آپ بھائی صاحب کسی دشمن یا غدار وطن نے آپ کا دل برا کرنے کو میری جھوٹی شکایت کی ہوگی''۔ حسین علی نے دونوں ہاتھوں سے ازراہِ ارادت سلطان کا ہاتھ تھام لیا اور اسے لبوں تک لے گیا۔ سلطان اپنے دونوں دودھ شریک بھائیوں یعنی حسین علی اور حسن علی کو سگے بھائیوں کی طرح چاہتا تھا۔

''اچھا کیا تمہیں یہ قبول کرنے سے انکار ہے کہ تم ریاست کنانور گئے تھے''؟ اسبار سلطان نے مسکرا کر دریافت کیا۔

''ضرور گیا تھا مگر فوج لے کر نہیں بلکہ تن تنہا۔ کیونکہ ریاست کنانور ہماری نہایت وفادار ریاست ہے''۔ حسین علی نے کہا۔

''اچھا ہمیں وہاں کی تمام تفصیل سناؤ''۔ سلطان نے اسے اپنے قریب بٹھا کر کہا۔

''سبحان اللہ کتنی دلکش و حسین ریاست ہے وہاں کے پھول.....''۔

''میں تم سے وہاں کے قدرتی مناظر کے متعلق دریافت نہیں کر رہا ہوں۔ بلکہ جو

ONE URDU FORUM . COM
® SCANNED PDF By HAMEEDI

واقعات تمہاری ذات کے ساتھ پیش آئے تھے۔ وہ معلوم کرنا چاہتا ہوں''۔

''واقعات تو کوئی ایسے قابل ذکر پیش نہ آئے تھے میرے ساتھ''۔ حسین علی نے کہا اور مہ جبیں بالیا کا خیال آتے ہی اس کے چہرے کا رنگ بدل گیا اور دل کی دھڑکن تیز ہوگئی۔

''اچھا ہم ہی سے جھوٹ ہے شرط کہ تمہارے کان کھینچوں''۔ سلطان نے مسکرا کر کہا اور اس کے کان اینٹھنے لگا۔

''اچھا اچھا بتاتا ہوں۔ کان تو چھوڑیئے میرا۔ لیکن آپ کو کس طرح معلوم ہوا

''کیا معلوم ہوا''؟ تم تو کہتے تھے کہ وہاں کوئی بات پیش نہیں آئی''۔

''آپ تو بالکل ہی پیچھے پڑ گئے۔ بس اتنا ہوا تھا کہ میں نے کنانور کی رانی کو بھی دیکھا تھا۔ بڑی ہی متواضع ہے وہ''۔ حسین علی نے کہا۔

''سچ؟ ہمیں تو معلوم بھی نہ تھا کہ کنانور میں کوئی عورت حکمران ہے۔ بیچاری عمر رسیدہ عورت ہوگی جسے تم اپنے لڑکے کی مانند نظر آئے ہوگے''۔ سلطان نے اسی طرح مسکراتے ہوئے کہا۔

''نہیں تو۔ بالکل نوعمر لڑکی ہے اب آپ سے کیا چھپاؤں بھیا۔ وہ اس بلا کی حسین ہے کہ اسکی مثیل آپکی اتنی بڑی ریاست میں کوئی لڑکی نہ ہوگی۔ اس کے ساتھ ہی نہایت باحیا اور باوفا بھی۔ حسین علی نے کہا۔ سلطان ہنسنے لگا اسے مسرت ہوئی کہ حسین علی اپنی بیمار محبت لڑکی سے خود بھی متاثر معلوم ہوتا ہے۔ اگر متاثر تھا تو پھر یہ احمق اسے مایوسی کر کے مرنے کے لئے کیوں چھوڑ بھاگا تھا۔ سلطان کو تعجب ہوا۔

''خوب۔ اچھا تمہیں اسکی وفا کو پرکھنے کا کیسے موقع مل گیا''؟

''آپ تو بیکار جرح کرنے بیٹھ گئے بھیا''۔

''جواب دو میری بات کا''۔ سلطان نے ڈانٹ کے انداز میں کہا۔

''جایئے نہیں بتاتا۔ بگاڑ لیجئے کچھ میرا''۔ حسین نے چھوٹے بھائی کی طرح کہا۔

''اتنا ماروں گا کہ یاد کرو گے۔ بھول گئے بچپن میں تمہاری میں کیسی مرمت کیا کرتا تھا''۔ سلطان نے کہا۔

''اور آپ بھی بھول گئے۔ حضور ابا مرحوم اس پر آپ کی کس قدر خبر لیتے تھے''۔ حسین نے کہا۔

''اچھا ہمیں سچ سچ بتاؤ تمہیں اسکی وفا کے امتحان کا کیا موقع ملا تھا''؟ سلطان نے ملائمت سے پوچھا۔

''معاذ اللہ آپ تو پیچھا ہی نہیں چھوڑتے۔ایسا ہوا تھا..... یہ ہوا تھا''۔

''اب لڑکیوں کی طرح شرماؤ نہیں۔ وہ تو تمہیں معلوم ہے کہ آپ بڑے خوددار وباضابط بلکہ سنگدل بھی واقع ہوئے ہیں''۔سلطان نے مسکرا کر کہا۔

''لیکن آپ سے کم۔ خیر تو بتاتا ہوں۔ ہوا یہ تھا کہ اس ماہ جبیں لڑکی کو دیکھ کر بدقسمتی سے میں اپنے دل کو قابو میں نہ رکھ سکا تھا۔ آخر میں نے موقع پا کر گول مول الفاظ میں اپنے تاثرات کا اس سے اظہار کر دیا۔ مگر اس نے یہ کہہ کر میرے جذبات پر اوس ڈال دی کہ وہ کس اور خوش نصیب مرد کا انتخاب کر چکی ہے''۔

''کیا''؟ سلطان اس کے ان الفاظ پر چونک پڑا۔رامن نے تو اس سے یہ کہا تھا کہ رانی تنہا حسین علی کا دم بھرتی ہے اور اس کے صدمۂ مفارقت میں اس نے اپنی حالت زبوں کر لی ہے یہ آخر معاملہ کیا ہے؟

''بکتے ہو تم مجھے دھوکہ د... ہے ہو۔غریب بالیا کی تو تمہاری یاد میں جان پر بن آئی ہے۔وہ تمہارے خیال میں اپنی مخروں زندگی کے چند سانس گن رہی ہے اور تم یہ کہتے ہو کہ وہ کسی اور شخص کا دم بھرتی ہے''۔آخر سلطان نے کہا۔حسین ایک تلخ ہنسی ہنسا پھر بولا۔

''محبت میں آ کر مجھے تسکین کا ذب دینے کی کوشش نہ کیجئے۔ بھائی صاحب،وہ اپنی زبان سے کہہ چکی ہے کہ اس کا پسندیدہ انسان کوئی اور ہے آپ ناحق میرا غم غلط کرنے کو بے پر کی اڑا رہے ہیں''۔حسین نے کہا۔

''اچھا تو جناب کو غم لگ بھی چکا''۔سلطان نے ہنس کر کہا پھر بولا

''یا تو تم فاتر العقل ہو یا وہ لڑکی''۔

''کون لڑکی''؟حسین نے پوچھا

''ابھی تمہارا جھوٹ سچ کھولتا ہوں''۔سلطان نے کہا۔اس کے بعد اس نے رامن کو طلب کیا۔ جب وہ ذرا وقفے کے بعد آ گئی تو سلطان نے حسین سے پوچھا۔

''اچھا تم نے اس لڑکی کو پہلے کبھی دیکھا ہے''؟

''آپ نے تو مجھے بھی اپنے ساتھ پردے میں بٹھا رکھا ہے۔لڑکی کو یہاں بلائیے''۔حسین نے کہا۔

''تم انہیں پردہ ہٹا کر ایک نظر یہیں سے دیکھ لو''۔سلطان نے کہا۔حسین علی نے تعمیل کی اور رامن کو وہاں پا کر حیران رہ گیا۔

''آپ ہیں! یہاں کہاں''؟اس نے انتہائی حیرت سے رامن سے کہا۔ وہ مسکرانے لگی۔

ONE URDU FORUM . COM
® SCANNED PDF By HAMEEDI

باب نمبر40

رامن کو دیکھ کر حسین علی حیران رہ گیا اس نے پہلی ہی نظر میں رامن کو پہچان لیا تھا۔یہی تو کنانور کی پری رو لڑکیوں میں سب سے زیادہ سمجھدار لڑکی تھی جس نے حسین علی سے مختلف موضوعات پر گفتگو کی تھی۔ رامن کو یہاں پا کر حسین علی کو معاً خیال آیا کہ اسی لڑکی نے سلطان کو کنانور کے حالات سنائے ہیں اور اسی نے رانی سے اس کے لگاؤ کی حکایت سلطان کو سنائی ہوگی۔ مگر رامن نے سلطان کے آگے غلط بیانی سے کیوں کام لیا حسین علی سوچ رہا تھا شاید اسے معلوم نہ ہوگا کہ رانی بالیا کی اپنی نظر میں کوئی دوسرا آدمی موجود ہے۔

حسین علی اپنی خودداری میں رانی سے التجائے التفات نہ کر سکا تھا۔اس انکشاف کے بعد کہ رانی کی طبیعت کسی اور شخص پر مائل ہے اسے افسوس ہوا تھا مگر اس نے درخواست پر توجہ کرنا اپنی غیرت سپاہیانہ کے خلاف سمجھا۔اس پر بھی اپنے دل کی ٹیسوں کو مٹا نہ سکا تھا۔ کنانور سے چلے آنے کے بعد عرصہ تک اس کی آنکھوں کے سامنے رانی کا چاند سا چہرہ پھرتا رہا۔کئی بار تو اس کے دل میں ہوک اٹھی تھی کہ کسی بہانے سے پھر کنانور جا پہنچے اور ایک نظر اپنے دل کے چور کو دیکھ آئے لیکن محاربات میں ایسا پھنس کر رہ گیا تھا کہ اس طرف جانے کا موقع مل ہی نہ سکا۔

پھر بھی اوقاتِ فرصت میں ستم کیش بالیا اس کے دل میں کوندے بغیر نہ رہتی تھی۔ اسے کیا خبر تھی کہ وہ خود بالیا کے حق میں جدائی کا عزرائیل بنا ہوا ہے۔ سلطان نے اسے ابھی ابھی محاذ سے بلا کر جب بالیا کا ذکر کیا تھا تو اس کا نام سن کر ہی اس کا دل دھڑک اٹھا تھا اور اس دھڑکن کے ایک ایک گوشے میں مفارقت کی ٹیسیں بھی اٹھتی ہوئی محسوس ہونے لگی تھیں۔ ہر چند اس نے کچھ تجاہل عارفانہ کچھ شرم کی وجہ سے سلطان کے آگے پیچھے نہیں قبولا تھا مگر اس کا دل چاہتا تھا کہ سلطان اسی طرح بالیا کی محبت کا پرفریب ذکر کئے جائے اور اس سے وہ لطف لیتا رہے۔

ناول کیلئے ون اردو کے شکر گزار ہیں

اب تک حسین علی کے ذہن میں آیا ہی نہ تھا کہ اس کے آگے کسی فرضی محبوب کا ذکر کر کے بالیا نے محض چھیڑ کی تھی۔ کوئی بعید نہ تھا بلکہ عین قریب قیاس تھا کہ بالیا جیسی ب بے عدو منفرد لڑکی کے ہزار ہا مرد خواہاں ہوں گے جنہیں ممکن ہے کسی کو اس نے پسندیدگی کا شرف بخش دیا ہو۔ اب رامن کو یہاں پا کر وہ تمنا کر رہا تھا کہ کاش یہ لڑکی اسے لینے کے لئے آئی ہو۔ خدا کرے کہ وہ حسین بالیا کا کوئی پیغام لائی ہو۔ جھوٹ موٹ کاش یہی کہہ دے کہ رانی نے اسے بلایا ہے۔ بعض تمنائیں اور دعائیں زبان پر آنے سے قبل ہی مقبول ہو جاتی ہیں۔ لیکن بدقسمت عاشق کی دعا شاذ و نادر ہی قبول ہوتی ہے۔

''رامن یہ حسین علی حاضر ہیں اب تم کہو تو انہیں پابجولاں کر کے تمہارے ہمراہ کنانور روانہ کر دیا جائے''۔ سلطان نے مسکرا کر کہا۔

''اب تو امید ہے کہ یہ خود ہی میرے ساتھ روزانہ ہو جائیں گے۔ حضور نے میرے آنے کا مقصد ان سے بیان کر ہی دیا ہوگا''۔ رامن نے کہا۔

''بیان تو کر دیا مگر انہیں میرا یقین نہیں آیا''۔ سلطان نے کہا۔

''تعجب ہے۔ حالانکہ حضور کی زبان سے آج تک کوئی جھوٹ نہ نکلا ہوگا''۔ رامن نے کہا پھر حسین علی سے بولی۔

''کیوں جناب آپ سلطان عالی کا بھی باور نہیں کرتے''۔

''یہ حضرت مجھے بچپن ہی سے ستانے کے عادی ہیں اس لئے رامن تم ان کی باتوں میں نہ آؤ اور سچ سچ کہو کیسے آنا ہوا۔ کنانور میں ہے تو سب خیریت''۔ حسین نے کہا۔

''اگر خیریت ہوتی تو مجھے اتنا لمبا سفر ہی کیوں کرنا پڑتا''۔ رامن نے جواب دیا۔

''کیا ہوا۔ ہے کیا بات بتاؤ آخر''؟ حسین نے کہا

''یا تو آپ چندرا رہے ہیں یا اعلیٰ حضرت کے آگے بن رہے ہیں''۔ رامن نے کہا۔

''نہیں رامن میں قسم کھا کر کہہ سکتا ہوں کہ تمہارے معمے میری سمجھ میں نہیں آ رہے ہیں''۔ حسین نے کہا۔

''آپ بھی حد کر رہے ہیں۔ اچھا سنیئے۔ میں آپ کو لینے آئی ہوں''

''اچھا! لیکن کیوں''؟

''کیونکہ آپ کو رانی نے طلب کیا ہے''۔ رامن نے جواب دیا۔

''رانی نے! مگر مگر کاش اچھا یہ بتاؤ کیوں''؟ حسین نے عجلت و مسرت سے

ONE URDU FORUM . COM
® SCANNED PDF By HAMEEDI

پوچھا۔ اس کی اس بوکھلاہٹ اور مسرت پر سلطان بھی ہنسا۔

''اگر آپ تمام کیفیات سے بے خبر ہیں تو معاف کیجئے مجھے کہنا پڑے گا کہ خدا نے آپ کو آنکھیں نہیں دی ہیں۔ کنانور میں آپ میری معصوم رانی پر کیا جادو کر آئے ہیں۔ کہ آپ کے پیٹھ موڑتے ہی جو رنج و غم سے مغلوب ہو کر وہ پڑی ہے تو آج تک نیم جان ہے''۔ ان الفاظ سے حسین علی تلملا سا اٹھا۔ کیا اسکی بالیا واقعی اس کے غم جدائی میں مبتلا ہے۔ رامن سلطان کے سامنے تو غلط بیانی سے کام نہیں لے سکتی۔ حسین نے اپنی جدید تاثرات کے درمیان سوچا۔

''جو کچھ تم نے کہا ہے اگر اس کا مفہوم میں صحیح سمجھ سکا ہوں تو تم نے یہ الفاظ ادا کر کے میرا دماغ عرش تک پہنچا دیا''۔ حسین نے آخر کہا۔

''غنیمت ہے کہ تمہارا بھیجا عرش معلیٰ تک نہ پہنچا ورنہ فرشتے اسے کوڑے میں پھینک دیتے''۔ سلطان نے مسکرا کر کہا۔

''بھائی صاحب کیا یہ سچ ہے کہ بالیا نے مجھے طلب کیا ہے اور کیا وہ واقعی میرے غم جدائی میں مبتلا ہے''؟ حسین نے سلطان سے کہا۔

''مجھ سے دریافت کیجئے حضور سلطان کو کیا معلوم پھر وہ محبت کو کیا سمجھیں رامن نے سلطان پر وار کیا۔ سلطان کھسیانی ہنسی ہنسنے لگا۔

''اچھا ایمان سے بتاؤ رامن۔ کیا بالیا کو میرا خیال ہے''؟ حسین نے رامن سے اس بار کہا۔

''آپ خیال کو لئے پھر رہے ہیں۔ وہ آپ کے غم میں لب گور جا پہنچی ہیں۔ اگر ان کی حالت غیر نہ ہوتی تو خود سوچئے میں آپ کو لینے کے لئے اتنی طویل مسافت طے کر کے کیوں آتی''؟ رامن نے کہا۔ بات ذرا دل کو لگی تھی۔

''مگر رامن مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ بالیا نے خود کہا تھا کہ وہ اپنی بیش بہا ہستی کے لئے کسی کا انتخاب کر چکی ہیں''۔ حسین نے آخر کہا۔

''اول تو یہ میرے سامنے کی بات نہیں۔ دوسرے اگر انہوں نے یہ کہا تھا تو غلط نہ کہا تھا۔ آپ کے سامنے یہ الفاظ ادا کر کے انہوں نے یہ کہنا چاہا تھا کہ وہ آپ ہی کا انتخاب کر چکی ہیں۔ سمجھئے آپ سمجھ سے کیوں نہیں کام لیتے''؟ رامن نے کہا

''بھئی سمجھ تو ہمارے حسین کی دشمن ہے رامن تمہیں معلوم نہیں''۔ سلطان نے

ناول کیلئے ون اردو کے شکر گزار ہیں

ONE URDU FORUM . COM
® SCANNED PDF By HAMEEDI

مسکرا کر کہا

رامن کی وضاحت سن کر حسین علی کی فہم کے پردے ہلنے لگے واقعی بالیا نے یہی تو کہا تھا کہ وہ کسی کا انتخاب کر چکی ہے۔ غلط فہمی رفع ہوتے ہی اس کے سینے میں تلاطم سا مچ گیا۔ اس نے چاہا کہ اس کے پر نکل آئیں اور وہ اسی وقت اڑ کر اپنی حسین بالیا کو آغوش میں لے لے۔

''کہو بھئی نواب میر حسین علی خان صاحب کس سوچ میں پڑ گئے۔ سلطان نے اسے سٹ پا کر ہنستے ہوئے کہا۔

''اب آپ کو حق ہے کہ مجھے برا بھلا کہیں''۔ حسین نے سلطان سے کہا۔

''اب مجھے حق ہے کہ میں پہلے تمہارے دماغ کی اصلاح کروں۔ اچھا اب تم فوراً کنانور کی طرف روانہ ہو اور اپنی بیمار کی خبر گیری کرو''۔ سلطان نے کہا۔

مگر عین اس جذب و رقت کے عالم میں حسین علی کو فرض نے آ پکڑا اور غم جاناں پر غالب آ کر بولا۔

''لیکن بھائی صاحب میں آجکل کہیں نہیں جا سکتا آپ کو کسی قیمت پر تنہا نہیں چھوڑوں گا کم بخت انگریزوں اور نظام نے آپ کی قیمتی جان کے پیچھے کئی غداروں کو لگا رکھا ہے''۔

''مجھے اس کی کوئی فکر نہیں۔ اگر میرا وقت آ چکا ہے تو اس کو تم ٹال نہیں سکتے اور اگر موت مجھ سے ابھی دور ہے تو انگریز اور نظام اژدہے بن کر بھی مجھ سے لپٹ جائیں تو میرا کچھ نہیں کر سکتے''۔ سلطان نے کہا۔

''آپ کو کم از کم میرا ایک کہنا تو ماننا پڑے گا''۔ حسین نے کہا۔

''کیا''؟ سلطان نے دریافت کیا۔

''یہ کہ مجھے اجازت دی جائے کہ کنانور روانہ ہونے سے پہلے انگریزوں سے بنگلور چھین لوں۔ جب تک وہ ہمارے قلب پر جمے رہیں گے سرنگاپٹم کو ہمیشہ ان سے خطرہ رہے گا''۔ حسین نے کہا۔

''اس کی میں تمہیں اجازت دیتا ہوں لیکن حسین شاید تمہیں معلوم نہیں کہ ہمارے خلاف کئی لاکھ کا لشکر تیار کیا جا رہا ہے۔ بہر نوع ہمیں ایک فیصلہ کن جنگ کے لئے ہمیشہ تیار رہنا چاہئے''۔ سلطان نے کہا۔

''ہم اس کے لئے ہر وقت تیار ہیں۔ اچھا تو مجھے اجازت ہے کہ پہلے بنگلور میں انگریزوں سے نمٹ لوں بعد کو کنانور جاؤں''۔

''اجازت ہے''۔ سلطان نے جواب دیا۔

''رامن جہاں تم نے میرا اتنا انتظار کیا تھوڑا سا اور کر لو۔ میں انشاء اللہ اسی ہفتہ بنگلور کی مہم سر کر لوں گا۔ اس کے بعد ہم کنانور چلیں گے''۔ حسین نے رامن سے کہا۔

''ایک طرف رانی کی حالت خراب ہے۔ دوسری طرف ہم انگریزوں کے نرغے میں ہیں۔ بہر حال میں وطن کی محبت افضل سمجھتی ہوں اس لئے آپ پہلے بنگلور جائیں۔ میں آپ کا انتظار کروں گی''۔ محبّ وطن رامن نے جواب دیا۔

''رامن تمہارے ان الفاظ سے مجھے بڑی مسرت ہوئی۔ اگر یہ جذبہ وطن کے ہر فرد میں ہو تو ہم انگریزوں کو کل ہندوستان سے نکال سکتے ہیں۔ مگر افسوس یہاں بھائی بھائی کا دشمن ہے۔ ہم وطن آپس میں ایک دوسرے کے بیری ہیں''۔ سلطان نے کہا۔

''حضور آپ مطلق پریشان نہ ہوں۔ موت برحق ہے ہم لوگ وطن کی عزت کے لئے مرمٹنے کو تیار ہیں۔ میری رانی تو آپ پر اور اپنے دیس پر ہمیشہ فدا ہونے کو تیار ہے''۔ رامن نے کہا۔

سلطان سن کر بہت خوش ہوا۔

''شاباش میری چھوٹی سی بہن۔ تم ہی جیسی ہستیاں میری قوتِ بازو ہیں''۔ سلطان نے کہا۔

''معلوم ہوا ہے کہ بنگلور میں انگریزوں کی فوج تین چار ہزار سے زیادہ نہیں ہے مگر ان کے پاس توپخانہ زبردست بتایا جاتا ہے۔ خیر میں انشاء اللہ ان کے توپخانے کا بھی منہ بند کر دوں گا''۔ حسین علی نے کہا اور دوسرے روز بنگلور کو واپس انگریزوں سے چھیننے کے لئے پانچ ہزار فوج کے ہمراہ روانہ ہوا۔ حسین علی راتوں کو سفر کرتا ہوا اس طرح اچانک بنگلور جا پہنچا کہ انگریز حیران رہ گئے۔ بہر حال مقابلہ پر آئے چونکہ حملہ غیر متوقع ہوا تھا اس لئے انگریز کمک بھی طلب کرنے سے قاصر تھے۔ اس کے علاوہ حسین علی نے پہلے ہی تمام ناکے بند کر دیئے تھے۔ آخر گیارہ بارہ گھنٹے کی خونریز جنگ کے بعد حسین علی نے بنگلور فتح کر لیا۔ اس جنگ میں تقریباً تمام انگریز کام آئے اور ان کا ایک ادھیڑ عمر کا افسر قیدی بنا لیا گیا۔ جس کو لے کر حسین علی سلطان کیطرف روانہ ہوا۔

ONE URDU FORUM . COM
® SCANNED PDF By HAMEEDI

باب نمبر41

سلطان تسخیر بنگلور کا حال معلوم کر کے بے حد خوش ہوا اور اس نے بڑھ کر حسین علی کو سینے سے لگا لیا۔ ہر چند یہ فتح عارضی تھی کیونکہ دوسری طرف انگریز، نظام اور مرہٹے موروں کی طرح سلطان کے خلاف مجتمع ہو کر ایک لشکر کثیر تیار کر رہے تھے۔ افسوس اس مدبر و مایہ ناز سلطان کو دشمن ایک لمحہ کی فرصت نہیں دیتے تھے۔ کہ وہ اطمینان سے ملکی اصلاحات کی طرف مائل ہوتا۔

ان تمام موانع کے باوجود سلطان فوجی بھرتی سے غافل نہ تھا مگر ذلیل وغدار میر صادق نے اپنے گرگے انگریزوں کے ایما سے چوطرف دوڑا کر عوام میں بددلی پھیلانی شروع کر دی تھی۔ ادھر دشمن وطن پورنیا نے انگریزوں کے درپے سے ملک میں افواہ پھیلانی شروع کر دی تھی کہ سلطان انگریزوں سے ہار مان چکا ہے اور جلد وہ خود کو ان کے حوالے کرنے والا ہے اس طرح ان دونوں غداروں نے ملکی بدامنی کی ابتدا کر دی تھی۔ ان بدمعاشوں کے علاوہ میر غلام علی لنگڑا، بدرالزماں نائطہ، قاسم علی اور معین الدین یہ سب کے سب تاریخی غدار ہیں۔

ان خبیثوں نے اپنی روح وضمیر کو انگریزوں کے ہاتھوں بیچ ڈالا تھا۔

غداروں کی اس فہرست میں غدار نمبر ایک میر صادق تھا۔ دوسرا نمبر پورنیا کا تھا اور تیسرا میر اغلام علی لنگڑے کا اور قاسم علی، معین الدین، بدرالزماں نائطہ اور تمام اہل نوائط بھی پرلے درجے کے غداران وطن تھے اور انگریزوں کے غلام۔ کم بخت انگریز کو ہر ملک میں اپنے ڈھب کے ملکی غدار چن لینے کا خاص ملکہ حاصل ہے، اس نے اپنے زمانہ حکومت میں ہندوستان کے اندر سر، خان بہادر، اور رائے بہادر وغیرہ لوگوں سے خوب کام لئے ہیں۔ ان کے اس قبیح عطیات کے مسخ آثار آج تک نظر آتے ہیں۔

بہر حال عارضی مسرت سے بھی انسان خوش ہو لیتا ہے۔ بنگلور کی تسخیر سے سلطان اور حسین علی کو بہت خوشی تھی اور رامن بھی بیحد مسرور ہوئی تھی۔ رامن اس روز کے بعد سے اپنے عاشق زار ولیم رشید سے نہ مل سکی تھی۔ اس کی یاد میں ولیم تڑپ رہا تھا ادھر رامن اس کے لئے بے چین تھی۔ اگر چہ ولیم سزائے قید میں مبتلا نہ تھا بلکہ شاہی مراعات کے طفیل اسے کافی آسائش حاصل تھی مگر چونکہ ابھی اس کی بریت کا کوئی جواز نہ نکل سکا تھا اس لئے نظر بند پڑا تھا۔

رامن کو یقین تھا کہ اس کا نوجوان مسلم انگریز محبوب بے گناہ ہے۔ مگر اس کی بے گناہی ثابت کیسے ہو۔ سوال یہ تھا۔ آخر سمجھدار رامن کو اپنے محبوب کی رہائی کے متعلق ایک تدبیر سوجھی اور وہ ایک روز سلطان کی خدمت میں جا پہنچی۔

''معلوم نہیں ہوا کہ حضور نے اس انگریز قیدی کے متعلق کیا فیصلہ کیا جسے میں گرفتار کر کے لائی تھی۔ اس نے سلطان سے کہا۔

''تم ہی بتاؤ کیا فیصلہ کریں اس کے متعلق۔ نہ تو اس کا کوئی جرم اب تک ثابت ہوا ہے نہ بے گناہی''۔ سلطان نے جواب دیا۔

''حضور اجازت دیں تو میں کچھ عرض کروں''؟ رامن نے کہا۔

''شوق سے''۔ سلطان نے کہا۔

''معلوم ہوا ہے کہ میر حسین علی صاحب بنگلور کی لڑائی میں کسی انگریز افسر کو گرفتار کر کے لائے ہیں۔ انگریز آپس میں ایک دوسرے کے واقف ہوتے ہیں اس لئے آپ اس گرفتار شدہ انگریز افسر کو طلب کر کے ولیم کے بارے میں کچھ استفسار فرمائیں''۔ رامن نے کہا۔ یہ تدبیر سلطان کے دل کو لگی۔

''مجھے تمہاری تجویز سے اتفاق ہے رامن۔ واقعی قیدی سے ہمیں ولیم کے متعلق کچھ معلوم ہو سکتا ہے''۔ سلطان نے کہا۔ اور اسی وقت انگریز قیدی کو طلب کیا

''ہمیں معلوم ہوا تھا کہ آپ کی فوج میں ولیم نامی ایک بڑا بہادر نوجوان بھی تھا۔ کیا وہ آپ کے لارڈ کارنوالس کا کوئی رشتہ دار ہے''؟ سلطان نے ترکیب چلتے ہوئے انگریز قیدی سے دریافت کیا۔ سلطان کے اس سوال کا مقصد یہ تھا کہ اگر ولیم انگریزوں کا باغی ہے تو اس کی تعریف سن کر قیدی افسر ناک بھوں چڑھانے لگے گا اور اگر وہ ان کا کوئی جاسوس ہے تو ابھی یہ شخص اس کی پوری مدافعت و مدحت سے اس کا ذکر کرے گا۔ سلطان کی تدبیر کارگر ہوئی۔ قیدی افسر نے ولیم کا نام سنتے ہیں پیشانی پر بل ڈال لیے۔ اور چپ ہو گیا۔

ناول کیلئے ون اردو کے شکر گزار ہیں

''شاید وہ بھی بنگلور کی لڑائی میں کام آچکا ہے اور آپ کو اس کی موت کا رنج ہے''۔ سلطان نے پھر پالیسی سے سوال کیا۔

''کاش وہ غدار کسی لڑائی میں مر گیا ہوتا''۔ آخر انگریز قیدی نے کہا۔

''غدار کس کا غدار؟ کیا انگریزوں کا''؟ سلطان نے کہا۔

''اس کم بخت نے ہمارے ملک وقوم کے نام کو بٹہ لگا دیا ہے۔ پہلے تو وہ مسلمان ہوا پھر اپنی قوم سے منحرف ہو کر روپوش ہو گیا۔ اگر وہ ہمارے ہاتھ لگ جاتا تو اس کی بوٹیاں اڑا دی جاتیں۔ انگریز قیدی نے کہا۔ اس کے ان الفاظ سے رامن کی مسرت کی تو کوئی انتہا نہ رہی۔ اس کے یہ معنی کہ ولیم نے اپنے متعلق جو کچھ بیان دیا تھا حرف بحرف صحیح تھا۔ اس کی سلطان کو بھی مسرت ہوئی۔

"اگر آپ کو بھی اسلام کی خوبیاں بتائی جائیں تو کیا آپ ان پر غور نہیں کریں گے"؟ سلطان نے دریافت کیا۔

''میں اپنی موجودہ حالت میں کسی چیز پر غور نہیں کر سکتا''۔ قیدی نے جواب دیا

''ہم انسان کی حیثیت سے انگریزوں کے دشمن نہیں ہمیں صرف ان کی سیاسی بد دیانتی اور ہمارے ملک پر اپنا اقتدار قائم کرنے کی کوشش سے نفرت ہے۔ اسی بنا پر ہم انہیں اپنا عدو سمجھتے ہیں۔ ورنہ انفرادی طور پر ہمیں کسی سے دشمنی نہیں۔ انفرادی طور پر آپ کو قید کرنے یا ایذا پہنچانے سے ہمیں خوشی نہیں ہوتی۔ اور نہ ہم اس پر فخر کرتے ہیں کہ اپنی مخالف قوم کے ایک فرد کو گرفتار کر لائے ہیں۔ جایئے ہم نے آپ کو آزاد کیا۔ اب جا کر اپنی قوم سے کہیئے کہ ٹیپو سلطان انسانوں کا دشمن نہیں ہے بلکہ دشمنانِ انسان کا دشمن ہے''۔ سلطان نے کہا اس کے بعد حسین علی بولا۔

''حسین۔ انہیں ایک اچھا سا گھوڑا اسلحہ اور کھانے پینے کا کافی سامان دے کر عزت سے رخصت کر دو''۔

انگریز اس شانِ بے نیازی و اعلیٰ انسانیت کی مثال کو دیکھ کر دنگ رہ گیا کیونکہ وہ اور اس کی قوم ہندوستانیوں کے ساتھ بہت ذلیل سلوک کیا کرتی تھی۔

''اب میں کہیں نہیں جا سکتا اس حسنِ سلوک و بلند اخلاق کے بعد آپ نے مجھے کہیں جانے کے قابل نہ رکھا''۔ انگریز افسر نے سر نیاز و اطاعت جھکا کر کہا۔ سلطان بہت خوش ہوا۔

ONE URDU FORUM . COM
® SCANNED PDF By HAMEEDI

''بہر حال ہم نے آپ کو آزاد کیا۔ چاہے یہاں رہیں خواہ اپنی فوج میں جا ملیں۔ رہا یہ خوف کہ آپ آزاد ہو کر ہمارے حق میں خطرناک ثابت ہو سکتے ہیں تو ہمیں اس کی مطلق پروا نہیں۔ ابھی ٹیپو کے ہاتھ میں تلوار ہے اور بازوؤں میں زور، وہ ہر معرکہ میں اپنے دشمنوں کو شکست دے سکتا ہے''۔ سلطان نے کہا۔

''میں تبدیلیٔ مذہب کے باب میں اب ولیم کو حق بجانب سمجھتا ہوں۔ وہ خوش نصیب انسان تھا کہ مجھ سے پہلے پیام امن و صلح دینے والے دین کا گرویدہ ہو گیا۔ شکر ہے آج یہ موقع میرے ہاتھ آ گیا''۔ انگریز قیدی نے کہا۔ سلطان نے خوش ہو کر اسے رہا کر دیا۔

سلطان نے اس قسم کے نو مسلم انگریزوں کی ایک رجمنٹ بنا رکھی تھی۔ اس کا نام حزبِ سلطانی تھا۔ دوسرے روز موقع پا کر رامن اپنے محبوب ولیم رشید کے پاس جا پہنچی اور اسے خوشخبری سنائی کہ اب وہ بہت جلد رہا ہونے والا ہے۔ ولیم نے بھینچ کر رامن کو گلے لگا لیا۔

''لیکن رامن اگر بغیر تمہارے مجھے آزادی کے دن گزارنے پڑیں تو میں ان پر موت کو ترجیح دینا پسند کروں گا۔ کاش تم سمجھ سکو کہ میں نے کیا کہا ہے''۔ ولیم نے انگریزی میں کہا اور اس کے بالوں کو نوچنے لگا۔ ممکن ہے کہ رامن اس کا پورا مفہوم نہ سمجھ سکی ہو لیکن اتنا جان گئی تھی وہ اس کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا۔

''میں تمہیں ہر وقت اپنے پاس رکھوں گی''۔ رامن نے اس کے گلے میں ہاتھ حائل کر کے کہا۔

''تم کوئی ایسی زبان نہیں بول سکتیں جسے ہم دونوں سمجھ سکیں''؟ ولیم نے کہا۔ رامن کی سمجھ میں اس کی بات نہیں آئی پھر بھی مسکرانے لگی۔ آخر باہر نکلی اور ولیم کو اشارہ کیا کہ ابھی آتی ہوں۔ باہر آ کر اس نے ایک سپاہی کو دوڑایا کہ جلد مترجم کو بلا لائے۔ چنانچہ چند منٹ بعد مترجم صاحب آ گئے۔ افسوس اسکی وساطت سے دونوں پیار محبت کی باتیں نہیں کر سکتے تھے۔

''ولیم میں تمہیں یہ خوشخبری سنانے آئی ہوں کہ اب تم جلد رہا ہو جاؤ گے۔ حضور سلطان کو تمہارے تمام صحیح حالات معلوم ہو چکے ہیں۔ اور وہ تمہاری صداقت و شجاعت سے بہت خوش ہوئے ہیں''۔ رامن نے مترجم کے ذریعے کہا۔

''سلطان کے علم میں ابھی میری محبت نہیں آئی ہے۔ جس کا میرے سینے میں

دریا موجیں مارتا ہے''۔ولیم نے حسین رامن کی طرف دیکھ کر جواب دیا۔رامن مسرت وشرم سے چپ ہوگئی۔

''اچھا دیکھو میں میر حسین علی خان کو پہلے ہمراہ لے کر جلد کنانور جانے والی ہوں۔ میری خواہش ہے کہ تم بھی حسین علی صاحب کے باڈی گارڈ بن کران کے ساتھ چلو''۔رامن نے کہا۔

''اس کا مقصد یہ تھا کہ اپنے محبوب کو اسی حیلے سے اپنے ساتھ لے جائے تا کہ صدمۂ جدائی سے دونوں بچے رہیں۔

''میرے لئے اس سے زیادہ کوئی قابل فخر بات نہیں ہوگی۔میری تو دلی تمنا ہے کہ آپ ہردم میری آنکھوں کے سامنے رہیں''۔ولیم نے جواب دیا۔ مترجم کے سامنے اس کے یہ کلمات سن کر رامن پھر شرمانے لگی اور اس کو اشارۂ ابرو سے منع کیا کہ غیر کے سامنے جذباتِ دل زبان پر نہ لائے۔

''ممکن ہے کچھ عرصہ بعد مجھے اپنی رانی کے ہمراہ دارالسلطنت سرنگا پٹم میں ہی رہنے کی مسرت حاصل ہوجائے''۔آخر رامن نے کہا۔

''اچھا کس طرح''۔ولیم نے خوش ہوکر دریافت کیا۔

''یہ ابھی تمہیں نہیں بتاؤں گی''۔رامن نے مسکرا کر جواب دیا۔ اس نے اپنی رانی اور حسین علی کے واقعاتِ محبت کو برملا کرنا مناسب نہیں سمجھا۔

غرض تھوڑی ہی دیر کے بعد شاہی فرمان آگیا کہ ولیم رشید کو آزادی بخش دی جائے۔

اس کے ساتھ ہی اس کو اعزاز بخشی کے طور پر حزبِ سلطانی کا سالار بنادیا گیا۔ ولیم کی مسرت کی انتہا نہ تھی۔ یہ سب کچھ وہ اپنی محبوبہ کی کوششوں کا نتیجہ سمجھا۔کیونکہ اسے معلوم تھا کہ اس کی جانِ تمنا سلطان کے مزاج میں دخیل ہے سب سے زیادہ ولیم کو اس بات کی خوشی تھی کہ اس کو ہردم رامن کے قرب کی مسرت حاصل ہونے والی ہے۔ طویل سفر میں دونوں کا ساتھ رہے گا اور وہ تمام راہ پیار محبت کی باتیں کرتے رہیں گے۔ شاید جوانی ہی کا دوسرا نام محبت ہے اور محبت کوئی جوان جذبہ ہے۔

آخر دوسرے روز رامن حسین علی کو لے کر کنانور کی طرف روانہ ہوئی حسین علی بھی ولیم سے مل کر بہت خوش ہوا تھا۔

ONE URDU FORUM . COM
® SCANNED PDF By HAMEEDI

باب نمبر42

سفر نمونہ سقر ہوتا ہے لیکن کسی پر صعوبت مسافت میں اگر انسان کے دل کی کامیاب تمنائیں ہمرکاب ہوں تو وہی سفر فردوس میں منتقل ہوجاتا ہے۔ ولیم اور رامن ایک دل اور ایک جان بنے ہوئے سفر کررہے تھے۔ یہ دیوانگی آگے چل کر حسین علی کی نظر میں بھی آئے بغیر نہیں رہی تھی مگر وہ خود بھی تو ایک متوالے کی طرح سفر کررہا تھا۔بے شک اس کی جان مسرت گوشت و پوست میں اس کے ہمراہ نہیں تھی۔مگر اس کا مدہوش کن تصور تو ساتھ تھا اس سے ملنے کی ہوک تو ہمراہ تھی۔ اس کی ہم آغوشی کا تصور لطیف تو ہم سفر تھا جو اس کا قدم اٹھ رہا تھا وہ منزل جاناں کو قریب تر لاتا جارہا تھا۔ یہ کتنی بڑی بات تھی کہ اس کے اتاریکئ ہجر و مفارقت نہیں چل رہی تھی بلکہ وصل و وصال کا نور پھیلتا جارہا تھا۔

حسین علی شاید پری رو بالیا کو ایک لمحہ کے لئے بھی فراموش نہ کرسکا تھا۔ اس کو اس سے جدا ہوئے کئی ماہ ہوگئے تھے اور یہ کئی ماہ اس نے جنگ وجدال آگ وخون کے درمیان بسر کئے تھے مگر جب وہ لڑائیوں کے بھیانک میدانوں سے تھک کر رات کو برائے چندے کمر سیدھی کرتا تو حوروش بالیا کا سرور بخش تصور آتا اور اس کے درماندہ اعصاب میں کیف سا بھر دیتا۔اس کی تمام کلفت وتکان رفع ہوجاتی۔پھر وہ صبح تازہ دم ہوکر دوسری کسی خونی بارش میں نہانے کے قابل ہوجاتا تھا۔

اس کے دل میں بالیا کو پانے کی آس ہر چند ٹوٹ چکی تھی۔مگر یہ یاس بھی کتنی بیش بہا تھی کہ اس کے تخیل کو ہمیشہ صلابت سے دور رکھا اس کے بجائے اسے ایسی نرمی و ملائمت بخشی کہ رات کو آکر اس کے پر تکان جسم کو آسودگی سے ہمکنار کرجاتی۔ رانی کا خیال اس کے حق میں تریاق کی گم شدہ شیشی کی حیثیت رکھتا تھا۔تریاق کے ہاتھ نہ لگنے

سے اس کے وجود کا بطلان نہیں ہوتا۔ چشمۂ حیواں کہیں ہو یا نہ ہو مگر حسین کے لئے کنا نور میں موجود تھا۔

کبھی اسے رانی کے ریشمی بالوں، سیب سے گالوں اور یاقوت سے لبوں کا تصور آتا تو وہ دن بھر کی شدید دھوپ، پیاس، تکان، خاک وخون کو بھول کر ایسا محسوس کرتا جیسے بالیا اس کے بازوؤں میں ہے۔ اس وقت اس کی رگوں میں افسردگی کے بجائے ٹھنڈک کی لہر دوڑ جاتی اور وہ رانی کی ہیرے کی طرح روشن آنکھوں سے تاریک میدانوں میں روشنی سی پھیلی محسوس کرنے لگتا۔

لیکن بعض اوقات یہ تصور جب آرزوؤں اور تمناؤں کے دوش پر سوار ہو کر اسے دور تک لے جاتا اور اپنے سامنے وہ دور تک خلا ہی پانے لگتا۔ ایسے عالم میں اس پر شدید مایوسی طاری ہو جاتی اور وہ عہد کرتا کہ کسی ہاتھ نہ آنے والی ہستی کو آئندہ تخیل میں نہیں آنے دے گا۔ یہ عالم بڑا ہی کرخت ہوتا اور اس قدر شاق گزرنے لگتا کہ پھر اسے بالیا کے نرم ونازک جسم کو سمیٹ کو اپنے سینے کی شعلہ افگنی کو دھیما کرنا پڑتا۔ تصور میں بھی کتنی قوت ہے اس سے سخت حقیقتیں ملائم وسبک ہو جاتی ہیں اور زندگی کے دن میٹھے نظر آنے لگتے ہیں۔ مگر زندگی تلخ بھی ہے اور مزیدار بھی۔

ولیم کی اولین کوشش اب یہ تھی کہ اپنی محبوبہ کی زبان جلد جلد سیکھے تا کہ اس سے محبت اور پیار کی باتیں بغیر کسی مترجم کو درمیان میں لائے خود کر سکے رامن خود بھی یہی دل سے چاہتی تھی چنانچہ اس نے سفر ہی میں اسے اپنی زبان سکھانی شروع کر دی تھی۔ چونکہ دونوں طرف اشتیاق وشوق تھا اس لئے اس نئی بولی کو سمجھنے اور سمجھانے میں دونوں پوری کوشش کر رہے تھے۔

سبق میں پہلے دل کی باتیں، چاہت، اشتیاق، وصال اور شادی بیاہ کے قریب کی باتیں سیکھی اور سکھائی گئیں۔ حسین علی ان دونوں کی سرگرمی محبت کو مسرت سے دیکھتا اور سوچتا کہ اگر اسکی بالیا بھی اس کے ہمراہ ہوتی تو وہ بھی اس کی راہ میں آنکھوں کا فرش کرتا ہوا

ONE URDU FORUM . COM
® SCANNED PDF By HAMEEDI

چلتا۔ ہمیشہ اس کی آسائش وناز برداری کو مقدم سمجھتا۔ اسے پیار کرتا اور جان چھڑکتا۔ رامن کی زبانی یہ معلوم کر کے اس کی مسرت کی انتہا نہ رہی تھی کہ بالیا اسے اتنا چاہتی تھی کہ اس کے صدمۂ جدائی کی زیادہ تاب نہ لا کر بیمار ہو گئی تھی۔ اس نے پہلے ہی کیوں نہ کہہ دیا کہ وہ بھی اسے اتنی ہی شدت سے چاہتی ہے جتنی شدت سے وہ اسے پوجتا تھا۔ مگر ستمگر نے اپنی حسین چھیڑ سے اس کا جینا اجیرن کر دیا تھا۔ اسے کیا خبر تھی کہ جس خوش نصیب منتخب شخص کا ذکر رانی نے کیا تھا وہ خود ہی تھا۔

ہر چند سلطنت خداداد دشمنوں کے نرغے میں پھنسی ہوئی تھی۔ اس کے خلاف چوطرف سے دشمن سمٹ اٹھے تھے۔ اس کی اور سلطان کی تباہی کے لئے پوری تیاریاں کی جا چکی تھیں مگر سلطان کو خدا پر اس قدر اعتقاد تھا کہ اس کی ابرو پر بل نہ آیا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ اگر وقت آچکا ہے تو کسی کے ٹالے سے نہیں ٹلے گا۔ اسی اعتقاد کی بنا پر اسے اپنی ذات پر بھی بھروسہ تھا اور اس نے مدافعت کی حتی المقدور تیار، کر لی تھی۔ غیر خدا پرست یورپین مورخوں کا سلطان ٹیپو پر ایک یہ اعتراض بھی ہے کہ سلطان کو خدا پر غیر معمولی بھروسہ تھا اتنا کہ اگر تدابیر مناسب سے کام لیتا یا خود کو انگریزوں کے حوالے کر دیتا تو نہ وہ ختم ہوتا نہ اس کی سلطنت۔ یہ صرف طفل تسلی ہے۔ حالانکہ انگریزوں نے اس کی تباہی کا اتنا عزم مصمم کیا تھا کہ ہندوستان کے کسی سلطان کے خلاف انہوں نے نہیں کیا ہوگا۔

سلطنت مغلیہ کا دہلی میں چراغ ٹمٹما کے قریب ختم ہوتا جا رہا تھا۔ یہ انگریز کی مسلم دشمنی کا پہلا مہلک نتیجہ تھا۔ میسور میں خدا کے ایک خاص بندے اور محبّ وطن انسان نے جب لالچی انگریز کے خلاف تیاری کی تو انگریز نے اس کو اپنا خطرناک مدِ مقابل پایا۔ بس اسی وقت سے وہ چپکے چپکے سلطان کی تباہی میں مصروف ہو گیا تھا۔

ان تمام خدشات کے ہنگام حسین علی کو سفر میں لمحات فرصت مل گئے تھے

ناول کیلئے ون اردو کے شکر گزار ہیں

جو اسے بسا غنیمت نظر آرہے تھے ورنہ سلطان کے ساتھ ساتھ خود اس کی جان سینکڑوں خطرات میں گھری ہوئی تھی اور یہ سفر کتنا مبارک تھا جس کا رخ جدائی کی جہنم کی جانب نہ تھا بلکہ جو وصلِ محبوب پر ختم ہونے والا تھا اسی لئے اس پر دوران مسافت ایک کیف سا طاری رہا۔

اور ولیم و رامن تو گویا سفر میں نہیں تھے بلکہ حیات کے اندر ہی بہشت میں جا پہنچے تھے۔ بے وفا اور دامن چھڑا کر بھاگنے والی زندگی میں چند لطیف لمحات ہمیشہ یادگار رہے ہیں اور رہیں گے ورنہ حیات کی گرانباری کب کسی کو اتنا موقع دیتی ہے

نہ کرو یم صرف آن چناں زندگی
کہ ازما ستا نند تاوان ما ! !

ولیم تمام دن شدید دھوپ کے باوجود اپنی محبوبہ کی پالکی کے پاس سے ایک منٹ کے لئے بھی اپنا گھوڑا نہ ہٹاتا تھا۔ گرد اور دھوپ کی شدت سے اس کا سرخ رنگ پھیکا پڑ گیا تھا اور رامن اس کو ہزار واسطے دیتی کہ سائے میں سفر کرے مگر ایک چاہنے والے کے لئے سب سے بڑا سایہ محبت کا ہے تمام راستے دونوں نہ معلوم کیا باتیں کرتے رہتے تھے۔ خدا جانے کیا ایک دوسرے سے کہتے رہتے تھے ان کی گفتگو میں مسکرانے اور ہنسنے کا سلسلہ کبھی ختم ہی نہ ہوتا۔ اے وقت کاش تو ہمیشہ خنداں ہی رہے۔

آخر دس گیارہ روز بعد یہ چھوٹا سا قافلہ کنانور کے قریب جا پہنچا اب رامن کو ہوش آیا اور اپنے نشہ سے ذرا فرصت ملی۔ اس کے بعد ہی اس کو اپنی حسین رانی کا خیال آیا۔ وہ حسین علی کو دیکھ کر کس قدر خوش ہوگی۔ شکر ہے کہ اب اس کی مراد پوری ہوگی پھر حسین علی اور بالیا کے طفیل میں وہ اور ولیم بھی اپنی مراد کو پہنچیں گے۔

کنانور کے سواد تک پہنچنے کے بعد رامن نے حسین علی، ولیم اور ان کے سپاہیوں کو ایک دلکشا باغ میں ٹھہرایا پھر مسرت سے قلانچیں بھرتی ہوئی رانی کے چھوٹے سے محل میں پہنچی اس کے داخل ہوتے ہی تمام محل میں ایک شور مسرت بلند ہوا۔ شام ہو چکی تھی۔ حسب معمول محل میں فانوسوں کے اندر شمعیں رکھی جا رہی تھیں۔ تمام کنیزیں اپنے اپنے کاموں

ONE URDU FORUM . COM
® SCANNED PDF By HAMEEDI

میں مصروف تھیں مگر رامن پر نظر پڑتے ہی سب بھاگ کر آ گئیں اور اسے گھیر لیا۔

''ہے تو سب خیریت؟ رانی کا کیا حال ہے''؟ رامن نے پہلا سوال کیا۔

''اچھی طرح ہیں باغ میں آرام کر رہی ہیں''۔ کنیزوں نے جواب دیا۔ ان غریبوں کو کیا خبر تھی کہ ان کی مخدومہ مرضِ محبت میں مبتلا ہے۔ اس کو مضمحل و پریشان ضرور دیکھتی تھیں مگر اس کا رازِ دل معلوم کرنے کے لئے جرأت نہیں ہوتی تھی۔

رامن بھاگی ہوئی پائیں باغ میں پہنچی رانی ایک خوبصورت شامیانے کے زیر سایہ مخملیں توشک پر لیٹی ہوئی تھی اور اس کے پاس صرف تین کنیزیں بیٹھی ہوئی باتیں کر رہی تھیں۔ رامن کو جو اس نے خوشی سے ناچتے ہوئے اپنی طرف آتے ہوئے دیکھا تو حیرت و مسرت سے اٹھ کھڑی ہوئی اور اس سے لپٹ گئی۔

''آ گئے وہ''؟ رانی کی زبان سے یہی پہلا کلمہ نکلا۔

''میں جاتی اور یونہی آ جاتی''۔ رامن نے خوش ہو کر فخریہ کہا۔

''مالک تیرا شکر ہے۔ کہاں ہیں۔ ہیں کہاں۔ ساتھ کیوں نہ لیتی آئیں''؟ رانی نے انتہائی مسرت سے کہا اور بے قراری و اشتیاق سے اس کا نازک جسم ہل اٹھا۔

''باہر باغ میں ہیں کپڑے بدل رہے ہیں''۔ رامن نے جواب دیا۔

''اچھا انہیں اتنا ہوش ہے کہ کپڑے تبدیل کر رہے ہیں۔ بلاؤ بلاؤ رامن۔ جس طرح جس حال میں ہیں انہیں جلدی سے جا کر لے آؤ''۔ رانی نے اپنی کنیزوں کے استعجاب کی پرواہ نہ کرتے ہوئے کہا۔

''اچھا اچھا۔ آپ آرام سے لیٹ جائیے اور ان کے سامنے زیادہ اضطراب ظاہر نہ کریں انہیں بھی تو تھوڑا سا پریشان کیجئے''۔ رامن نے مسکرا کر کہا۔

''ان کی حالت کیا ہے؟ کیا کیا.....''۔ رامن رانی کے سوال کا مطلب سمجھ گئی تھی۔ چنانچہ اس کے کان کے پاس منہ لے جا کر بولی۔

''تمام راستے آپ کے خیال میں اس طرح سفر کرتے رہے ہیں۔ جیسے نیند میں چل رہے ہیں نہ کھانے کا ہوش تھا نہ آسودگی کا۔ بار بار آپ ہی کا ذکر کیا کرتے تھے مجھ

سے"۔

"سچ!" رانی نے بے انتہا خوش ہو کر کہا۔

"اچھا اب جلدی سے بلا بھیجو انہیں"۔ اس نے چپکے سے کہا۔

رامن نے اسی وقت حسین علی کو لینے ایک کنیز کو دوڑایا ادھر پر تمکنت انداز میں رانی کو گاؤ تکیئے سے لگا کر بٹھا دیا۔ رامن کے جاتے ہی حسین علی نے اپنی دل آرام کو دیکھنے کے اشتیاق میں جلد جلد غسل کیا۔ کپڑے بدلے اور بے چینی سے ٹہلنے لگا۔ جب بلاوا آیا تو اس کا دل مسرت سے اچھل پڑا اور لمبی لمبی ڈگیں بھرتا ہوا کنیز کی رہبری میں روانہ ہوا۔

"شاید حضور تو چند ماہ پیشتر بھی یہاں کا ایک چکر لگا گئے ہیں"؟ کنیز نے راہ میں حسین علی سے دریافت کیا۔

"کئی صدیاں پیشتر"۔ حسین علی نے جواب دیا۔ کنیز بیچاری حیران رہ گئی۔ کئی صدیوں پہلے کا انسان اس کے ساتھ چل رہا تھا۔

آخر حسین علی پائیں باغ میں جا پہنچا اور جلد جلد شامیانے کے قریب آیا۔ آفتاب غروب ہو رہا تھا مگر کنانور کا سورج پوری آب و تاب سے چھوٹے سے شامیانے کے نیچے چمک رہا تھا۔ حسین علی نے گرسنگی سے اپنے آفتاب کی طرف دیکھا اور دفورِ تابش سے اس کی آنکھیں خیرہ ہو گئیں۔

رانی نے بھی اپنے مہجور و بے وفا کی طرف بچشم شوق دیکھا اور اسے دیکھتے ہی اس کا تمام رکھ رکھاؤ ختم ہو گیا۔ یہی جی چاہا کہ اٹھ کر گلے سے لپٹ جائے۔

ONE URDU FORUM . COM
® SCANNED PDF By HAMEEDI

باب نمبر43

محل میں حسین علی کے آنے کی خبر بجلی کی طرح پھیل گئی۔ تمام کنیزیں پائیں باغ کی طرف دوڑ پڑیں۔ ادھر رانی اور حسین علی کی دلی آرزو تھی کہ تخلیہ ہو تو دونوں ہجر و فراق کی داستان اور شکوہ و شکایات زبان پر لائیں تا کہ آشفتہ دلوں کی بھڑاس نکلے۔ پھر ایک دوسرے کی آغوش میں جذب ہو کر دنیا و مافیہا سے برائے چندے غافل ہو جائیں۔ مگر آج محل میں کئی ماہ بعد خوشی اور مسرت کا گزر ہوا تھا اس لئے رقاصہ کنیزیں محفل جمانے کی تیاری کرنے لگی تھیں۔ اور جنہوں نے رانی کو عرصہ سے سوگوار دیکھا تھا وہ اب اس کی مسرت کی شریک ہونا چاہتی تھیں۔

حسین علی کو آخر بیٹھنے کا اشارہ کیا گیا۔ وہ ایک گاؤ تکیئے سے لگ کر بیٹھ گیا۔ دس بارہ روز تک دھوپ، جنگل کی تازہ ہوا اور اپنی بے پناہ مصروفیت سے فرصت ملنے کی وجہ سے حسین علی کا رنگ خون و شباب سے تانبے کی طرح چمک رہا تھا۔ عورتوں کے حق میں اسکی وہ سیاہ و مسحور کن آنکھیں شیر کا سا سینہ فولادی ہاتھ پیر رانی کی نگاہوں میں کھبے جا رہے تھے۔ اور خود رانی ایک شعلہ جوالہ کی طرح حسین علی کی ہستی کو پھونکے جا رہی تھی۔ حالانکہ اس کے آس پاس کنیزیں جمع تھیں مگر حسین علی رانی کے بے قابو کر دینے والے حسن سے بیتاب ہو کر اسے دیکھے جا رہا تھا۔

"رامن، سردار صاحب سے کہو کہ سفر سے آ رہے ہیں جا کر آرام کریں ہم صبح انہیں بلوا لیں گے"۔ آخر رانی نے حسین کی پر اشتیاق نگاہوں سے تنگ آ کر اور خود کو کنیزوں کی نظروں میں رسوا ہونے سے بچانے کی غرض سے از راہِ اغماز کہا۔

"میں نے تو رانی صاحبہ ان سے کہا تھا کہ سفر سے تھکے ہوئے آئے ہیں ذرا دم

ONE URDU FORUM . COM
® SCANNED PDF By HAMEEDI

لیں مگر یہ مانے ہی نہیں''۔رامن نے رانی کے ایما سمجھتے ہوئے کہا۔

''مجھے معلوم ہوا تھا کہ آپ کا مزاج ناساز ہے اس لئے طبیعت نہیں مانی سیدھا ادھر ہی چلا آیا''۔حسین نے مسکرا کر کہا

رانی نے اپنی پیشانی پر قدرے بل ڈالے جس کا مطلب تھا کہ ہم سے سب کے سامنے ایسی باتیں نہ کرو۔ مگر دل میں دعائیں مانگ رہی تھی کہ خدا کرے کنیزیں یہاں سے ٹلیں۔ انہیں نکل جانے کا حکم نہیں دے سکتی تھی۔اور ٹالنے کا کوئی محل نہ تھا۔

''آپ کو کب خبر ملی تھی کہ رانی کی طبیعت خراب ہے''؟رانی کی کسی سہیلی نے حسین سے دریافت کیا۔

''چپ رہو میں کوئی بیمار تو ہوں نہیں کہ میری علالت کا قصہ لے بیٹھیں''۔رانی نے خفگی سے کہا۔

''آپ کی حسین آنکھیں کس قدر بیمار نظر آتی ہیں مگر ان کا حسن اور دوبالا ہو گیا''۔حسین علی نے مسکرا کر رانی سے کہا۔ اس بار سب کے سامنے اس کے پر اشتیاق و پر ستائش کلمات سن کر وہ چین بجبیں ہوئی آخر بات ٹالنے کے طور پر بولی۔

''کہیئے حضرت سلطان کا کیسا مزاج ہے''؟

''شکر ہے بخیریت ہیں،انہوں نے بھی آپ کی مزاج پرسی کی ہے''۔حسین نے جواب دیا۔

''آپ تو بعافیت ہیں''؟رانی نے اب اس کی مزاج پرسی کرتے ہوئے پوچھا

''ہاں بس اتنا کہ

امیدِ وصالِ تست جاں را ورنہ
از تن بہزار حیلہ بیروں کنمش

حسین علی نے بسوز دل جواب دیا۔اس دفعہ رانی نے پرتادیب نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔ باز نہیں آتے۔شوق بگھارے جا رہے ہو۔

''انگریزوں کی یورش کا کیا حال ہے۔کیا زیادہ آمادۂ فساد ہو گئے''؟آخر رانی نے پھر اس کے اشتیاق وشوق سے بچنے کی نیت سے بات پلٹی۔وہ مانتا ہی نہ تھا۔تمام کنیزوں کی موجودگی میں پیار کی بات کہہ جاتا تھا۔

''انگریزوں میں سے ایک کو تو آپ کی ان رامن صاحبہ نے ہلاک کر دیا ہے بقیہ کے لئے آپ کے پیکانِ مژہ کافی ہیں''حسین علی نے پھر اپنے محبوب کو پر حلاوت جواب دیا۔

اس کی دیوانگیٔ شوق سے حسین بالیا پریشان ہو گئی۔ یہ دیوانہ اس کو سب میں رسوا کئے بغیر نہ رہے گا۔ چونکہ حسین علی کی اس گفتگو سے رامن کا راز عشق بھی برملا ہوا جا رہا تھا اس لئے رامن کو بھی گھبرا کر چوکنا ہونا پڑا۔چنانچہ جلدی سے بولی

''میرا خیال ہے رانی کہ اب حوض کے پاس والے سنگ مرمر کے چبوترے پر چل کر بیٹھیں''۔اس کے بعد کنیزوں سے بولی کہ جاؤ محل میں محفل کی تیاری کرو۔رانی تو خود خلوت کی متمنی تھی فوراً اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس کا اٹھ کھڑا ہونا ایسا ہی تھا جیسے چوطرف جمال بکھیر رہی ہو۔

''اچھا میں آگے جا کر چبوترے پر قالین وغیرہ بچھاتی ہوں۔آپ آیئے''۔رامن نے کہا اور جلدی سے چل دی اب رانی اور حسین علی ساتھ ساتھ حوض کی طرف روانہ ہوئے۔ چونکہ حسین علی اپنی کامیاب محبت سے باخبر ہو چکا تھا اس لئے دیدہ دلیری سے اپنی دلبر کے ساتھ شاہ بشانہ چل رہا تھا۔

''براہِ کرم مجھ سے اس قدر بھڑ کر نہ چلئے''۔آخر رانی نے اس کو اپنے بالکل قریب پا کر باندازِ محبوبانہ کہا۔

''میں تو چاہتا ہوں کہ میں آپ کو گود میں لے کر چلوں۔کہیں ایسا نہ ہو کہ سیڑھیاں طے کرنے سے نازک کمر میں بل آجائے اور ملائم پیروں میں موچ''۔حسین علی نے مسکرا کر کہا۔

''میری کمر اور پیر اس قدر نازک نہیں ہیں۔ بلکہ فولاد کی طرح مضبوط ہیں۔

رانی نے کہا۔

''دل ہوگا فولاد کی طرح سخت''۔حسین نے مسکرا کر کہا اور اس کے پنجۂ حنائی اور بازو کو اپنے بازو میں لپیٹ لیا۔

''یہ تک ہے کیا۔ میں بیمار تو ہوں نہیں کہ اس طرح مجھے سہارا دیا جا رہا ہے''۔ رانی نے اس کی طرف منہ کر کے مسکراتے ہوئے کہا۔

''اب ہم دونوں ایک دوسرے کا سہارا ہیں بالیا''۔حسین نے اپنے بازوؤں میں لیتے ہوئے کہا۔بالیا کیفِ محبت سے بیخود ہو کر اس کی گردن سے چمٹ گئی۔

''آپ بڑے برے آدمی ہیں کہ سب کے آگے اپنی لایعنی باتیں لے کر بیٹھ گئے تھے''۔رانی نے کیف وسرور کے درمیان کہا۔

''اچھا اب تو اجازت ہے کہ آپ سے پیار کی باتیں بھی کروں اور پیار بھی''؟ حسین نے سرشار ہو کر کہا۔

''حسین تم بڑے بے وفا ہو۔ اس طرح مجھے صدمۂ مفارقت دے کر چلے گئے گویا تمہیں میرا کوئی خیال ہی نہ تھا۔اگر میں تمہیں نہ بلواتی تو شاید تم تو کبھی یہاں کا رخ بھی نہ کرتے''۔بالیا نے اپنے محبوب سے شکوہ کرتے ہوئے کہا۔

''ممکن تھا میری جاں کہ میں اس طرف نہ آتا۔لیکن باور کرو تمہارے بغیر میری زندگی زندگی نہ رہتی''۔حسین نے اسے سینے سے بھینچ کر کہا۔

''آؤ مجھے یہیں لے کر بیٹھ جاؤ۔حوض کے پاس رامن اور کنیزیں ہوں گی''۔بالیا نے ایک کنج کے قریب رکتے ہوئے کہا چنانچہ حسین علی اسے گود میں لے کر ایک جگہ بیٹھ گیا۔

''اب بتاؤ تم نے یہاں سے جانے کے بعد میری طرف سے بے رخی کیوں کی تھی''؟ بالیا نے پوچھا۔

''کیونکہ مذاق میں تمہارے ادا کئے ہوئے فقرے کو میں حقیقت پر مشتمل سمجھا تھا''۔ حسین نے اس کی سنہری لٹوں سے کھیلتے ہوئے جواب دیا

ONE URDU FORUM . COM
® SCANNED PDF By HAMEEDI

''کون سے فقرے کو''؟

''تم نے کہا تھا کہ تم کسی خوش نصیب کو اپنے لئے پہلے ہی انتخاب کر چکی ہو''۔حسین نے جواب دیا۔

''یہ محض تمہاری سمجھ کا پھیر ہے ورنہ میں نے تو شاید یہ کہا تھا کہ مجھے کسی کا انتخاب کرنا ہے''۔بالیا نے مسکرا کر کہا۔

''پھر کر لیا تم نے انتخاب''؟

''مدت ہوئی''۔بالیا نے مسکرا کر جواب دیا۔

''بالیا تمہیں یقین نہ آئے گا۔تم سے جدا ہونے کے بعد تمہارا پیارا خیال مجھ سے ایک لمحہ کے لئے بھی جدا نہ ہوا تھا''۔

''درست ہے۔اسی لئے جب تک رامن آپ کو لینے نہ گئی آپ نے یہاں کا رخ نہیں کیا''۔بالیا نے شوخی سے کہا۔حسین نے محبت سے اس کو پیار کیا پھر بولا۔

''بالیا تم مجھے دنیا میں سب سے زیادہ عزیز ہو مگر میں وطن کو بھی اتنا ہی عزیز رکھتا ہوں یہاں سے جانے کے بعد مجھے اس قدر مصروف ہو جانا پڑا کہ اپنے سلطان کے پاس سرنگاپٹم تک نہ پہنچ سکا''۔

''اچھا حسین اب ہم آخر کیا کریں''؟ بالیا نے اس کے ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں لیتے ہوئے پوچھا۔

''کرنا کیا ہے۔بس اب تم میری ہو ذرا فرصت مل جائے پھر میں سلطان کو اپنی شادی میں شرکت کی غرض سے لے کر یہاں آؤں گا۔ مگر عزیز از جان بالیا آج کل اپنا سلطان چوطرف سے دشمنوں میں گھرا ہوا ہے۔ وہ اسے اور اس کی سلطنت کو ختم کر دینے کا تہیہ کئے ہوئے ہیں۔ بہرحال جب تک میرے جسم میں جان ہے نہ اپنے وطن پر آنچ آنے دوں گا نہ سلطان پر''۔

''میں بھی اس معاملہ میں تمہارے ساتھ ہوں۔ میں بھی تم پر اور وطن پر قربان ہو

جاؤں گی۔ہم دشمنوں سے نہیں ڈرتے''۔بالیا نے کہا۔حسین نے فرطِ محبت سے اسے گلے سے لگالیا۔پھر بولا۔

''اگر سلطنتِ خداداد میں تم جیسی بہادر دوشیزائیں ہوں تو دشمن ہماری حکومت کا بال بیکا نہیں کرسکتا۔ مجھے بڑی ہی مسرت ہے کہ ماہ رخ بالیا تم فدائے وطن لڑکی ہو''۔

''حسین اب میں تمہاری ہوں اور تمام عمر تمہارے نام پر زندگی تیاگ دوں گی۔ پہلے ہمیں دشمنوں کے خطرے سے اپنے وطن کو آزاد کرنا چاہیے۔کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم اپنے نشہ محبت میں اتنے غافل ہوجائیں کہ ملک کی محبت ہمارے سینوں میں گم ہوجائے''۔

''نہیں روح تمنا ایسا نہیں ہوگا۔ ہر چند میرا دل بے قرار ہے کہ جلد از جلد تمہیں اپنی دلہن بناؤں لیکن مقدم یہ ہے کہ ملک اور اپنے سلطان کو پہلے دشمنوں کے نرغے سے نکالا جائے''۔

''سنا ہے کہ سلطان کی فوج کے ذمہ دار افسر تک انگریزوں سے ملے ہوئے ہیں۔ کیا یہ ہی سچ ہے''؟

''ہاں پیاری بالیا۔ صرف اتنا ہی نہیں ہے بلکہ وزیر اعظم تک ملک کا غدار ہے اور اس کے رفقا بھی اسی کے شریک ہیں۔ دراصل جن ملکوں میں وزارت ذاتی اقتدار اور شخصی مفاد کی چیز بن جاتی ہے ان ملکوں کی تباہی یقینی ہے۔ اور جن حکام کو عوام و وطن سے محبت نہیں رہتی ہے وہ ملک کے غدار ہیں''۔

''پھر سلطان میر صادق کو علیحدہ کیوں نہیں کردیتا''؟ بالیا نے کہا

''دشواری یہ ہے کہ سلطان اپنی نیک دلی وصفائے باطن کی وجہ سے سب کو اپنے ہی جیسا نیک سمجھتا ہے اس کے علاوہ میر صادق چونکہ ریاست کا وزیر اعلیٰ ہے اس لئے اس کے قبضہ میں حکومت کے تمام راز ہیں جن کو وہ با آسانی انگریزوں پر برملا کرسکتا ہے''۔

''یہ تو وہ اب بھی کرتا ہوگا۔اسی لئے تو میں کہتی ہوں کہ ٹیپو سلطان کو لازم ہے کہ میر صادق کو برطرف کر کے قید میں ڈال دیں''۔

''ابھی تو تم نے سلطان کے رضائی بھائی کو اپنی زلف کا اسیر کر رکھا ہے''۔حسین نے ہنس کر کہا اور اسے پیار کرنے لگا۔

''اسیر تو ہم دونوں ہی ہیں۔ ایک دوسرے کی محبت کے اسیر''۔بالیا نے محبوب انداز میں جواب دیا۔

''کیا یہ ممکن نہیں ہے جانِ آرزو کہ تم میرے ساتھ سرنگاپٹم چلی چلو۔اس سے ہم کم از کم ایک دوسرے کی جدائی کے غم سے تو بچے رہیں گے''؟

''میں ہر دم تمہارے ساتھ ہوں اب ہمیشہ تمہیں اپنی نظروں سے سامنے ہی رکھنا چاہتی ہوں''۔

''نہیں بالیا۔یہ تو تم پر ظلم ہوگا کہ عیش و نعم اور ریاست تم سے چھین لی جائے''۔

''یہ ریاست میری نہیں ہے۔ قوم کے سلطان کی ہے میں تو صرف نگران ہوں۔ میں تو ضرور چلوں گی تمہارے ساتھ سرنگاپٹم''۔

''ابھی نہیں پیاری۔ حالات خراب ہیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ اگر ہم پر کوئی ناگہانی آفت آئے تو تمہاری نازنین ذات بھی اس کا شکار ہوجائے''۔

''میں آفتوں سے نہیں ڈرتی۔ پھر ہم سب کو اگر وطن کے کارن مرنا ہے تو ساتھ ہی کیوں نہ مریں''۔بالیا نے کہا۔

''یہ ٹھیک ہے۔اب ہم انشاء اللہ ہمیشہ قوم و ملک کے دکھ درد میں ساتھ ساتھ رہیں گے لیکن جب تک سلطان اجازت نہ دے دیں میں تمہیں سرنگاپٹم نہیں لیجاسکوں گا ورنہ سلطان مجھ پر خفا ہوں گے کہ بیٹھے بٹھائے مبتلائے مصیبت کرنے کے لئے اپنے ساتھ کیوں گھسیٹ لایا''۔

''مگر آپ کو یہ وعدہ کرنا پڑے گا کہ اگر خدانخواستہ ہماری حکومت پر کوئی برا وقت آیا تو مجھے نہیں بھولیں گے بلکہ اپنے پاس بلالیں گے''۔بالیا نے کہا۔

''میری تو آرزو ہے کہ اب ہر دم تمہیں اپنے سینے سے لگائے پھروں۔ صرف اسی خیال سے ڈرتا ہوں کہ میرے ساتھ تمہیں کہیں مصیبتیں نہ اٹھانی پڑیں یہاں اپنی

ONE URDU FORUM . COM ® SCANNED PDF By HAMEEDI

ریاست میں تم محفوظ تو ہو اور پر آسائش زندگی بسر کر رہی ہو''۔

''میں عیش وعشرت پر نہیں مرتی۔ پھر جبکہ تو من شدی من تو شدم تو میں تمہارے مصائب وآلام میں تمہارا ساتھ کس طرح چھوڑ سکتی ہوں''۔ بالیا نے کہا۔ حسین اسے پیار کرنے لگا۔

ریاست کنانور میں ان دونوں کو یکجائی کے پر مسرت وقیمتی لمحات جو مل گئے تھے۔ وہ پھر نصیب نہیں ہوئے۔

''بالیا۔ کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ ہم ایک دو روز ہی میں ایک دوسرے کے ہو جائیں۔ یہ میں اس لئے کہہ رہا ہوں کہ کہیں تمہارے وصل کی حسرت ہی دل میں لئے کسی محاذ پر کام نہ آجاؤں''۔ اس کے ان کلمات سے پہلے تو بالیا شرما گئی پھر اس کے شانے پر سر رکھ کر سرگیں ادا سے بولی۔

''میں اب تمہاری ہی ہوں۔ پھر اتنے مضطرب کیوں ہو۔ اچھا نہیں معلوم ہوتا کہ ملک پر تو پریشان کن حالات چھائے ہوئے ہیں اور ہم اپنی شادی بیاہ میں مست ہو جائیں۔ ذرا امن ہو جانے دو پھر میں خود چل کر تمہارے پاس آؤں گی''

''اچھا۔ آؤ اب حوض کی طرف چلیں۔ وہاں رامن وغیرہ انتظار کر رہی ہوں گی''۔ حسین نے کہا اور بالیا کی نازک کمر کے گرد اپنے ہاتھ کا حلقہ کر کے اسے اٹھایا۔ محل میں چونکہ ذرا گرمی تھی اس لئے یہیں شب ماہتاب میں محفل جمائی گئی۔ نصف شب تک رقص وسرود سے فضا گونجتی رہی۔ حسین علی نے اس مجلس کا پورا لطف اٹھایا کیونکہ اس کے قریب اس کی ماہ پارہ بالیا موجود تھی۔ اسی طرح بالیا بھی سرشار تھی۔ لیکن کبھی کبھی اس کا دل نہ معلوم کیوں خود بخود دھڑک اٹھتا تھا جیسے یہ رنگینیاں عارضی ہوں اور ان کا اختتام کسی بے رحم وکرخت شے پر ہوتا ہو۔

حسین علی بالیا کے پاس ایک ہفتے تک رہا۔ اس مختصر قیام کا زمانہ دونوں کے لئے انتہائی مسرت کا زمانہ تھا۔ زندگی ایک ہی دفعہ مہربانی کر کے نعمتوں کا اہتمام کرتی ہے اس

ONE URDU FORUM . COM
® SCANNED PDF By HAMEEDI

کے بعد یہ بساط سمیٹ لی جاتی ہے۔ بہر صورت ان حاصل حیات لمحات کا لطف لے کر حسین علی ایک ہفتہ بعد روانہ ہونے لگا تو صدمہ فراق نے حسین بالیا کو آدبوچا۔ انتہائی ضبط کے باوجود اسکا دل بھر آیا اور حسین سے لپٹ کر رونے لگی۔

ONE URDU FORUM . COM
® SCANNED PDF By HAMEEDI

باب نمبر44

حسین علی جب تک اپنی بالیا کی ریاست کنانور سے دور نہ چلا گیا اس پر اپنی محبوبہ کا تصور جنوں بن کر چھایا رہا۔ پھر جیسے جیسے میدانِ جنگ قریب آتا گیا۔ اس پر پاسِ فرضِ مسلط ہوتا گیا۔ ٹیپو نے حسین علی کی عدم موجودگی میں ایک ماہ کے اندر ادھر ادھر سے تھوڑی سی فوج جمع کر لی تھی۔ تا کہ اگر انگریز کسی وقت سر پر آدھمکیں تو ان کا مقابلہ کیا جا سکے۔ اسکی بڑی فوج کا حصہ ادھر ادھر منتشر تھا جس کو ہٹانا نامناسب تھا۔

ٹیپو سلطان ابھی بالا پور ہی تھا کہ حسین علی اس سے وہاں آملا۔ اسے دیکھ کر سلطان بہت خوش ہوا اور کورگ کے حالات دریافت کرنے لگا۔ اسے معلوم ہوا کہ کورگ کے قریبی علاقوں پر انگریزوں اور مرہٹوں کی نگاہیں لگی ہوئی ہیں۔ مگر کورگ کا اندرونی حصہ اب ان کی دستبرد سے محفوظ ہے اسی طرح ریاست کنانور کو سردست کوئی خطرہ نہیں ہے۔

''اچھا تم اپنی رانی سے مل آئے''؟ سلطان نے تخلیہ میں حسین علی سے دریافت کیا

''اپنی کنیز کہیے''۔ حسین علی نے جواب دیا۔

''اچھا کیا شادی ہوگئی تمہاری اس سے''؟ سلطان نے مسکرا کر دریافت کیا۔

''ابھی نہیں۔ آپ کی اجازت کے بغیر یہ کیسے ممکن تھا۔ اس کے علاوہ بالیا اتنی محبِّ وطن ہے کہ اس نے موجودہ ملکی حالات کے پیشِ نظر عیش وعشرت سے گریز کرنے کو ترجیح دی''۔ حسین نے جواب دیا۔ سلطان بالیا کے ارفع کردار سے بہت خوش ہوا۔

بہر حال میں تمہیں مبارکباد دیتا ہوں کہ بامراد رہے۔ میری جانب سے تمہیں اجازت ہے کہ جب جی چاہے ایک دوسرے کے ہو سکتے ہو''۔ سلطان نے خوشنودی سے کہا

''اس کے لئے بیتاب ہم دونوں ہیں مگر ملک وقوم کو ابتلا سے نکالنے کی خاطر ابھی برائے چندے اپنی مسرتوں کو روک سکتے ہیں''۔ حسین نے کہا۔

''اچھا اب تم کہاں جانا چاہتے ہو''؟

''جہاں حکم ہو''۔ حسین نے کہا۔

''بنگلور چلے جاؤ اور سید کو تھوڑی سی فوج کے ہمراہ میرے پاس روانہ کر دو''۔ سلطان نے کہا۔ چنانچہ حسین علی اسی روز بنگلور کی طرف روانہ ہوا اور اس کے پہنچنے کے بعد ایک ہفتہ میں سید ایک ہزار سوار لے کر سلطان سے آملا۔

ادھر سلطان انگریزوں پر حملہ کرنے کی تیاری میں مصروف تھا۔ ادھر دارالسلطنت سرنگا پٹم میں کشن راؤ نے ایک فتنہ کھڑا کر لیا تھا۔ کشن راؤ کو سلطان اپنا قائم مقام بنا کر سرنگا پٹم چھوڑ آیا تھا۔ یہ وہی سردار تھا جس نے سلطان کی عاشق زار سبیتا سے شادی کی تھی۔ سبیتا بھی فدائے وطن لڑکی تھی۔ سلطان سے مایوس ہو کر اس نے دل پر جبر کر کے کشن راؤ کو قبول کر لیا تھا۔ مگر اسے جب آہستہ آہستہ اپنے شوہر کے باغیانہ خیالات پتہ چلا تو صدمہ سے اس کی بری حالت ہوگئی تھی۔

وہ بیحد اطاعت شعار بیوی تھی اور اتنی ہی عفیف بھی مگر کشن راؤ کی سازشی عادتوں کی متحمل نہیں ہوتی تھی۔ بارہا اس نے اپنے شوہر کو سمجھایا کہ ملک۔ وطن اور سلطان کی وفاداری ہی میں ان کی نجات ونیک نامی ہے مگر کشن راؤ جیسے مفسد پر ایسے متبرک کلمات کا کیا اثر ہو سکتا تھا۔ انہی باتوں کی وجہ سے کئی بار میاں بیوی کے درمیان جھگڑا ہو جاتا تھا۔ جس میں حسین و باوفا سبیتا ہمیشہ ضبط وتحمل سے کام لیتی مگر اپنے شوہر کو وطن پرستی کی تلقین کرنے سے کبھی باز نہ رہتی۔ بیشک وہ ناکام محبت تھی کیونکہ اسکی محبت کو عورتوں سے گریز کرنے والے سلطان نے نوازنے سے انکار کر دیا تھا مگر پھر بھی اس نے اپنے غدار شوہر سے خیانت نہیں کی۔ اس کے دل محزون کی کیفیت کا کسی کو اندازہ نہ تھا۔ کوئی نہیں جانتا تھا کہ اس کے سینے میں آیا اب بھی محبت شکستہ کی کوئی کسک باقی تھی۔ مگر ہر باہوش انسان

ناول کیلئے ون اردو کے شکر گزار ہیں

دیکھ سکتا تھا کہ وہ شوہر پرست بھی تھی اور اس سے بھی زیادہ وطن پرست۔

اب جبکہ سلطان اس کے شوہر کشن راؤ کو اپنا جانشین بنا کر کسی دور محاذ پر چلا گیا تھا۔ تو اس کے علم میں ایک بہت ہی وحشتناک بات آئی۔ اسے معلوم ہوا کہ اسکا نمک حرام شوہر اپنے آقائے ولی نعمت کے خاتمہ کے لئے کھانڈے راؤ سے ساز باز کر رہا ہے۔ اب سبیتا کو کہاں تاب تھی۔ شیرنی کی طرح یہ فدائے وطن لڑکی بپھر اٹھی۔

''تمہیں شرم نہیں آتی کہ اپنے آقا سے نمک حرامی اور وطن سے غداری کر رہے ہو''۔ اس نے غصہ سے اپنے شوہر سے کہا۔

''چپ رہ بیوقوف لڑکی۔ تو حکومت کے مزے کیا جانے''۔ کشن راؤ نے اسے ڈانٹتے ہوئے کہا۔

''میں حکومت کے مزے جانتی ہوں یا نہیں جانتی ہوں مگر تم حب وطن کی چاشنی سے بالکل محروم ہو''۔ سبیتا نے کہا۔

''جا اپنا کام کر اور میرے معاملات میں دخل نہ دے''۔ کشن راؤ نے کہا۔

''لیکن میں تمہیں وطن سے غداری کی اجازت نہیں دے سکتی''۔

''تو ہوتی کون ہے منع کرنے والی۔ اچھا یہاں آ بات سن، اس میں غداری کی کیا بات ہے میں یہی تو کر رہا ہوں کہ ریاست میسور پھر واپس ہندوؤں کے قبضہ میں آ جائے''۔

''تمہارا مطلب یہ ہے کہ واپس راجہ کے خاندان میں چلی جائے یا مرہٹوں کو مل جائے''۔

''ہاں یہی سمجھ''۔ کشن راؤ نے جواب دیا۔

''یہ تمہاری سمجھ کا فتور ہے۔ راجہ کے خاندان میں اتنا دم کسی کے اندر نہیں ہے کہ ریاست کو غیروں کے تسلط سے بچا لے۔ رہے مرہٹے تو ان کا دھرم سوائے لوٹ مار کے کچھ نہیں ہے۔ انہی مرہٹوں نے مندروں کی مورتیاں توڑی ہیں۔ کسانوں کی کھیتوں میں آگ لگائی ہے اور ہندوؤں کو لوٹا ہے وہ ہمارے دشمن ہیں کیونکہ انگریزوں سے مل کر

ONE URDU FORUM . COM
® SCANNED PDF By HAMEEDI

دیش پر ان کا قبضہ کرا دینا چاہتے ہیں''۔ سبیتا نے غصہ سے کہا اور غیظ میں اس کے حسین رخسار انگارہ ہو گئے۔

کشن راؤ کچھ لاجواب سا ہو گیا۔ لیکن اپنی راست باز بیوی سے شکست ماننا اس کے آئین میں داخل نہ تھا۔ چنانچہ تلخی سے بولا۔

''تو کم عقل بلکہ بیوقوف عورت ہے کہے دیتا ہوں کہ میرے معاملات میں ٹانگ اڑائے گی تو گلا کاٹ کر پھینک دوں گا''۔

''وہ دن میری مکتی (نجات) کا ہوگا۔ اگر میں دیش کی خاطر ماری گئی تو عورتیں مجھ پر ہمیشہ ناز کرتی رہیں گی۔ لیکن مرد تمہاری غداری پر ہمیشہ تھوکتے رہیں گے''۔ سبیتا نے جواب دیا۔ اب تو کشن راؤ بھنا گیا اور اس نے اس کے منہ پر اتنے زور سے طمانچہ مارا کہ اس کے عارضِ گلگوں پر پانچوں انگلیوں کے نشانات پڑ گئے۔

''تم بزدل ہو کہ ایک وفادار عورت پر ہاتھ اٹھاتے ہو خیر میرا اور تمہارا فیصلہ مالک کے ہاتھ میں ہے''۔ سبیتا نے کہا اور چلی گئی۔

''اس کے جاتے ہی کشن راؤ محل سے باہر نکلا اور چپکے سے کھانڈے راؤ کے پاس پہنچا کھانڈے راؤ راجہ میسور کی بیوہ رانیوں کے پاس رہتا تھا اور یہ سب مل کر شب و روز سلطان کے خلاف ریشہ دوانیاں کرتے تھے۔ سلطان نے رانیوں کی ان حرکتوں پر کبھی سختی سے باز پرس نہیں کی کیونکہ اس کا نامور باپ نواب حیدر علی بھی رانیوں سے احترام کے ساتھ پیش آتا تھا۔

ادھر سبیتا اپنے شوہر کی غداری کے تصور سے تمام رات پریشان رہی کبھی اسے خیال آتا کہ اگر کشن راؤ کی تخریبی اسکیمیں کامیاب ہو گئیں تو سلطنت خداداد کا سلطان قتل کر دیا جائے گا۔ اس کے بعد میسور پر ایک طرف سے بھیڑیئے کی طرح انگریز چڑھ دوڑیں گے دوسری طرف سے مرہٹے۔ پھر یہ وحشی مل کر ملک کو لوٹیں گے۔ قوم کو تاراج کریں گے۔ عورتوں کی عصمت دری کریں گے۔ بچوں کو ذبح کریں گے۔ اس طرح میسور کی

سلطنت قصاب خانہ بن جائے گی۔ اور وطن پرست افراد کا ایسا خاتمہ کیا جائے گا کہ کوئی ان کا نام لیوا باقی نہ بچے گا۔

ہر فاتح دشمن یہی کرتا ہے خواہ وہ اپنے دعویٰ میں کتنا ہی مہذب کیوں نہ ہو۔ شکست خوردہ قوم کی زندگی غلاموں کی زندگی سے بھی بدتر ہوتی ہے اس لئے ملک وقوم کی حفاظت کے لئے کٹ مرنا لاکھ درجہ بہتر ہے۔ موت صرف ایک دفعہ آتی ہے۔ اور وہ موت تو بڑی مبارک ہے جو سچائی، حریت اور آزادی کا علم بلند کرنے کے سلسلہ میں آئے۔

حسین فدائے وطن سبیتا شب بھر ایسے ہی تفکرات میں مبتلا رہی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آتا تھا۔ کہ کیا کرے۔ ایک طرف اپنے شوہر کا معاملہ آپڑا تھا دوسری طرف ناموسِ وطن کا خیال تھا۔ دونوں کا پاس مقصود تھا۔ دونوں محبوب تھے مگر کسی برے انسان کی محبت ایک اچھی چیز کی عظمت پر غالب نہیں آنی چاہیے آخر بعد غور بسیار سبیتا کو اسی نتیجہ پر پہنچنا پڑا کہ وہ اپنے سلطان اور وطن کو بچائے گی چاہے اس کی قیمت غدار شوہر کی زندگی ہی کیوں نہ ہو۔ مگر اس فیصلہ سے قبل اس نے ایک بار اتمام حجت کے طور پر اپنے شوہر کو پھر سمجھایا۔

افسوس اس مبارک کوشش میں اس دفعہ کشن راؤ نے سبیتا جیسی نازنین وہمہ صفت موصوف بیوی کو اتنا زدوکوب کیا کہ اس کے نازک جسم پر نیلے نیلے نشان پڑ گئے۔ اس پر بھی اس کے خلاف سبیتا کے پاک دل میں جذبہ انتقام پیدا نہ ہوا بلکہ کشن راؤ کے شر کو اس نے صرف وطن کی محبت میں روکنے کا تہیہ کیا۔

آخر رات کو سبیتا نے اپنی معتمد دایہ کو سلطان ٹیپو کی والدہ کی خدمت میں روانہ کیا۔

اس کے ذریعہ کوئی رقعہ روانہ نہیں کیا مبادا کشن راؤ یا وطن دشمنوں کے ہاتھ لگ جائے۔ اس نے دایہ کو بالتفصیل کشن راؤ کی تمام سازش سے آگاہ کیا کہ وہ کس طرح سلطان کی جان کا لاگو ہے اور کھانڈے راؤ سے ساز باز کر کے کس طرح ملک پر مرہٹوں اور انگریزوں کو مسلط کرنے میں لگا ہوا ہے۔

بیگم (والدہ ٹیپو سلطان) کو جب یہ حال معلوم ہوا تو ان کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے۔ انہیں یقین نہیں آرہا تھا کہ کشن راؤ جیسا ذمہ دار شخص اس قدر نمک حرام اور اتنا بڑا غدار ہوسکتا ہے۔ آخر انہوں نے دایہ سے کہا کہ سبیتا رانی سے کہنا کہ خود ذرا آکر مجھے مل جائے چنانچہ صبح سبیتا دوا لینے کے حیلہ سے بیگم کے پاس پہنچی اور اپنی زبان سے کشن راؤ کی غداری کے پوست کندہ حالات بیان کیے۔

''مجھے تعجب ہے بیٹی کہ تیرے شوہر کو یہ کیا ہوگیا۔ ٹیپو سلطان نے تو اس پر اتنا بھروسہ کیا کہ اسے اپنا قائم مقام بنا کر باہر گیا ہے اور اس نے اس کے اعتماد کا یہ صلہ دیا''۔ بیگم نے کہا۔

''بیگم صاحب اب بحث کا وقت نہیں ہے پانی سر سے ڈھل چکا ہے اس لئے آپ جلد از جلد سلطان کی خدمت میں تمام حالات لکھ کر روانہ کیجئے۔ مگر بڑی احتیاط کی ضرورت ہے کیونکہ دشمن ضرور چوکنا ہوگا''۔ سبیتا نے جواب دیا۔

''خیر تم فکر نہ کرو میں آج ہی ٹیپو کے پاس آدمی دوڑاتی ہوں امید ہے کہ پرسوں تک اسے سب حال معلوم ہوجائے گا''۔ بیگم نے کہا پھر بولیں۔

''تیری جان کو تو کوئی خطرہ نہیں ہے بیٹی''؟ اگر کوئی ایسی بات ہو تو یہیں محل میں میرے پاس آجا''۔

''نہیں بیگم صاحب اس سے کشن راؤ کو شبہ ہوجائے گا اس سے بنا بنایا کھیل بگڑ جائے گا مجھے اپنی جان کی پرواہ نہیں''۔ بہادر سبیتا نے جواب دیا اور اپنے مکان پر آگئی۔

ONE URDU FORUM . COM ® SCANNED PDF By HAMEEDI

باب نمبر45

بیگم نے اسی روز اپنے بیٹے ٹیپو سلطان کو خط لکھا کہ نمک حرام کشن راؤ نے کھانڈے راؤ سے مل کر سازش کا ایک زبردست جال پھیلا رکھا ہے۔ چنانچہ اس پاجی کے ایما سے انگریزوں کی ایک زبردست فوج بمبئی سے روانہ ہونے والی ہے ادھر کشن راؤ تمہاری جان کا لاگو بھی ہے یہ تمام حالات مجھے کشن راؤ کی بیوی کی زبانی معلوم ہوئے ہیں۔ وہ ایسی وطن پرست لڑکی ہے کہ اس نے اپنے وطن دشمن شوہر کو ان ذلیل حرکتوں سے باز رکھنے کی انتہائی کوشش کی مگر کشن راؤ پر اس کا کوئی اثر نہ ہوا بلکہ اس پاجی نے اس وفا شعار دیوی کو زدوکوب کیا جب وہ بالکل مایوس ہوگئی تو میرے پاس آ کر تمام حالات بیان کئے اسی بنا پر میں تمہیں آگاہ کر رہی ہوں تا کہ جلد کوئی پیش بندی کر سکو اپنی نمک حرامی اور غداری کی بنا پر کشن راؤ سخت سزا کا مستحق ہے۔

سلطان کو جب اپنی والدہ کا یہ خط ملا تو کشن راؤ کی حرکتوں کا حال معلوم کر کے اس کو بڑا افسوس ہوا۔ اسے زیادہ رنج اس بات کا تھا کہ بھروسے کے آدمی بھی اس سے اور وطن سے باغی ہوئے جا رہے تھے۔ آخر اس نے سید سے مشورہ کیا۔ سید اس کا تجربہ کار جنرل تھا اور قابل اعتماد بھی۔

''اس میں پس وپیش کی کیا بات ہے سلطان مجھے اجازت دیجئے کہ نامعقول کشن راؤ کو سرکشی کا مزا چکھاؤں''۔ سید نے عرض کیا۔

''پس وپیش تو کیا صرف یہ خیال آتا ہے کہ اس کی ابھی شادی ہوئی تھی اس کو سزا ملی تو اس کی غریب بیوی مفت میں مبتلائے مصائب ہو جائے گی''۔ سلطان نے کہا

''اس کی نیک نہاد بیوی خود ایسے باغی کی سزا کی متمنی ہے۔ اس لئے اس شخص کے لئے اپنا دل ملائم نہ کیجئے۔ سید نے کہا۔

''اچھا تو تم سرنگا پٹم پہنچو۔ مگر اس طرح جانا کہ کسی کو خبر نہ ہو ورنہ باغی چوکنے ہو

ONE URDU FORUM . COM
® SCANNED PDF By HAMEEDI

جائیں گے''۔ سلطان نے کہا۔

''بہتر ہے لیکن کشن راؤ کے لئے حضور کیا سزا تجویز فرماتے ہیں''؟ سید نے دریافت کیا۔

''جو سزا مناسب سمجھو دے سکتے ہو''۔ سلطان نے کہا۔

''وہ باغی وغدار ہے اور غدار کی صرف ایک سزا ہے''۔ سید نے کہا۔

رحمدل سلطان چپ ہو گیا۔ خدا نے اسے بڑا عفو پرور دل عطا فرمایا تھا وہ اپنے دشمنوں سے بھی رحم ونرمی سے پیش آتا تھا۔ غرض سید اسی روز چپکے سے سرنگا پٹم کی طرف روانہ ہوا اور اس طرح اچانک جا پہنچا کہ کسی کو کانوں کان خبر تک نہیں ہوئی۔

سید نے جاتے ہی ایک لمحہ ضائع کئے بغیر کشن راؤ کو گرفتار کر لیا اور اسی وقت کھانڈے راؤ بھی پکڑ لیا گیا۔ پھر ان کے تمام ساتھی بھی دھر لئے گئے۔ کشن راؤ اس زعم میں کہ وہ سلطان کا وائسرائے ہے اپنی تذلیل سے سید پر بے حد خفا ہوا۔ سید ہنسا۔

''اچھا یہ الٹا چور کوتوال کو ڈانٹ رہا ہے غدار نمک حرام تجھے شرم نہیں آتی کہ اپنے ہی آقائے ولی نعمت کی جان وملک کے خاتمہ کے درپے ہے''۔ سید نے کہا۔

''سید تم میری توہین کر رہے ہو کیا قصور ہے میرا کہ تم نے مجھے آ کر گرفتار کر لیا''؟ کشن راؤ نے ہیکڑی سے کہا

''یہ کہ تم نے سرنگا پٹم پر قبضہ کرنے کے لئے بمبئی سے انگریزی فوج طلب کی ہے۔ دوسری طرف تمہارے ایما سے کھانڈے راؤ نے مرہٹوں کو دعوت دی ہے۔ ادھر سلطان کی جان لینے کی فکر میں ہو۔ پھر بھی پوچھتے ہو کہ تمہارا کیا قصور ہے''۔ سید نے جواب دیا۔

''یہ صریح اتہام ہے بغیر کسی ثبوت وگواہ کے تم اپنے اختیارات کا غلط استعمال کر رہے ہو''۔

''اچھا ثبوت چاہتے ہو۔ ٹھہرو''۔ سید نے کہا اس کے بعد اس نے حکم دیا کہ کشن راؤ کے ساتھیوں کو حاضر کیا جائے اس طرف یہ کارروائی جا رہی تھی دوسری طرف سبیتا پریشان تھی کہ اب کیا کرے۔ آخر کشن راؤ کے ساتھی پابجولاں حاضر کئے گئے۔ جب ان کے درے لگائے گئے تو انہوں نے کشن راؤ کی تمام حرکات بیان کر دیں۔

''بولو اب بھی ثبوت کی ضرورت ہے''؟ سید نے کشن راؤ سے اتمام حجت کے بعد دریافت کیا وہ خاموش ہوگیا۔ آخر ذرا وقفہ کے بعد بولا۔

''تم مجھے سزا دے سکتے ہو سید۔ لیکن جس فتنہ کی داغ بیل میں ڈال چکا ہوں وہ سلطان کے مٹانے سے بھی نہیں مٹے گا''۔ اور اس کم بخت کے یہ الفاظ حقیقت پر مبنی تھے۔

آخر سید نے کشن راؤ کی گردن ماردی، اس طرح ایک بہت بڑے مفسد اور وطن دشمن کا خاتمہ ہوگیا۔ مگر ایسے یا اس سے ذرا کمتر غدار سلطنت خداداد کے اندر کئی موجود تھے۔ بہرحال کشن راؤ کیفر کردار کو پہنچا اور اس کی نوجوان و حسین بیوی بیوہ ہوگئی۔

چونکہ اب سلطان کے ساتھ نہ تو حسین علی تھا اور نہ سید اس لئے اس نے میر قمر الدین کو سپہ سالار مقرر کیا اور اس کو انگریزوں سے مقابلہ کا حکم دیا میر قمر الدین بڑا چالاک افسر تھا۔ چونکہ نظام حیدرآباد اور انگریز ملے ہوئے تھے۔ اس لئے چالباز میر قمر نے اپنی فوج کو حیدرآبادی وردی پہنا دی تاکہ ایک طرف تو انگریزوں کو دھوکا ہو دوسری طرف حیدرآبادی فوج کو غرض وہ مالور کے راستے سے بنگلور کی طرف روانہ ہوا۔ ابھی اس نے نصف راہ ہی طے کی ہوگی کہ انگریزی فوج نظر آئی۔

انگریزوں نے قمر الدین کی فوج کو حیدرآبادی لشکر سمجھا اور اس کی مزاحمت نہیں کی قمر الدین آگے جاکر پڑاؤ اور رات ہونے کا انتظار کرنے لگا۔ جب تھوڑی دیر بعد رات کی پری نے جنگل میں اپنے سیاہ پر پھیلائے تو قمر الدین تھوڑے سے آدمیوں کو لے کر نکلا اور انگریزوں پر ٹوٹ پڑا۔ اس اچانک حملہ میں بے شمار انگریز مارے گئے اور سلطانی فوج کے ہاتھ غلہ سے لدے ہوئے پانچ ہزار بیل لگے اس کے علاوہ اور بھی بہت سا سامان لوٹ لیا۔ رسد کے لٹ جانے سے انگریز اداس ہوگئے اور انہیں فاقوں نے آگھیرا۔

میر قمر الدین انگریزوں کے تعاقب میں لگا رہا اور سلطان فوج کے امور اس کے سپرد کر کے سرنگاپٹم کی طرف روانہ ہوا کشن راؤ کے قتل کو تین چار ماہ گزر چکے تھے اور اب بظاہر دار سلطنت میں کوئی مفسد نہ رہا تھا۔ مگر کس کو معلوم تھا کہ خود سلطان کی فوج میں بڑا برا غدار موجود تھا اور اس کا وزیر اعظم میر صادق انگریز کا زرخرید غلام بنا ہوا تھا۔

سبیتا کو چونکہ سلطان کی والدہ سے بہت ارادت تھی۔ اس لئے وہ ان سے ملنے

ONE URDU FORUM . COM
® SCANNED PDF By HAMEEDI

آتی رہتی تھی اور بیگم بھی اس حسین بیوہ کی جوانی کو بڑے رنج و افسوس سے دیکھتی تھی۔

''سبیتا تم اپنے اس لباس بیوگی میں بھی کتنی بھلی معلوم ہوتی ہو''۔ بیگم نے اس کے حسن و شباب کی تعریف کرتے ہوئے کہا اب وہ کوئی رنگین لباس نہیں پہن سکتی تھی اس کی سڈول اور گوری کلائیاں چوڑیوں سے خالی تھیں اور دلکش لانبے بال بغیر مانگ کے ویسے ہی الٹ کر جوڑے کی شکل میں لوٹ لئے جاتے تھے، مگر پھر بھی وہ اپنی سفید ساڑھی اور محروم آرائش جسم میں قیامت نظر آتی تھی۔

''یہ آپ کی محبت بھری نگاہوں کا اثر ہے بیگم ورنہ میں تو خود کو بہت ہی حقیر سمجھتی ہوں''۔ سبیتا نے شرماتے ہوئے جواب دیا۔

''کیا یہ ممکن ہی نہیں کہ تمہاری پھر کسی سے شادی ہو سکے''؟ بیگم نے دریافت کیا۔ سبیتا خاموش ہوگئی۔

اسی عالم میں سلطان سرنگاپٹم آگئے اور آتے ہی سیدھا اپنی ماں کی قدم بوسی کو محل میں آتا چلا گیا۔ نہ اپنی بیگم کے پاس گیا اور نہ شہزادوں سے ملا ایک بیگم کا دو سال پہلے انتقال ہو چکا تھا۔ ویسے بھی یہ ولی صفت سلطان بیگمات و محلات کی دنیا کا انسان نہ تھا۔

سبیتا بیگم کے پاس سے اٹھ کر جا رہی تھی کہ ڈیوڑھی میں اس کی مڈبھیڑ سلطان سے ہوگئی۔ سلطان نے سامنے سے کسی کو آتا دیکھ کر نظر اٹھائی اور کوئی عورت نظر آئی۔ عورتوں کو دیکھنے کا وہ عادی نہ تھا اس لئے حسب معمول نیچی نظریں کئے گزرنے لگا۔ لیکن اسے دیکھ کر کو سبیتا کا مایوس تمنا دل اچھل پڑا۔ اس کے سامنے سے اس کے بچپن سے لے کر شباب تک کا ہیرو گزر رہا تھا۔ دل بلیوں اچھلنے لگا۔

آخر اس نے حواس پر قابو پا کر اپنے دل کے راجہ کو ادب سے سلام کیا۔ خوش اخلاق و رعایا پرور سلطان نے مسکراتے ہوئے اس کے سلام کا جواب دیا اور اسی سلسلہ میں پھر اس کی نظر سبیتا پر پڑ گئی۔ شاید وہ اسے پہچان نہ سکا تھا کیونکہ اس کے چہرے سے شناخت یا یگانگی کے اثرات نمایاں نہیں ہوئے تھے۔ لیکن یہ نسوانی چہرہ اتنا دلکش تھا کہ پرور آنکھیں بھی اسے دیکھ کر باصرہ پر نہایت خوشگوار اثرات محسوس کرتی تھیں۔ سلطان مسکراتا ہوا چلا گیا۔

اپنی ماں کے پاس آکر سلطان نے آداب بجالایا اور حسب معمول انہیں بہت

سے تحفے پیش کئے ماں نے بے شمار دعائیں دیں۔ ماں کی دعائیں خدا کا پیار ہوتی ہیں۔

''اماں میں آپ کا بہت ہی شکر گزار ہوں کہ آپ نے مجھے کشن راؤ کی نمک حرامی وغداری کی بروقت اطلاع روانہ کردی تھی۔ ورنہ نا معلوم کیا ہوتا''۔

والدہ نے کہا۔

''خدا کا شکر ہی شامل حال تھا کہ میں اسکی سازش پا گئی۔ تمہارے ساتھ حسین علی بھی آئے ہیں''؟ والدہ نے دریافت کیا۔

''جی نہیں وہ یہاں سے بہت دور ایک محاذ پر ہیں۔ سلطان نے جواب دیا

''تم کیوں اپنا محاذ چھوڑ کر یہاں چلے آئے۔ کہے دیتی ہوں کہ ٹیپو اگر تم نے کبھی اپنے فرض میں کوتاہی کی یا جان بچانے کو ادھر ادھر چھپے پھرے تو دودھ نہیں بخشوں گی''۔ اس بہترین مسلمان ماں نے اپنے بیٹے کو تنبیہ فرماتے ہوئے کہا۔ سلطان اپنی ماں کی خفگی پر لاڈ سے ہنسنے لگا پھر بولا۔

''جس روز آپ اپنے نا خلف کو فرض وشوق شہادت سے خالی پائیں تو اپنے ہاتھ سے گولی ماردیں۔ سرنگاپٹم میں مجھے کچھ نئے انتظامات کی وجہ سے آنا پڑا ہے ورنہ میں ابھی دو چار ماہ اسطرف نہ آتا کیونکہ اب براہ راست شر پسند دشمن امن انگریزوں سے معرکہ آپڑا ہے''۔

''انگریز بڑا دھوکے باز اور وحشی دشمن ہے اس سے خبردار رہنا''۔ ماں نے کہا

''انشاءاللہ اچھا آپ نے حسین علی کی بابت مجھ سے کیوں دریافت کیا تھا''؟

''اس کے نام کنانور کی رانی کا ایک خط آیا تھا دو ماہ ہوئے ہوں گے۔ اب مجھے اس کا مضمون تو یاد نہیں رہا اتنا خیال ہے کہ وہ سرنگاپٹم آنا چاہتی ہے''۔ والدہ نے جواب دیا۔

سلطان کو معاً حسین علی اور بالیا کی حکایت محبت یاد آگئی اور وہ ہنسنے لگا۔

''کیوں ہنس رہے ہو''؟ ماں نے اس کی بے محل ہنسی پر متعجب ہوکر پوچھا۔

''آپ کی خدمت میں آجاتا ہوں تو جنت مل جاتی ہے تمام آلات وتفکرات سے نجات مل جاتی ہے بس یہی دل چاہتا ہے کہ ہنستا ہی رہوں''۔

''یہ کہ کنانور کی رانی کو اپنی خدمت میں بلا لیجئے۔ اس کی اور حسین علی کی

شادی طے ہوچکی ہے''۔ سلطان نے اسی طرح ہنستے ہوئے جواب دیا۔

''اچھا میرے فرشتوں کو بھی خبر نہیں۔ یہ تم لوگ میدان جنگ میں جایا کرتے ہو یا بزم آرائیاں کرتے پھرتے ہو''۔ ماں نے کہا۔ سلطان خوب ہنسا پھر اس نے مختصر وشائستہ الفاظ میں بالیا اور حسین کا قصہ بیان کیا۔

''مجھے خوشی ہوئی۔ اللہ راس لائے حسین بھی تمہارا بھائی ہے دل کھول کر اس کی شادی پر صرف کرنا''۔

''لیکن وہ ابھی شادی نہیں کرنا چاہتا کہتا ہے کہ دشمنوں کا ذرا زور ٹوٹ جائے اور امن کی فضا قائم ہو تو اپنی خوشی پوری کرے گا''۔

''اچھا خیال ہے۔ خدا ہم لوگوں کے ارادوں میں برکت دے''۔ والدہ نے کہا۔ سلطان چند منٹ اور بیٹھا پھر اٹھ کھڑا ہوا۔ چلتے چلتے اسے اس غیر معمولی شکل و صورت والی لڑکی کا ذرا خیال آیا جس کو ابھی اس نے ڈیوڑھی میں دیکھا۔ چنانچہ اپنی ماں سے بولا۔

''امی معاف کیجئے۔ وہ آپ کے پاس ابھی کون آیا تھا''؟

''کب''؟ ماں نے کہا۔

''ابھی ابھی میرے آنے سے چند لمحات پہلے کوئی عورت ڈیوڑھی میں نظر آئی تھی۔ میرا خیال ہے کہ اس نے مجھے اس طرح سلام کیا تھا جیسے کوئی فریاد کرنے والی ہو''۔

''اچھا وہ۔ ارے تم نے اس کو نہیں پہچانا! سبیتا تھی، کشن راؤ کی بیوہ''۔ ماں نے جواب دیا

''اوہو وہ سبیتا تھی، بیچاری کو اپنی بیوگی کا بڑا رنج ہوگا اور رات دن اپنے بدکردار شوہر کے غم میں سوگوار رہتی ہوگی''۔ سلطان نے افسوس سے کہا۔

''خدا بہتر جانتا ہے مگر بیٹے تم اور تمہاری سلطنت اسی بہادر اور وطن پرست لڑکی کی رہین منت ہے اسی کو سب سے پہلے کشن راؤ کی غداری کا بھید معلوم ہوا تھا اس پر اس کو اتنا رنج ہوا کہ کھانا پینا اپنے اوپر حرام کرلیا۔ رات دن اپنے شوہر کو سمجھاتی رہتی تھی کہ اپنے شیطنیت سے باز آجائے۔ اس پر اس شقی نے ایسی انمول بیوی کو پیٹا بھی۔ آخر جب اس نے دیکھا کہ کشن راؤ اپنی حرکات مذبوحی سے نہیں ہٹتا تو اپنی جوانی اور

ONE URDU FORUM . COM
® SCANNED PDF By HAMEEDI

سہاگ کا عیش قربان کرنے کو تیار ہوگئی تا کہ اپنے حکمران اور اپنے وطن کو دشمنوں سے بچالے۔ ایک رات کو چھپ کر میرے پاس آئی اور کشن راؤ کی تمام سازش سے مجھے باخبر کر دیا اور کہا کہ فوراً تمہیں سقیم حالات کی اطلاع کر دی جائے۔ چنانچہ جس ہستی نے تمہیں اور تمہاری سلطنت کو بچایا ہے وہ سبیتا ہے''۔

سبیتا کے اس بلند کردار سے سلطان متحیر رہ گیا اور ایسی پر ایثار و محب وطن لڑکی کا وہ دل میں بہت ممنون ہوا۔ ایسی ہستیاں بڑے احترام و عزت کے قابل ہوتی ہیں۔

''واقعی سبیتا نے ملک و قوم کی سب سے بڑی خدمت انجام دی ہے خدا اسے جزائے خیر دے۔ اس کا یہ احسان ہمیشہ قائم رہے گا۔ مجھ پر بھی اور ملک پر بھی۔ اگر وہ پھر کبھی آئے تو میری جانب سے اور تمام قوم کی جانب سے آپ اس کا شکریہ ادا کر دیجئے گا۔ سلطان نے کہا۔

''وہ اکثر میرے پاس آتی رہتی ہے۔ اور میں نے اسے ایک چھوٹی سی جاگیر دیدی ہے''۔ والدہ نے کہا۔

''آپ اسے اس احسان کے اعتراف میں ایک پرگنہ عطا فرمادیں''۔ سلطان نے کہا پھر اپنی والدہ کو آداب کر کے رخصت ہوگیا۔

سلطان نے یہاں تقریباً دو ماہ قیام کیا سب سے مقدم کام یہ تھا کہ بھرتی شروع کی جائے چنانچہ اس نے قصبات و دیہات میں پھر کر لوگوں کو وطن کی حفاظت کی ترغیب دی۔ جدید سامان جنگ مہیا کیا اور مورچوں کو مضبوط کیا۔ مگر سبیتا کو اب ان فوجی تیاریوں سے زیادہ دلچسپی نہیں رہی تھی کیونکہ اس کی زندگی کا فاتح یہاں موجود تھا جس کو دیکھ لینے کے بعد سے وہ دنیا و مافیہا سے غافل ہوگئی تھی۔

ONE URDU FORUM . COM
® SCANNED PDF By HAMEEDI

باب نمبر46

سبیتا کی داماندگی و حسرت نصیبی اب تک برقرار تھی کیونکہ اس کے محبوب سلطان نے ایک دفعہ بھی بنظر التفات اس کی طرف نہیں دیکھا تھا حالانکہ سلطان کو سرنگاپٹم میں آئے ہوئے دو ڈھائی ماہ گزر گئے تھے۔ سبیتا کئی دفعہ بیگم صاحبہ کے پاس اپنے دل غم دیدہ کے تقاضوں سے مجبور ہو کر صرف اس لئے جاتی رہی کہ شاید کسی وقت سلطان کے درشن ہوجائیں ممکن ہے کسی روز وہ مل جائے اور اس سے بات چیت کر لے۔ مگر سلطان فوجی بھرتی میں اس قدر محو تھا کہ اسے سر اور پیر کا ہوش نہ رہا تھا۔ سبیتا کیا اس کے خیال میں آسکتی تھی۔

اس پر بھی سبیتا کبھی کبھی دور سے اپنے سلطان کو دیکھ لیا کرتی تھی اس سے اس کی آشفتہ حیات کی تسکین ہونے کے بجائے آرزوئے شوق اور بھڑک اٹھتی اپنی شادی کے بعد اور ازدواجی زندگی کے دوران میں بھی اس کے دل سے اپنے محبوب ٹیپو کا خیال کبھی نہیں نکلا تھا۔ ویسے وہ اطاعت گزار اور وفا شعار بیوی تھی۔ اور اس نے اپنے غدار شوہر سے کبھی غداری نہیں کی۔ مگر اپنے صنم خیالی کا ضرور خیال کرتی جو ہر دم اس کے تصور پر چھایا رہتا تھا۔ اس کے باوجود بھی اس کی مایوس محبت اس کے اور کشن راؤ کے درمیان حائل نہیں ہونے پائی تھی۔ ممکن تھا کہ وہ کشن راؤ کی بدکرداری کو برداشت کر جاتی مگر جب وہ اپنے آقا اور ملک و قوم کا خطرناک دشمن ثابت ہونے لگا تو حسین سیرت والی سبیتا اس کی متحمل نہ ہوسکی اور اس کو اپنے دشمن وطن شوہر سے نفرت ہوگئی۔

وقت گزرتا جارہا تھا حسن و جوانی اپنے گریزاں محبوب کے تصور میں بیتی چلی جارہی تھی مگر سبیتا کو سلطان سے دو بات کرنے کا موقع نہیں ملتا تھا۔ کبھی وہ سوچتی تھی کہ سلطان سے اب کہنا کیا رہ گیا تھا۔ کشن راؤ سے اپنی شادی سے قبل اس نے ٹیپو کو اپنے

جذبات والہیت سے باخبر کیا تھا اور افسوس وہ اسکی محبت کی پذیرائی نہ کرسکا تھا۔ اب بیوہ ہوجانے کے بعد کس کی نگاہ میں اسکی وقعت ہوگی اور سلطان کیوں توجہ ارزانی کرے گا۔

آخر انہی مایوسیوں کے ہجوم میں ایک دن سبیتا کے ذہن میں ایک نئی بات آئی پر لطف اور چونکا دینے والی بھی۔ اگر سلطان اسے اپنی زوجیت میں قبول کرلے تو یہ اس کی مردہ حسرتوں کی معراج ہوگی۔ یہ اس کی حسرت نصیب محبت کی تعبیر ہوگی۔ مگر سوال یہ تھا کہ سلطان اسے کیوں قبول کرنے لگا۔ اسے اس سے کونسی محبت تھی۔ اس خیال کے بعد اس پر پھر اداسی چھا جاتی مگر امید زندگی کا سرچشمہ ہے۔ سبیتا نے بھی اس امید کا سہارا لیا کہ اگر وہ بیگم صاحبہ کی خدمت میں جا کر اپنی آرزوئے دلی کا اظہار کرے تو ممکن ہے وہ اپنے فرماں بردار بیٹے کو ہموار کرسکیں۔ بیگم بڑی رحمدل اور خداترس واقع ہوئی تھیں۔

اسی سوچ و بچار میں آخر سبیتا ایک روز ٹیپو کی والدہ صاحبہ کی خدمت میں پہنچی۔ آج بھی ٹیپو غائب تھا۔

''آؤ بیٹی۔ اب کے تو تم نے بہت دن بعد چکر لگایا''۔ بیگم نے سبیتا سے ماورانہ محبت سے کہا، آج بھی سبیتا وہی بیوہ کے لباس میں تھی اس کی سفید ساڑھی اور بے نیاز آرائش چہرہ آج بھی پیار کے قابل نظر آرہا تھا۔

''فرصت نہیں ملی تھی بیگم صاحبہ۔ پھر یہ بھی خیال تھا کہ آجکل سلطان آئے ہوئے ہیں ممکن ہے میرا آنا جانا انہیں ناگوار گزرے''۔ سبیتا نے جواب دیا۔

''تیرا آنا اسے ناگوار کیوں گزرے گا۔ بلکہ اس نے تو تیری بہادری و وطن پرستی سے باخبر ہوکر اس قدر مسرت کا اظہار کیا کہ جس کی حد نہیں''۔ بیگم نے کہا۔

''کیا کہا تھا انہوں نے''؟ سبیتا دل میں خوش ہوئی کہ اس کی حقیر وطنی خدمت اس کے محبوب سلطان کے علم میں بھی آگئی۔

''کہنے لگا کہ تم نے اس پر اور ملک پر اتنا بڑا احسان کیا ہے کہ ہمیشہ تاریخ کے صفحات میں وہ جگمگا تا رہے گا۔ اس کے علاوہ ٹیپو نے اپنے طور پر بھی بیحد شکریہ ادا کیا تھا

ONE URDU FORUM . COM
® SCANNED PDF By HAMEEDI

''۔ بیگم نے کہا۔

''اپنے طور سے کیا مطلب''؟ سبیتا نے اپنے بارے میں سلطان نے مزید خیالات معلوم کرنے کی نیت سے دریافت کیا۔

''یہ کہ تمہارے اس قومی کارنامے کے بعد سے وہ تمہیں بہت قابل احترام لڑکی سمجھنے لگا ہے''۔

''جیسے میں کوئی مہاتما یا دھرماتما ہوں کہ ان کے لئے قابل احترام بن گئی''۔ سبیتا نے ہنس کر کہا۔

''میں سلطان سے احترام کی طالب نہیں''۔ اس دفعہ اس نے سنجیدگی سے کہا۔

''پھر کیا چاہتی ہو یا میں تم سے کہنا بھول گئی کہ سلطان نے تمہیں جاگیر میں ایک پورا پرگنہ دے دیا ہے''۔ بیگم نے اسے خوش کرنے کو کہا۔

''نہیں بیگم صاحب شکریہ میں پرگنہ کا کیا کروں گی لے کر''۔ سبیتا نے کہا اور اس کے عنابی رخساروں پر نامعلوم کس خیال سے اور سرخی دوڑ گئی۔

''اب تو تکلف برت رہی ہے بیٹی ہم سے''۔ بیگم نے مسکرا کر کہا۔

''نہیں بیگم میں تو خود کو آپ کی بیٹی سمجھتی ہوں''۔

''پھر مجھے تو اماں کیوں نہیں کہتی۔ بیگم کیوں کہا کرتی ہے''؟ بیگم نے مسکرا کر کہا۔

''کیونکہ آپ نے مجھے بیٹی بنانا چاہا ہی نہیں''۔ سبیتا نے کہا۔ بیگم ہنسنے لگیں۔

''میرا تو دل چاہتا ہے کہ تجھے کچھ اور بھی بنا دوں''۔ بیگم نے ہنستے ہوئے کہا۔

''میں تو کچھ بھی بننے کے لائق نہیں اماں۔ اگر ہوں تو فقط بیوہ بنی رہنے کے قابل ہوں''۔ سبیتا کی زبان سے عالم یاس میں نکلا۔ بیگم کے دل پر اس کے الفاظ نشتر کی طرح لگے وہ ذرا خاموش ہوگئیں پھر وقفہ کے بعد بولیں۔

''سبیتا مجھے تیری جوانی و حسن پر ترس بھی آتا ہے اور پیار بھی۔ افسوس تو پسند نہیں کرے گی ورنہ میں تجھے اپنی چہیتی بہو بنا لیتی۔ تو نے شکل، لیاقت اور خیالات ایسے پائے

ہیں کہ تو میرے ٹیپو کی بیگم بنتی''۔ان الفاظ کو سن کر سبیتا کا دل خوشی سے اچھل پڑا وہ تو خود دل میں یہی آرزو لے کر آئی تھی۔ شکر ہے اس کا اظہار خود بیگم صاحبہ کی طرف سے ہوا وہ مسرت سے گنگ ہوگئی۔ اسے جواب کے لئے حیا و مسرت کی وجہ سے الفاظ نہ مل سکے۔

''کیا تجھے میرے ان الفاظ سے خوشی ہوئی سبیتا''۔بیگم نے اس کے چہرے کے اتار چڑھاؤ کو تاڑتے ہوئے کہا۔آخر حیدر علی جیسے باریک بین انسان کی بیوی تھی۔ سبیتا نے کوئی جواب نہیں دیا کبھی شرم سے اس کے گالوں پر رنگ دوڑ جاتا تھا کبھی مسرت سے

''بیٹی کبھی انسان اپنی سچی خوشی سے بھی لوگوں کو دھوکا دے دیا کرتا ہے۔ کیا مجھے بھی دھوکا ہو رہا ہے''؟ بیگم نے اسے چپ پا کر کہا۔

''حضور اماں میں تو آپ کی کنیز ہوں۔ کس طرح آپ کو دھوکا دینے کی جرأت کر سکتی ہوں''۔آخر بدقت سبیتا کی زبان سے نکلا۔بیگم نے اس کا مبہم مفہوم کسی قدر سمجھ تو لیا۔ مگر پھر بھی تصریح چاہی۔

''اچھا تو میں تیرے الفاظ کا یہ مطلب سمجھوں کہ تجھے میری آزرو کا پاس ہے میری تجویز سے اتفاق ہے''؟اس کے جواب میں سبیتا نے جھک کر ان کے قدم چوم لئے۔ بیگم نے اسے گلے لگا کر پیار کیا پھر خوش ہو کر بولیں۔

''مجھے آج بیحد خوشی ہے کہ تجھ جیسی انمول بہو میرے گھر آئے گی۔

''مگر حضور اماں۔ٹیپو سلطان بہت بڑے انسان ہیں اور میں ایک حقیر ہستی''۔ آخر سبیتا نے کہا۔

''تو اس سے بھی بڑی ہے۔ وہ سینکڑوں لڑائیاں لڑتا ہے تب جا کر اپنے ملک کو بچانے کے قابل ہوتا ہے مگر تو نے چند الفاظ سے اپنے ملک کو بچا لیا تھا''۔بیگم نے مسرت سے کہا۔

سبیتا کی خوشی کی انتہا نہ رہی۔

''میں ایک دو دن میں ہی ٹیپو کو راضی کر لوں گی ذرا آجائے اب کی دفعہ''۔

''وہ میری زندگی کی معراج کا دن ہوگا''۔سبیتا نے اسی قدر مسرت سے جواب دیا۔ اب شرم و خوشی کے مارے سبیتا کو یہاں بیٹھنا دوبھر ہو گیا تھا۔ چنانچہ اپنی تازہ تازہ مسرت ضبط کرتی ہوئی اٹھی۔بیگم کو آداب کیا اور کیفِ نشاط سے لڑکھڑاتی ہوئی رخصت ہوئی۔ بیگم مسکراتی ہوئی اسے جاتا دیکھتی رہیں۔

بیگم کو واقعی آج بڑی خوشی ہوئی تھی۔ وہ شروع ہی سے سبیتا کو پسند کرتی تھی اور اس کی مداح تھی۔ پھر وطن کی خاطر جس ایثار و قربانی سے کام لے کر اس نے بیوگی کی قابل رحم زندگی اختیار کی تھی اس نے بیگم کو اس کا اور بھی گرویدہ کر دیا تھا۔ اب انہیں ذرا یہی کھٹکا رہ گیا تھا کہ جنگ و جدال میں پھنسا ہوا ان کا بیٹا کہیں اس مبارک بیاہ کی مخالفت نہ کر بیٹھے مگر انہیں ٹیپو کی سعادتمندی سے توقع تھی کہ اپنی ماں کی بات نہ ٹالے گا۔

''ادھر ادھر کے علاقوں کا چکر لگا کر ٹیپو کہیں پندرہ بیس روز کے بعد سرنگا پٹم آیا۔ اور حسب معمول پہلے ماں کی خدمت میں حاضر ہوا۔ پریشانیوں اور تگ و دو کی وجہ سے وہ کافی تھکا ہوا نظر آرہا تھا۔

''بہت تھکے ہوئے نظر آرہے ہو بیٹے۔چند روز آرام کر لو۔پھر کہیں جانا''۔ماں نے کہا۔

''نہیں تو امی جان مطلق آرام کی ضرورت محسوس نہیں کرتا۔چلنا پھرنا تو میرا کام ہے۔ شکر ہے ابا مرحوم نے شروع ہی سے مجھے عادیٔ شدائد بنا دیا تھا''۔

''نہیں، تمہیں آرام کرنا چاہیے۔ میں نے تمہاری راحت و خوشی کا ایسا انتظام کیا ہے کہ تم بھی پھولے نہیں سماؤ گے''۔بیگم نے مسکرا کر کنایتہً کہا۔

''آپ ہی ایسا انتظام نہیں کریں گی تو کون کرے گا''؟ ٹیپو نے کہا۔

''تم نے اس انتظام کی نوعیت دریافت نہیں کی مجھ سے''۔ماں نے مسکرا کر پوچھا

''کیوں دریافت کرتا۔آپ کے کسی انتظام کے متعلق میں سوال کرنے کی جرأت کس طرح کر سکتا ہوں''۔

ONE URDU FORUM . COM
® SCANNED PDF By HAMEEDI

''بس ٹھیک ہے انشاءاللہ تمہیں سیتا جیسی انمول اور چاندی بیوی ملنے والی ہے''۔
بیگم نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ٹیپو ان کلمات کو سن کر حیرت سے اچھلا تو نہیں مگر متجبانہ اپنی ماں کا منہ تکنے لگا

''جی.....جی.....میں سمجھا نہیں''۔آخر اس نے کہا۔

''نہ سمجھنے کی کونسی بات ہے۔ سیتا کی تم قدر کرتے ہو اس کے اعلیٰ کردار کے معترف ہو پھر اس سے بہتر بیوی تمہیں کہاں مل سکتی ہے''۔

''مگر.....مگر امی جان.....

''کیا کہنا چاہتے ہو''؟

''مجھے بیاہ شادی سے کوئی رغبت نہیں اور نہ فرصت ہے''۔

''یہ ہمارا حکم ہے''۔بیگم نے اسے ہاتھوں پر سے جاتے دیکھ کر کہا

''مگر اماں۔اب میں بچہ تو ہوں نہیں کہ.....''

''کہ میرے حکم کی تعمیل کرو''۔بیگم نے اس کا جملہ پورا کیا۔

''جی نہیں۔ جی نہیں۔ میں آپ کے کسی ارشاد سے سرتابی نہیں کرسکتا۔ مگر سیتا ایک غیر مسلم لڑکی ہے ممکن ہے وہ پسند نہ کرے۔ آپ کو معلوم ہے کہ میں اپنی غیر مسلم رعایا کا کتنا پاس کرتا ہوں''۔

''مجھے معلوم ہے اسی لیے سیتا کو تمہاری دلہن بنا رہی ہوں اسے میری تجویز سے کلیتہً اتفاق ہے اور وہ تمہیں پسند کرتی ہے''۔بیگم نے کہا۔ان کے الفاظ سن کر ٹیپو کو آہستہ آہستہ یاد آنے لگا کہ سیتا وہ لڑکی ہے جو شروع [illegible] سے اس کی محبت کا دم بھرتی ہے یہ یاد آتے ہی سلطان کے سنجیدہ چہرے پر مسکراہٹ آگئی اور بیگم کو آداب کر کے چلا گیا۔

ONE URDU FORUM . COM
® SCANNED PDF By HAMEEDI

باب نمبر47

لیکن اس کے باوجود بھی سلطان کی مرضی نہیں تھی کہ وہ شادی کرے۔ سیتا ہی کی تخصیص نہ تھی۔ اسے اپنے تورع کی بنا پر کچھ عورتوں سے رغبت نہ تھی۔ وہ حرم کا انسان نہیں تھا۔ اس میں شبہ نہیں کہ جب سے اس کے علم میں سیتا کی عظیم الشان وطنی خدمت آئی تھی وہ اس کی نگاہ میں بہت وقیع ہوگئی تھی۔ اسے ناز تھا کہ اسکی رعایا میں ایسی وطن پرست لڑکیاں بھی موجود تھیں اس قسم کی اعلیٰ کردار کی عورتیں اور مرد اس کے محبوب ترین دوست تھے۔مگر سیتا تو اس سے محبت بھی مانگ رہی تھی۔ اسے سیتا کے جذبات کا علم تھا کیونکہ کشن راؤ سے اپنی شادی سے قبل اس نے سلطان کو اپنی دلی کیفیات سے باخبر کر دیا تھا۔

ٹیپو سلطان سینتالیس اڑتالیس سال تک زندہ رہا اور اس کی بیویوں سے اس کے تیرہ بچے پیدا ہوئے تھے ان میں لڑکے بھی تھے اور لڑکیاں بھی۔ان میں شہزادہ عبدالخالق اور معزالدین تو کافی سیانے تھے۔

مگر سلطان کی جرأت نہیں ہوتی تھی کہ اپنی والدہ کے حکم کو ٹال دے۔ان کے سامنے تو وہ گول مٹول سی بات بنا کر چلا آیا تھا۔ مگر بعد میں اس نے طے کیا کہ کسی وقت پر جا کر ماں کو سمجھا آئے گا کہ اسے شادی بیاہ کی فرصت نہیں ہے۔ اس فیصلہ کے بعد ہی اس سیتا کا خیال آیا کہ اس غریب کا کیا حال ہوگا۔ سیتا سلطان کی اس لئے خواہاں نہ تھی کہ اس شادی کے بعد بیگم بن جائے گی اور اس کے اعزاز میں اضافہ ہو جائے گا۔وہ تو صرف اپنے نسوانی دل کے تقاضے پر اس کو چاہتی تھی۔ چاہے بیگم یا ملکہ ہونے کے بجائے وہ کنیز ہی بن جائے مگر کسی طرح اس کا محبوب اسے مل جائے۔مگر محبوب کی یہ کیفیت تھی کہ اس کو اپنا بنانے ہی میں پس وپیش کر رہا تھا۔

اسی ادھیڑ بن میں سلطان نے کافی دن گزار دیئے یہاں تک یہ سرنگا پٹم سے رخصت ہو کر وہ انگریزوں مرہٹوں اور حیدر آبادیوں کی گوشمالی کے لیے جانے کی تیاری

ناول کیلئے ون اردو کے شکر گزار ہیں

کرنے لگا۔ اس کی والدہ کو جو معلوم ہوا کہ وہ جانے والا ہے تو بلا کر اس کی ایسی خبر لی کہ وہ اپنے تمام عزائم بھول گیا۔

''آپ تو اماں زبردستی میرے پیچھے پڑی جا رہی ہیں سبیتا کی صریح مرضی کا علم مجھے اب تک نہیں ہے''۔ آخر اس نے اپنی والدہ سے کہا۔

''مجھے تو علم ہے۔ رہے تم تو ایک باحیا لڑکی کے خیالات تم کیسے جان سکتے ہو''؟ ماں نے کہا۔

سلطان مسکرانے لگا اس لڑکی کے خیالات سے وہ خوب واقف تھا اس وقت صرف اپنی والدہ سے پیچھا چھڑانا چاہتا تھا۔

''دیکھو ٹیپو میں کہے دیتی ہوں کہ تم نے اگر میرا کہنا ٹالا تو سخت ناراض ہو جاؤں گی''۔ اماں نے کہا۔

''اچھا اچھا ناراض نہ ہوں کہاں ہے سبیتا۔ بلایئے اسے اور اسی وقت میرا نکاح کر دیجئے''۔ سلطان نے زچ ہو کر کہا۔

''واہ میں دھوم دھام سے تم دونوں کا بیاہ کروں گی۔ اس طرح چپ چاپ نہیں''۔ بیگم نے جواب دیا۔

''اب یہ پیاری امی جان آپ کی زیادتی ہے۔ ہو چکیں بس دو شادیاں دھوم دھام سے''۔ سلطان نے کہا۔

''اچھا خیر مگر پھر بھی شہر کے چند معزز ضرور شریک کئے جائیں گے بس اب تم پرسوں جمعہ کو تیار رہو۔ فجر کے وقت سبیتا تمہاری ہو جائے گی۔''

''بہت اچھا مگر آپ نے یہ نہیں بتایا کہ نماز سے پہلے یا نماز کے بعد''۔ سلطان نے ماں کو چھڑتے ہوئے کہا۔

''بس کہہ دیا جس وقت میں مناسب سمجھوں گی۔ جاؤ'' ماں نے کہا سلطان مسکراتا ہوا چلا آیا اس کے جاتے ہی بیگم نے کنیزوں کو دوڑا کر سبیتا کو بلایا اور اسے مژدہ سناتی ہوئی بولیں۔

''مبارک ہو بیٹی، پرسوں صبح تو انشاء اللہ میری پیاری بہو بن جائے گی''۔ اس خوشخبری کو سن کر سبیتا جامہ میں پھولی نہ سمائی۔ اس نے شرما کر سر جھکا دیا

''تیرے والدین کو بھی رقعہ لکھ دیا ہے اور ان کو شام کے کھانے پر میں نے طلب کیا ہے وہ بھی سن کر بہت مسرور ہوں گے''۔ بیگم نے کہا۔

ONE URDU FORUM . COM
® SCANNED PDF By HAMEEDI

''مگر حضور اماں آپ نے اپنے صاحبزادے سے بھی دریافت کر لیا ہے''؟ سبیتا نے شرمگیں لہجہ میں دریافت کیا۔ بیگم ہنسنے لگیں۔

''اس کی مجال نہ تھی کہ میرا حکم ٹالتا''۔ بیگم نے جواب دیا۔

''تو وہ صرف آپ کے حکم کی تعمیل کر رہے ہیں''۔ سبیتا نے کہا اس کے پامال محبت دل کا تقاضہ تھا کہ سلطان بربنائے محبت اس شادی کے لئے آمادہ ہوتا۔ چونکہ بیگم سبیتا کے جذبات تعشق سے نابلد تھیں اس لئے اس کے اس سوال کو کلیتہً سمجھ نہ سکیں۔

''ہاں بیٹی ایمان کی بات ہے کہ ٹیپو کو آجکل کے پرآشوب وقت میں بیاہ شادی کی کہاں فرصت تھی''۔ بیگم نے کہا۔

سبیتا خاموش ہو گئی۔ خیر نہ سہی سلطان کو اس سے محبت مگر وہ اپنے حسن و جمال اور حسین کردار سے اس کو فتح کر کے رہے گی۔

''غرض شب کو وہ سبیتا کے والدین آئے تو بیگم نے ان کی تواضع کی۔ اپنی بیٹی کو سلطان کی زوجیت میں دینا ان کے لئے بیحد فخر و مباہات کا باعث تھا۔ بالآخر وہ رات کو محل میں رہے شب بھر ایک مختصر سا اور پرائیویٹ سا جشن ہوتا رہا۔ آخر بعد نماز فجر خوش نصیب سلطان کو سبیتا جیسی بے عدیل بیوی مل گئی اور حق تو یہ ہے کہ وہ بہترین بیوی ثابت ہوئی۔ اپنے قیمتی مشوروں، ذہانت اور بے پناہ محبت سے اس نے سلطان کی کامرانیوں میں چار چاند لگا دیئے تھے۔

''آخر تم مجھ پر قبضہ کر کے رہیں سبیتا''۔ سلطان نے اپنی نئی نویلی دلہن سے مسکرا کر کہا وہ شرمگیں تبسم سے چپ ہو گئیں۔

''اب بولتی کیوں نہیں''۔ سلطان نے کہا۔

''آپ تو مجھ پر ایک زمانے سے قبضہ جمائے بیٹھے تھے''۔ آخر سبیتا نے کہا۔ سلطان ہنسنے لگا۔

''اگر تم سے یہ عظیم الشان خدمت وطن سرزد نہ ہوتی تو شاید ہمارا اتصال نہ ہوتا''۔ سلطان نے مسکرا کر کہا۔

''اب بار بار میری حقیر خدمت کا ذکر کر کے مجھے شرمندہ نہ کیجئے۔ ہر وہ شخص جس کو ذرا قوم و ملک کا پاس ہے یہی کرتا''۔ سبیتا نے کہا۔

''افسوس تو یہی ہے کہ لوگ اور عمال بھی جس ملک کی روٹی کھاتے ہیں اسی کی

جڑیں کاٹتے ہیں۔ اصل معنی میں قوم کا خادم ایک فرد بھی نظر نہیں آتا۔ میں حیران ہوں کہ جن لوگوں کو میں اپنی قوتِ بازو سمجھتا تھا وہ بھی میری نظروں میں اپنے مشتبہ چال چلن سے اپنا وقار ضائع کرتے جا رہے ہیں۔

''آپ ایسے لوگوں کی سختی سے نگرانی کیجئے یا مجھے اجازت دے دیجئے کہ میں ان پر نگاہ رکھوں''۔ سبیتا نے کہا۔

''ہاں مگر اندیشہ ہے کہ جرم ثابت ہونے سے پہلے ہی کہیں تمہاری دلدوز نگاہیں ان کا خاتمہ نہ کر دیں''۔ سلطان نے مسکرا کر کہا۔ سبیتا شرم و مسرت سے چپ ہو گئی۔

''اب یہ حضور میرے ستانے میں مجھے ستانے لگے''۔ سبیتا نے کہا۔

''ستانا کام تمہارا ہے ہمارا نہیں''۔ سلطان بدستور پر لطف مسکراہٹ سے بولا۔

''درست ہے اسی لئے آپ نے مجھے ایک غدار کے گھر چلا جانے دیا تھا''۔ سبیتا نے مسکرا کر کہا۔ سلطان خوب ہنسا۔

''اگر تم اس شخص کے گھر نہ جاتیں تو اس کی غداری ہم پر کیسے منکشف ہوتی اور تم سے اعلیٰ خدمت وطن کب انجام پاتی''۔ سلطان نے کہا۔

''آپ کی روشن ضمیری کے قربان''۔ سبیتا نے شوخی سے کہا۔

''اور آپ کے حسن قیامت آفریں کے صدقے''۔ سلطان نے کیف بزم سے سرور پیتے ہوئے کہا۔

ONE URDU FORUM . COM
® SCANNED PDF By HAMEEDI

باب نمبر48

اس طرح بیشتر جنگ اور قلیل امن کے درمیان تین سال گزر گئے۔ اس دوران میں حسین علی کو ایک لحہ کی فرصت نہیں ملی کہ اپنی ماہ پارہ بالیا سے گھر بسا لیتا۔ تین ساڑھے تین سال میں وہ بمشکل ریاست کنانور دو دفعہ جانے کا وقت نکال سکا اس جدائی نے دونوں کی محبت کو اس قدر پختہ کر دیا تھا کہ ایک دوسرے کے لئے زندگی تیاگ چکا تھا بالیا اپنے حسین علی کے نام پر بیٹھی ہوئی تھی اور حسین علی بھی کئی بڑے گھرانوں کی لڑکیوں کو اپنی بالیا کی خاطر ٹھکرا چکا تھا۔

دشمنوں کی برابر یہ کوششیں جاری رہتی تھیں کہ ٹیپو کو ایک لحہ چین اور سکون کا نہ ملنے پائے تا کہ وہ ملک کو مضبوط کر سکے۔ ملکی اصلاحات، قومی ترقی، فوجی نظام اور مالی حالت کو درست کر سکے۔ شب و روز اسچھیڑ تے رہتے، کبھی ملک کا کوئی حصہ دبا بیٹھے۔ گاہے کہیں لوٹ مار کا سلسلہ شروع کر دیا۔، کبھی کہیں بدامنی پیدا کر دی پھر انگریزوں نے اندرون ملک جاسوسوں کا جال پھیلا دیا تھا حد تو یہ ہے کہ سلطان کی سبیتا سے شادی کے خلاف ایسا پروپیگنڈا کیا اور ایسی مہمل افواہ اڑائی کہ آج تک تاریخ کے اندر مسخ صورت میں یہ واقعہ موجود ہے۔ چنانچہ سلطان کے دشمن ہیوون راؤ میسور گزیٹر میں رقم طراز ہے۔

''کشن راؤ کی بیوی جو خوبصورت، وفا شعار اور باعصمت تھی اپنے شوہر کی موت کے بعد ایک روایت کے مطابق جبریہ حرم سلطانی میں داخل کر لی گئی''۔

اس متعصب مورخ نے کرمانی کا حوالہ دیا ہے۔ حالانکہ کرمانی نے اس واقعہ کا ذکر یوں کیا ہے۔

''کشن راؤ کی بیوی جو حسین باحیا اور وفا پرست تھی ملکہ کی خدمت میں اپنے شوہر

کی موت کے بعد حاضر ہوئی اور انہی کے ذریعہ سے حرم سرائے سلطانی میں داخل ہوئی''۔

خیر یہ تو معمولی سا واقعہ تھا۔ دشمنوں نے رعایا اور سلطان کے درمیان شدید اختلافات پیدا کرنے میں کوئی کسر نہ چھوڑی تھی۔ اس کے علاوہ اسے شب و روز جنگ میں مصروف رکھ کر ایک طرف تو ملکی بدامنی و مالی پریشانی کی فضا پیدا کر رہے تھے دوسری طرف اسے اتنا موقع دینا نہیں چاہتے تھے کہ وہ ضروری اصلاحات کی ابتدا بھی کر سکے۔ مگر سلطان جیسا اعلیٰ کردار کا مسلمان انسان ان فتنوں سے مطلق نہ گھبرایا بلکہ جب کبھی اس نے خاک و خون کے ہنگاموں سے فرصت پائی فوراً ملک کی ترقی و بہبود میں لگ گیا۔

چونکہ وہ نہایت بلند حوصلہ انسان واقعہ ہوا تھا، قلیل وقفہ میں اس نے قومی فلاح اور ملکی ترقی کے دروازے کھول دیئے۔ سلطان کے ذہن میں اتحاد بین المسلمین کا تصور ایک زمانے سے تھا۔ اسی طرح وہ دکن میں اپنی ہندو رعایا کے دل محبت سے فتح کرنے کا متمنی تھا۔ اس کی بے تعصبی اور رواداری کی مثال ملنی مشکل ہے۔ اس نے خاص دارالسلطنت سرنگاپٹم میں کئی عالیشان مندر تعمیر کرائے جو آج تک اس کی وسیع القلبی اور رواداری کی زندہ مثال ہیں۔ اسی طرح ہندوؤں کے مذہبی اداروں کے پیشواؤں کی وہ عزت کرتا تھا۔

ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ تیسری جنگ میں انگریزوں، نظام اور مرہٹوں نے سلطنت خداداد پر فوج کشی کی تھی۔ اس فوج کشی میں مرہٹوں نے اپنی عادت کے مطابق ایسی لوٹ مار کی کہ ان کے ہاتھوں مندر بھی محفوظ نہ رہے۔ چنانچہ سرنگری کا مندر بھی ان کی دستبرد سے نہ بچا انہوں نے دیوی کے بت کو بھی مندر سے نکال کر پھینک دیا مندر کی دولت جو ساٹھ لاکھ سے زیادہ تھی مرہٹے لے گئے تھے۔ لہٰذا مندر کے گرو نے سلطان کی خدمت میں درخواست کی کہ دیوی کے بت کو دوبارہ نصب کرنے کی اجازت بخشی جائے اور مالی امداد بھی کی جائے۔ چنانچہ سلطان نے بخوشی اجازت بخش دی اور کئی ہزار اشرفیاں بھی بطور امداد روانہ کیں اس کے ساتھ ہی گرو جی کو حسب ذیل جواب لکھا۔

''وہ لوگ جو مذہبی مقامات کی بے حرمتی کرتے ہیں خدا انہیں سزا دے گا اور جلد

ONE URDU FORUM . COM
® SCANNED PDF By HAMEEDI

وہ کیفر کردار کو پہنچیں گے لوگ بدی کے کام ہنس ہنس کر کرتے ہیں وہ اس کا خمیازہ رو رو کر بھگتیں گے۔ آپ مذہبی رہنما ہیں اس لئے دشمنوں کی تباہی کے لئے دعا کیجئے''۔

ایک اور خط گرو جی کو لکھا۔

''گرو ہونے کی حیثیت سے آپ ہمیشہ انسانوں کی بھلائی چاہتے ہیں اسی میں خدا کی خوشنودی ہے۔ روپیہ اور کپڑے روانہ خدمت ہیں ان کو غریبوں اور برہمنوں میں تقسیم کر دیجئے''۔

اسی طرح کے کئی خط آج بھی مندر کے ریکارڈ میں موجود ہیں۔ سبیتا تو سلطان کی اس مذہبی رواداری پر فدا ہو گئی اس کی بلائیں لیتی ہوئی بولی۔

''حضور ہندوؤں کے لئے تو اتنا کرتے ہیں غریب مسلمانوں کے لئے بھی تو کچھ کیجئے''۔

''ان کے لئے تم کچھ کرو۔ بہر حال میرے نزدیک ہندو مسلمان برابر ہیں''۔ سلطان نے کہا۔

''اگر اجازت ہو تو میں اس اخوت اسلامی کے دائرے کو وسیع کرنے کی کوئی تجویز پیش کروں''۔ سبیتا نے کہا۔

''تم مجسم محبت ہو اگر تم ہی اخوت و محبت کی تجاویز نہیں سوچو گی تو کون سوچے گا''۔ سلطان نے اس کے خوبصورت بالوں سے کھیلتے ہوئے کہا۔

''اچھا تو ایسا کیجئے کہ تمام سلاطین اسلام کے نام سفارت نامے ارسال فرمایئے اور انہیں دعوت دوستی و اتحاد دیجئے''۔ سبیتا نے کہا۔ سلطان نے خوش ہو کر اسے گلے لگا لیا۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ تجویز اس کی والدہ کی پیش کردہ ہے۔ بیشتر کا خیال ہے کہ اس کی اپنی طبعزاد ہے۔

''سبیتا تم میرے دل کی بات پا گئیں۔ ایک زمانہ سے یہ خیال میرے ذہن میں چکر لگا رہا تھا مگر کوئی سیدھی راہ نظر نہیں آتی تھی۔ اب تمہاری تجویز کے مطابق میں مسلمان بادشاہوں اور حکمرانوں کو دعوت ربط و اتحاد روانہ کروں گا''۔ سلطان نے کہا۔

''جلدی کر لیجئے ورنہ آپ بھول جائیں گے کسی اور معاملات میں پھنس گئے تو پھر وقت نہیں ملے گا''۔ بیوی نے کہا۔

''اچھا ایسا کرو تم سفارت ناموں کے مضامین تیار کر لاؤ میں اصلاح وترمیم کرلوں گا''۔

''مگر مجھے عربی وفارسی کہاں آتی ہے''۔ سبیتا نے کہا۔

''پھر تمہیں کیا زبان آتی ہے''؟ سلطان نے مسکرا کر پوچھا۔

''صرف آپ کی''۔ سبیتا نے والہانہ جواب دیا۔

ONE URDU FORUM . COM
® SCANNED PDF By HAMEEDI

باب نمبر49

اگر چہ ناول نگار و وقائع نگار میں بہت فرق ہے مگر جس قصہ کی اساس تاریخ پر ہو اس میں زیر بحث زمانے کے حالات جزوی طور پر آنے چاہئیں چنانچہ سلطان ٹیپو کے زمانے میں مسلمانوں کی حالت ضرور سامنے آنی چاہیے۔ سلطنت خداداد کا خاتمہ ۱۷۹۹ء میں ہوا کیونکہ سلطان ٹیپو چار مئی ۱۷۹۹ء میں شہید ہو گیا تھا۔ اس کی شہادت سے نصف صدی بعد یعنی ۱۸۵۷ء میں غدر کا ہنگامہ ہوا اور غدر کے زمانے ہی میں یا اس کے بعد سے مسلمان سخت زبوں حالی میں مبتلا ہو گیا۔ سلطان ٹیپو کے عہد حکومت میں بھی مسلمان نہایت پست تھے اور ان کو آج کل کے مسلمان کی طرح اسلام سے برائے نام واسطہ رہ گیا تھا۔ حالانکہ اس وقت پورے ہند پر مغلوں کی حکومت تھی جو اگر چہ زوال پذیر ہو گئی تھی لیکن پھر بھی وہ آخر مسلمان تھے۔ ۱۶۸۶ء میں اورنگ زیب نے بیجاپور فتح کیا تو ان کی افواج کے ساتھ مسلمانوں کی جمعیت کثیر بھی جنوب میں آکر آباد ہو گئی تھی۔ اس کے بعد رات دن ہندوؤں اور مرہٹوں کے ساتھ رہنے سے چند سال بعد یہ مسلمان ان ہی کے رنگ میں رنگ گئے۔

مسلمانوں میں بے شمار ہندوانہ رسم ورواج پھیل گئے۔ ان کی بیاہ شادی غمی وغیرہ سب پر ہندوؤں کی رسوم نے گہرا اثر ڈالا۔ اس کی شہادت 'فرشتہ' کے ان الفاظ سے بھی ہوتی ہے۔

''دکن کے ایک سلطان کے صاحبزادے کی جب شادی ہوئی تو دکنی رسم ورواج کے مطابق لڑکوں اور لڑکیوں کو سرخ لباس میں ملبوس کیا گیا تھا۔ ان کے گلے میں پھولوں کی مالا اور سر پر سہرے پڑے تھے، پھر شب کو ان کو گشت دیا گیا اور اس تقریب میں خوب آتشبازی چھوڑی گئی''۔

فرشتہ کا کہنا بالکل درست ہے کہ یہ تمام تر ہندوانہ رسمیں ہیں مگر یہ آج کی تاریخ

تک مسلمانوں میں چلی آرہی ہیں۔ بلکہ جزو ایمان بنی ہوئی ہیں۔ اس کے علاوہ چونکہ سلطان ٹیپو نے اپنے ممالک محروسہ میں امن وامان قائم کردیا تھا تو مسلمان عیش وعشرت کے غلام بن کررہ گئے تھے۔ان کی عورتیں بزدل توہم پرست اور چٹوری ہوگئی تھیں۔ اور مرد کاہل و عیاش۔

اسی اثناء میں حیدر علی جیسے اولوالعزم سپاہی کا عروج ہوا مگر چونکہ اسے اپنے بائیس سالہ عہد میں کمر کھولنے تک کی فرصت نہیں ملی اس لئے وہ اسلام کا خاطر خواہ احیانہ کرسکا۔ ہاں اس کا خلف الرشید جب تخت پر بیٹھا تو وہ سب سے پہلے اسی طرف متوجہ ہوا کیونکہ وہ خود نہایت دیندار واقع ہوا تھا۔

سلطان ٹیپو نے ذرا مہلت ملتے ہی مسلمانوں کی پسماندگی ولادینی کی طرف توجہ کی اس نے فوراً احکام جاری کئے کہ کوئی مسلمان منشیات کا استعمال نہیں کرسکتا تھا۔ اس کے علاوہ اس نے ہرگاؤں اور قصبے میں قاضی ومبلغ مقرر کیے۔ محرم کے زمانے میں لوگ بندر اور چیتے کا سوانگ بھرا کرتے تھے اس کو ممنوع قرار دے دیا۔ ہزاروں پیر پیدا ہوگئے تھے اور پیشے کے طور پر پیری مریدی کررہے تھے اس کو بند کیا گیا۔

مسلمانوں کے کئی فرقے حسب ونسب پر لڑا کرتے تھے اور خود کو عام مسلمانوں سے برتر سمجھتے تھے۔سلطان اس کا کب روادار ہوسکتا تھا وہ اسلامی مساوات کا علمبردار تھا۔ ان ضروری اصلاحات میں سے ذرا فرصت پا کر سلطان معاشی منصوبہ بندی اور ترقیات کی طرف متوجہ ہوا مگر اسے پھر اس کی حسین ملکہ سیتا نے یاد دلایا کہ پہلے اسے بیرون ہند کے تمام مسلمان بادشاہوں اور سلاطین کے پاس رابطہ ودوستی بڑھانے کے لئے سفارت نامے روانہ کرنے ہیں چنانچہ سلطان نے اس سے قبل شہنشاہ لیوئی والی فرانس کے پاس دوستانہ خط روانہ کیا۔ جس میں تحریر تھا کہ وہ فرانس اور سلطنتِ خداداد کی باہمی دوستی کا متمنی ہے۔ چونکہ انگریز ہندوستان پر چھائے جارہے ہیں۔ لہٰذا ان کی سرکوبی کو کچھ فرنچ سپاہ اور سامانِ جنگ بھیج دیا جائے اس کا خاطر خواہ معاوضہ دیا جائے گا۔اور فرانس والوں کو ہندوستان میں دوست کی حیثیت سے آباد ہونے کی اجازت بھی ملے گی۔ اس رقعہ سے شہنشاہ لوئی بہت مسرور ہوا تھا مگر چونکہ خود بحر وبر میں انگریزوں سے الجھا ہوا تھا اس لئے سلطان کی مدد کرنے سے قاصر رہ گیا۔

سلطان اس سے مایوس نہ ہوا جب حکومت فرانس کا انقلاب پسندوں نے تختہ الٹ

ONE URDU FORUM . COM ® SCANNED PDF By HAMEEDI

دیا تو سلطان نے ایک دوستی کا خط نپولین کو تحریر کیا۔ نپولین اس رابطہ کی تحریک سے پھڑک اٹھا مگر وہ بھی انگریزوں سے الجھا ہوا تھا بہرحال اس نے مندرجہ ذیل جواب روانہ کیا۔

''عظیم المرتبت سلطان۔میرے بڑے عزیز دوست سلطان ٹیپو!

ہماری افواج آج کل بحر قلزم کے سواحل پر ملکی مدافعت کی غرض سے پڑی ہوئی ہے ورنہ میری اور میری سپاہ کی دلی تمنا تھی کہ آپ کو وحشی برطانیہ کے پنجۂ استبداد سے نجات دلائی جائے۔ بہرنوع آپ کسی محفوظ راہ سے براہ قاہرہ اپنے کسی نہایت معتمد آدمی کو روانہ کیجئے جس سے میں آپ کے ہاں کے سیاسی حالات پر گفتگو کرسکوں''۔

نپولین

لیکن چونکہ سلطان کے زوال کے آثار نمودار ہوگئے تھے اس لئے یہ خط سلطان کو نہ مل سکا جس فرانسیسی جہاز سے یہ خط آرہا تھا وہ سمندری لڑائی میں انگریزوں کے ہاتھ سے غرق ہوگیا۔ اس طرح سلطان اس بار بھی اپنے مقصد میں ناکام رہ گیا۔

سلطان نے اپنی ناکامی کی رپورٹ ماں کو بھی سنادی اور سیتا کو بھی

''مایوس نہ ہو ایک رابطہ کا خط سلطان ترکی کو بھی لکھو''۔ماں نے مشورہ دیا

''مگر سلطان ترکی کو انگریزوں نے اپنی مٹھی میں لے رکھا ہے اس وقت انگریزوں کی حمایت میں اخوت اسلامی کو پس پشت ڈال دے گا''۔سلطان نے جواب دیا

''کوشش کرنا انسان کا فرض ہے تم کوشش تو کرو''۔والدہ نے کہا۔

''بہتر ہے لیکن یورپ کی سیاست پر غور کرتا ہوں تو اپنے اس مشن کی پوری ناکامی کا مجھے یقین ہونے لگتا ہے۔سلطان ترکی نے گیلی پولی کو انگریزوں کے ہاتھ رہن رکھ دیا ہے تاکہ فرانس والے اس طرف سے انگریزوں کی جانب نہ بڑھنے پائیں۔ پھر سلطان ترکی کو معلوم ہے کہ فرانسیسی ہمارے دوست ہیں اس بنا پر وہ انگریزوں کی چاپلوسی میں خود بھی فرانس کا مخالف ہوگیا ہے۔ نتیجۃً اسے ہم سے بھی فرانس کی وجہ سے دلچسپی نہیں رہی ہے''۔ سلطان نے کہا۔

''اس پر بھی اس نے ایک معاہدہ تیار کرکے میر غلام علی لنگڑے کی سرکردگی میں سلطان ترکی کے پاس روانہ کیا۔اس کے لئے اس کا خاص بحری جہاز ''فخر المراکب'' تجویز ہوا۔ ٹیپو نے سلطان ترکی کے پاس مندرجہ ذیل شرائط پر مشتمل ایک عرضداشت روانہ کی تھی۔

''معاہدہ کی پہلی شرط: سلطان ترکی اور سلطنت خداداد کے درمیان اتحاد اور دوستی

ناول کیلئے ون اردو کے شکر گزار ہیں

رہتی دنیا تک قائم رہے گی۔

۲۔ بندرگاہ بصرہ ہمیں اجارہ پر دیا جائے اس کا معاوضہ سلطان کی نذر کیا جائے گا۔

۳۔ اس کے عوض سلطان ترکی کو ہماری سلطنت میں جو بندرگاہ پسند ہو دی جائے گی۔ اس سے دونوں اسلامی سلطنتیں ایک دوسرے کی مدد کے لئے سپاہ روانہ کرنے میں بہت آسانی محسوس کریں گی۔

۴۔ سلطنت ترکی ہماری اعانت کے لئے جس قدر سپاہ روانہ کریگی اس کے تمام اخراجات ہمبرداشت کریں گے۔

۵۔ اگرچہ ہمارے پاس ماہرین حرب موجود ہیں لیکن ہماری آرزو ہے کہ ترکی ہماری پاس اپنے ہاں کا ہوشیار ٹیکنیکل اسٹاف بھی روانہ کرے اس کے تمام مصارف ہماری حکومت ادا کرے گی۔

اس معاہدہ کے علاوہ سلطان ٹیپو نے ایک تفصیلی خط بھی سلطان ترکی کے پاس روانہ کیا جس کی تلخیص حسب ذیل ہے۔

''ہمارے اور آپ کے اس اتحاد کی ضرورت اس لئے ہے کہ انگریز بنگالہ کو جس کی سالانہ آمدنی ڈیڑھ کروڑ ہے سورت اور گجرات کو جس کے محاصل تین کروڑ ہیں اور کرناٹک جس سے بھی آمدنی تین کروڑ ہے پچیس تیس سال سے اپنے قبضہ میں لے آئے ہیں۔ حالانکہ یہ علاقہ جات مغل بادشاہوں کے ہیں۔ انگریزوں نے اتنا ہی نہیں کیا ہے بلکہ مسلمانوں کو گرفتار کر کے ان کو انواع واقسام کی اذیت دی ان کی مساجد مسمار کر کے گرجے تعمیر کرائے۔ اسی بنا پر ہم انگریزوں سے مصروف جنگ ہیں تا کہ ایک طرف تو مسلمانوں کو ان کے شر سے نجات ملے دوسرے وطن پرست ہندوؤں کو۔

انگریزوں نے مسلمانوں کی تمام تجارت پر خود قبضہ کر کے ان کو فاقوں میں مبتلا کر دیا ہے اس لئے ضروری ہے کہ ہماری اور آپ کی دونوں مسلم ریاستیں باہمی تجارت و مبادلہ کا آغاز کریں اس سے دونوں حکومتوں کے مسلمانوں کی اقتصادی حالت بہتر ہو جائے گی۔ ہمارے ہاں اعلیٰ درجہ کی بندوقیں۔ توپیں، گھڑیاں، چینی ظروف، دوربینیں اور آئینے وغیرہ بنتے ہیں۔ یہ ہم ترکی مصنوعات کے عوض تبدیل کرنے کو تیار ہیں۔ اس تجارت کے فوائد آپ سے پوشیدہ نہ ہونگے''۔

(منقول از تاریخ میسور)

ONE URDU FORUM . COM
® SCANNED PDF By HAMEEDI

مندرجہ بالا شرائط اور خط سے معلوم ہوتا ہے کہ ٹیپو سلطان شہید کس قدر ماڈرن حکمران تھا۔ آج کل بھی اتحادی حکومتیں یہی کر رہی ہیں جو ڈھائی صدی پیشتر سلطان ٹیپو کر گزرا تھا۔ پاکستان اور ترکی کا حالیہ معاہدہ اگرچہ کسی کے علم میں نہیں ہے۔ لیکن وہ اگر ٹیپو کی لائین پر تیار ہوا ہے تو بہت مبارک ہے۔ غرض یہ وفد بڑی شان وشوکت سے استنبول پہنچا۔ اراکین وفد کی ملاقات وزراء وغیرہ سے ہو کر رہ گئی لیکن سلطان سلیم (سلطان ترکی) تک ابھی بازیابی ہونے کی صورت نہیں نکلی تھی۔

افسوس سلطان سلیم انگریزوں کے اس قدر زیر اثر آ چکا تھا کہ اس نے ان تجاویز کو قبول کر کے دونوں اسلامی سلطنتوں کے درمیان فلاح و بہبود کی راہ کھولنے کے بجائے ان کو مسترد کر کے دوستی کا راستہ ہی ختم کر دیا۔ اس نے نہ تو بصرہ کی بندرگاہ کی حامی بھری نہ باہمی امداد کا وعدہ کیا نہ تجارتی پلان کی شرکت کے لئے آمادہ ہوا نہ اور فوجی تبادلہ واعانت کیلئے اس نے ٹیپو سلطان کی تمام شرائط مسترد کر دیں یہ سب کچھ اس نے انگریزوں اور یہودیوں کو خوش کرنے کے لئے کیا تھا کیونکہ سلطان سلیم نہ صرف ان کا مقروض تھا بلکہ ان کی رشوتیں بھی کھاتا تھا۔ ترکی کا بہادر وطن پرست مسلمان ان تمام چیزوں کو دیکھ رہا تھا اور اس کا خون کھول رہا تھا۔ آخر خدا نے ترکی کی رستگاری کے لئے مصطفیٰ کمال کو جنم دیا۔

ONE URDU FORUM . COM
® SCANNED PDF By HAMEEDI

باب نمبر50

اس طرح سلطان ٹیپو نے اندرون ہند اور بیرون ہند اپنے حلیف پیدا کرنے کی کوشش میں ڈیڑھ سال اور گزار دیا۔ گویا حسین علی اور رانی بالیا کی آتشیں مگر باضابطہ پسند محبت پر ساڑھے چار سال گزر گئے دونوں ایک دوسرے کے قرب و اتصال سے اب تک محروم تھے۔ لیکن محبت بدستور برقرار تھی بلکہ اور تیز سے تیز تر ہو گئی تھی۔ رامن کی محبت میں کوئی چیز حائل نہیں تھی۔ کیونکہ نہ تو اس پر بالیا کی طرح کسی حکومت کا بار تھا۔ اور اس کے عاشق ولیم رشید پر کوئی ایسی اہم ذمہ داری عائد تھی کہ حسین علی کی طرح اس کو کمر کھولنے کی مہلت نہ ملتی دونوں نسبتاً آزاد تھے اسی وجہ سے ایک دوسرے کے ہو کر بامراد ہو چکے تھے۔

بیرونی سفارتی اتحاد کے سلسلہ میں ٹیپو سلطان نے ابھی شاہ زمان والی افغانستان سے رجوع نہیں کیا تھا۔ اس کا خیال کئی بار آیا مگر اب تک کی سعی اتحاد بین المسلمین کی ناکامیابی نے اس کا دل توڑ دیا تھا۔ اس لئے خاموش ہو کر بیٹھ رہا تھا۔ آخر اس کی والدہ ہی نے پھر ترغیب دی کہ قریب ترین اسلامی سلطنت افغانستان ہے وہاں بھی ضرور رابطہ و اتحاد کی کوشش کرنی چاہیے

''لیکن امی انگریز ہماری اس مبارک کوشش کو کہیں کامیاب نہیں ہونے دیں گے''۔ سلطان نے کہا۔

''انگریزوں کو تمہارے اس اتحاد کی خبر ہی کیوں ہو''۔ والدہ نے کہا۔

''آپ کو شاید معلوم نہیں اماں جان کہ سلطان عالی کے کئی معتمد افسر انگریزوں سے ملے ہوئے ہیں''۔ سبیتا نے کہا۔

''ٹیپو تم غداران وطن کی سرکوبی کیوں نہیں کرتے''۔ والدہ نے کہا۔

''کئی کی کر چکا ہوں اب جن پر شبہ ہے ان کے خلاف کوئی صریح ثبوت مہیا نہ ہو سکا ہے''۔ سلطان نے کہا۔

''ملکی مدافعت کی خاطر ایسے نمک حراموں کو شبہ میں پکڑ لینا بھی جائز ہے''۔ سبیتا نے کہا۔ سلطان ہنسنے لگا۔

''ہاں جس طرح تم نے میرے شبہ محبت میں مجھے گرفتار کر لیا تھا''۔ سلطان نے اپنی بیوی سے کہا۔ ماں چلی گئی تھی۔

''آپ کو مجھ سے محبت کب تھی کہ وہ نکلی جا رہی ہے''۔ سبیتا نے مسکرا کر کہا۔

''کیا تمہارا خیال ہے کہ افغانستان میں ہماری سفارت کامیاب ہو جائے گی۔ سلطان نے سبیتا سے دریافت کیا۔

''مجھے اس کی کامیابی کا یقین ہے لیکن شرط یہی ہے کہ اس سے میر صادق باخبر نہ ہونے پائے۔ سبیتا نے جواب دیا۔ خدا نے اس عورت کو حسن کی دولت کے علاوہ سیاست وانسان فہمی بھی عطا کی تھی۔

''کیا تم بھی میر صادق سے مشتبہ ہو''؟

''کیا آپ کو اس قدر اعتماد ہے''؟ سبیتا نے جواباً کہا۔ سلطان خاموش ہو گیا۔

آخر سلطان نے چند روز بعد شاہ زمان والیٔ افغانستان کو دوستی و اتحاد بڑھانے کے سلسلہ میں ایک پرخلوص خط لکھا پھر اہل نوائط میں سے ایک معزز سردار کے ہاتھ یہ خط شاہ زمان کے پاس روانہ کیا یہ ٹیپو کی زبردست غلطی تھی اہل نوائط اس کے مخالف تھے اور تقریباً سب انگریزوں سے ملے ہوئے تھے مگر سلطان نائطہ کی صرف اس بنا پر عزت کرتا تھا کہ وہ خود کو شریف النسل مسلمان کہتے تھے اور اچھے مسلمان کو سب سے زیادہ چاہنے والا سلطان ٹیپو تھا۔

یہ خط تو شاہ زمان کے پاس پہنچ گیا۔ مگر اس کی ترسیل صیغہ راز میں رہی یا نہیں رہی یہ آئندہ کے واقعات سے معلوم ہوگا۔ بہر حال شاہ ٹیپو سلطان کی تحریک اتحاد سے بہت ہی خوش ہوا کیونکہ وہ سکھوں پر خار کھاتا تھا جو پنجاب میں سر اٹھا رہے تھے اور کابل فتح کرنے کے خواب دیکھنے لگے تھے شاہ زماں نے سلطان کے خط کا پرمحبت جواب دیا اور وعدہ

ناول کیلئے ون اردو کے شکر گزار ہیں

کیا کہ جلد اس کی امداد کے لئے افغان فوج روانہ کرے گا۔ اس وعدہ کا ایفا اس نے چند ہی روز میں کر دیا کیونکہ افغانوں کا لشکر ہند کی سرحد کے قریب بحکم شاہ افغانستان خیمہ زن ہو گیا تھا۔

ابھی یہ امید افزا حالات پیدا ہونے شروع ہوئے ہی تھے کہ میر صادق نے چند سطور لکھ کر چپکے سے لارڈ ولزلی کے پاس روانہ کیں۔ لارڈ ولزلی ایک نہایت ہی بے رحم سخت عیار اور اسلام دشمن شخص تھا اسی نے انگریزوں کی تمام شکستوں کا سلطان سے انتقام لینے کی قسم کھائی تھی جس میں وہ کم بخت کامیاب ہوا۔

تین چار روز بعد ایک اندھیری رات میں میر صادق سرنگا پٹم سے نکل گیا اور دوسرے روز لارڈ ولزلی کے پاس جا پہنچا۔

''اگر آپ ٹیپو سلطان اور شاہ زماں والیٔ افغانستان کے اتحاد کی اطلاع ہمیں نہ دیتے تب بھی یہ راز ہم پر برملا ہوئے بغیر نہ رہتا''۔ ولزلی نے میر صادق سے کہا۔

''ممکن ہے ہو جاتا مگر میں نے پہل کی ہے کیا اس کی آپ کو خوشی نہیں ہوئی''؟ میر صادق نے کہا ولزلی مکارانہ مسکرایا۔

''بہت خوشی ہے اور انگریز آپ کے شکر گزار ہیں۔ اگلے ماہ میں آپ کو اتنا روپیہ دے دیا جائے گا کہ آپ خوش ہو جائیں گے''۔ ولزلی نے کہا۔

''مہربانی ہے آپ کی۔ مگر میں جانتا ہوں کہ شاہِ زماں زیادہ فوج سلطان کی مدد کے لئے روانہ نہیں کر سکے گا''۔ میر صادق نے کہا۔

''وہ زیادہ فوج بھیجے یا کم اس کی فکر نہیں۔ تردد کی بات یہ ہے کہ اگر ٹیپو اور شاہ زماں کا اتحاد ہو گیا تو اس کو دیکھ کر ممکن ہے اور مسلمان حکمران بھی ٹیپو کی طرف جھک پڑیں دوسرا خوف یہ ہے کہ شاہ زماں کی امداد سے پنجاب میں ہماری قوت ٹوٹ جائے گی''۔ ولزلی نے کہا۔

''پھر اس کا آپ نے کیا انتظام سوچا ہے''؟

''آپ بتائیے آپ کے ذہن میں کیا تدبیر ہے''؟ ولزلی نے عیارانہ مسکراتے ہوئے نمک حرام میر صادق سے دریافت کیا۔

ONE URDU FORUM . COM
® SCANNED PDF By HAMEEDI

''میرے خیال میں تو آپ ایک زبردست فوج سرنگا پٹم بھیج کر پہلے ہی سلطان کا خاتمہ کر دیں''۔ غدار نے جواب دیا۔

''اس کا وقت ابھی نہیں آیا ہے اگرچہ دور نہیں ہے ہماری اسکیمیں آپ لوگوں کی مدد سے کامیاب ہوتی جا رہی ہیں لیکن وقت پکنے میں ابھی کچھ وقفہ باقی ہے''۔ ولزلی نے کہا۔

''پھر آخر اس اتحاد کو توڑنے کی کیا ترکیب سوچی ہے آپ نے''؟ میر صادق نے پوچھا۔

''دیکھئے میں سلطنت ایران کو افغانستان سے بھڑانے کی کوشش کر رہا ہوں افغانستان سنی ہے اور ایران شیعہ۔ ہمارا قاعدہ ہے کہ ہم لوگوں کے اختلاف مذہب اختلاف ذات اور اختلاف خیال کو شدید بھڑکا کر اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں چونکہ عباس شاہ صفوی والیٔ ایران شیعہ ہے اس لئے میں کسی شیعہ سردار کی مدد سے اس کو بھڑکاؤں گا۔ آپ بھی تو شیعہ ہیں اگر اس کام کے لئے کوئی بھروسے کا آدمی آپ کے پاس ہو تو ہمیں بتائیں'' ولزلی نے کہا۔

اس خبیث نے باہر کی دو مسلمان سلطنتوں کو آپس میں لڑا دینے کی ایسی ناپاک سازش کی تھی کہ انگریزوں کی تاریخ عیاری میں وہ ہمیشہ یادگار رہے گی۔ پھر اسے میر صادق جیسا قوم فروش ملا ہے جس نے اس کے خفیہ مشن کو کامیاب بنایا۔

''جی ہاں میرے پاس مراد آباد کا ایک میرا ہم قوم تیز طراز شخص موجود ہے اسے آپکی خدمت میں روانہ کروں گا''۔ میر صادق نے اپنی وطن دشمنی کے بے شمار ثبوتوں میں سے ایک ثبوت دیتے ہوئے کہا۔

''ہاں اسے ہمارے پاس جلد روانہ کر دیجئے تا کہ ہم اپنی ترکیبیں اس کے ذہن نشین کریں''۔ ولزلی نے کہا۔

میر صادق نے وعدہ کیا اور ولزلی نے سردست اسے کئی سو اشرفیاں دے کر رخصت کیا۔ دو تین روز بعد ہی میر صادق نے اس شخص کو ولزلی کے پاس روانہ کر دیا جس نے انگریزوں کے کیمپ میں مسلم کشی کی ٹریننگ حاصل کر کے ایران کی راہ لی تا کہ دونوں مسلمان بادشاہوں کو لڑا دے ایران پہنچ کر اس نے جلد جلد کئی پبلک جلسے کئے جس میں اس

ناول کیلئے ون اردو کے شکر گزار ہیں

نے بڑی رقت سے تقریریں کیں حکومتِ افغانستان نے اپنی شیعہ رعیت پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑ دیئے ہیں ان واقعات کی اطلاع عباس شاہ صفوی کو بھی ہوئی چنانچہ اس نے اس شخص کو طلب کیا اور افغانستان کے حالات دریافت کئے۔

اس شخص نے شاہِ ایران سے افغانستان میں شیعوں پر فرضی مظالم کی داستان رو رو کر بیان کی اس کو سن کر عباس شاہ والیٔ ایران اس قدر برہم ہوا کہ اس نے فوراً افغانستان پر حملہ کر دیا شاہ زمان شاہ افغانستان اپنے مسلمان حلیفکی اس حرکت پر حیران رہ گیا اور اپنے بچاؤ کی خاطر اسے ادھر ادھر سے اپنی سپاہ سمیٹنی پڑی۔

اس طرح افغان فوج جو ٹیپو کی مدد کو آ رہی تھی اپنے ملک کی حفاظت کے لئے شاہ زماں نے سرحد ہندوستان سے واپس بلالی یہ ولزلی کی اتنی کامیاب ترکیب تھی کہ اس کو دیکھ کر غریب شیطان بھی سرنگوں ہو گیا۔

سلطان کو معلوم ہو گیا تھا اس کا یہ اتحادی مشن بھی اس کے دشمنوں نے ناکام بنا دیا اسے ٹوہ تھی کہ اس شیطنیت میں آخر کس کا کام ہو سکتا ہے آخر اس نے اسی نائطہ سردار کو طلب کیا جو خفیہ طور پر اس کا خط شاہ زماں کے پاس لے کر گیا تھا۔

''آپ کتنے آدمیوں کو اپنے ہمراہ افغانستان لے گئے تھے''؟ سلطان نے دریافت کیا۔

''میرے ساتھ دس آدمی تھے۔ حضرت خیریت کیا بات ہے''؟ مجرم نائطہ نے بنتے ہوئے کہا۔

''غداروں کے ہوتے ہوئے خیریت کہاں۔ اچھا سچ بتائیے کہ ولزلی کو ہمارے اس خط کا علم کیسے ہوا کہ اس نے اپنی شیطنیت سے شاہ ایران اور افغانستان میں ٹکر کرا دی''۔ سلطان نے پوچھا

''واللہ عالم میرے تو فرشتوں کو بھی خبر نہیں اس کے علاوہ میرے تمام ساتھی نہایت بھروسے کے آدمی تھے''۔ نائطہ نے جواب دیا۔

''تو پھر ولزلی کو نعوذ باللہ علم غیب ہوگا''؟ سلطان نے طنزیہ کہا۔ نائطہ چپ ہو گیا اسے خاموش پا کر سلطان سختی سے بولا۔

''دیکھئے میں آپ لوگوں کی عزت کرتا ہوں تو اس کے یہ معنی نہیں کہ آپ اس سے ناجائز فائدہ اٹھائیں ولزلی تک خبر پہنچنے کی صرف تین ہی صورتیں ہیں یا تو خود آپ نے اس کو آگاہ کیا اور یا آپ کے ساتھیوں نے یا آپ نے کسی اور سے اس مشن کا ذکر کر دیا ہو تو اس نے جا کر ولزلی کو خبر پہنچا دی ہو۔ بہر حال ان تینوں صورتوں میں سے خواہ کون سی بھی ہو میں نے آپ کے سپرد نہایت اہم ذمہ داری کا کام کیا تھا جس میں آپ سخت ناکام رہے۔ میں ہر چند سخت آدمی نہیں ہوں مگر وطن دشمنوں کے لئے شدید ہوں۔ اس لئے آپ کو تین روز کی مہلت دیتا ہوں کہ اصل مجرم کا پتا لگائیں''۔

یہ تین روز جلد پورے ہو گئے سلطان نے نائطہ کے مکان کے گرد پہرہ لگا دیا تھا۔ آخر اپنی غداری جابر ملا ہونے کی شرم سے اس نے خودکشی کر لی۔

ONE URDU FORUM . COM
® SCANNED PDF By HAMEEDI

ناول کیلیئے ون اردو کے شکر گزار ہیں

باب نمبر51

نائطہ کی خودکشی کے بعد سلطان کو اس کے جرم کے لئے کسی ثبوت کی ضرورت نہیں رہی تھی مگر اس کی موت سے بھی سلطان کو تشفی نہیں ہوئی کیونکہ اس کے نزدیک یہ تنہا ایک آدمی کا کام نہیں ہوسکتا تھا ضرور اس سازش میں اور بھی بدمعاش ہوں گے۔ اب ان کا کس طرح سراغ لگایا جائے۔ سلطان نے ضرورت کے پیش نظر ان دس آدمیوں کو بھی قید میں ڈال دیا تھا جو نائطہ کے ہمراہ افغانستان گئے تھے۔

عین اپنے گرد اس قدر گہری سازشوں کا جال پھیلا ہوا محسوس کر کے سلطان چوکنا ہوا اور اسے شب و روز ٹوہ رہنے لگی کہ اپنے قریب کے مار ہائے آستین کا پتہ چلائے غریب سبیتا بھی اس باب میں اس کی کوئی خاص مدد نہیں کر سکتی تھی حرم میں ہونے کی وجہ سے وہ باہر نہیں جاسکتی تھی نہ مردوں سے مل سکتی تھی اس لئے چہار دیواری ہی میں سے اس کا تیز دماغ جس قدر سوچ سکتا تھا سوچ رہا تھا اس نے سلطان کو البتہ ایک مشورہ یہ دیا کہ جلد حسین علی کو بلا لے۔ وہ ذہین آدمی ہے اور بال کی کھال نکالنا جانتا ہے ممکن ہے وہ سازش کنندگان کا کچھ سراغ پا سکے۔

سلطان کو بھی یہ رائے پسند آئی آخر اس نے اس کو کھینچ بلایا اور صورت حال سے باخبر کیا۔

''آپ کی نرم مزاجی نے بھائی صاحب آپ کو بڑا نقصان پہنچایا۔ اب بھی ذرا سختی برتیے مشتبہ لوگوں کی رعایت نہیں کرنی چاہیے میرے علم میں پہلے ہی سے چند ایسے لوگ ہیں دیکھئے میں انہیں ٹٹولوں گا''۔ حسین علی نے کہا۔

''اچھا تمہاری بالیا کا کیا حال ہے''؟ سلطان نے مسکرا کر کہا۔

''ایک سال سے ان کی زیارت نہیں ہوئی ہے۔ خدا جانے ان کا کیا حال ہوگا''؟ حسین نے کہا۔

''تم شادی کیوں نہیں کر لیتے کہ دونوں کی حسرتوں کا خون نہ ہو''۔ سلطان نے کہا۔

''ہر بار یہی ارادہ کرتا ہوں مگر ہر دفعہ ایک نہ ایک وحشت اثر و جاں گسل مہم پیش آجاتی ہے''۔ حسین نے جواب دیا۔

حسین علی نے آتے ہی اپنی کارروائی شروع کر دی اور چند ہی روز بعد اس کی نظر میں کچھ ایسے لوگ آئے جن کے ذرائع آمدنی محدود تھے مگر ٹھاٹھ باٹ کر رہے تھے، اسی طرح ایک دن اس کی ملاقات میر صادق سے ہوگئی جس کی سواری بڑے تزک و احتشام سے جا رہی تھی۔

''کیا آپ نے اپنے وزیر اعظم میر صادق کے اعزاز و مراتب میں مزید اضافہ کر دیا ہے سلطان بھائی''؟ حسین علی نے سلطان سے دریافت کیا۔

''کیا مقصد''؟

''یہ کہ وہ ہاتھی کے ہودج پر بڑے ٹھسے سے نکلتا ہے اس کے نوکروں کے ہاتھوں میں سونے کے کڑے ہیں جو آپ کے ملازموں کو نصیب نہیں اس نے مشروع کا پاجامہ گلے میں ہیرے کی مالا اور سر پر طلائی تاج نما ٹوپی لگا رکھی تھی۔ یہ سب اس کے پاس کہاں سے آیا''؟ حسین نے کہا۔

''اللہ نے دیا ہوگا''۔ سلطان نے ہنس کر کہا۔

''درست ہے وہ اللہ کا بڑا نیک بندہ ہے دیکھئے مجھے اس آپ کے میر صادق پر شروع ہی سے شبہ ہے اگر میرا شبہ ذرا بھی ثابت ہوا تو آپ کو میرے کہنے سے میر صادق کے خلاف کوئی قدم اٹھانا پڑے گا اسی طرح پورنیا اور میر غلام علی لنگڑے پر نظر رکھئے''۔ حسین نے بڑے صحیح غداروں کی نشان دہی کرتے ہوئے کہا۔

''حسین تم بڑے شکی مزاج ہو۔ خیر اگر تم کسی واضح ثبوت کے ساتھ آئے تو میں تمہاری تجاویز پر غور کروں گا''۔ سلطان نے کہا۔ حسین خاموشی سے پھر اپنی سراغرسانی میں لگ گیا

آخر ایک ماہ کی خفیہ تفتیش کے بعد اس نے پانچ ایسے سرداروں کو گرفتار کر لیا جن کے چال چلن کے متعلق اسے اس دوران شبہ ہونے لگا تھا۔ پھر علیحدہ علیحدہ ان سے باز پرس کی مگر کسی نے کچھ نہ قبولا۔ اتنا ضرور اندازہ ہوا کہ وہ میر صادق کے متحد آدمی تھے۔

ONE URDU FORUM . COM
® SCANNED PDF By HAMEEDI

ONE URDU FORUM . COM
® SCANNED PDF By HAMEEDI

اپنی تدابیر رائیگاں جاتی دیکھ کر حسین علی نے ان لوگوں پر سختیاں شروع کر دیں تا کہ ان سے کچھ اگلوا سکے مگر وہ میر صادق کی ذریات میں سے تھے ٹس سے مس نہ ہوئے کچھ وقفہ بعد حسین علی نے اس میں سے ایک نسبتاً جوان آدمی کو گانٹھنے کی کوشش کی اس کے لئے کھانا وغیرہ لیجانے کے لئے اپنی ایک نہایت بھروسے کی نوخیز و خوبصورت کنیز کو مقرر کیا اور مرد کی اس کمزوری سے پورا فائدہ اٹھایا

یہ ساحرہ کنیز اپنے عشووں سے اس کو لبھاتی رہی اور چند ہی روز بعد اسے اپنے معاشقہ کی منزل تک لے آئی۔ راز و نیاز ہونے لگے محبت کی اعتماد پروری نے ایک دوسرے کے حالات زبان پر لانے شروع کئے اور حسین علی کو اپنی حسین عیارہ کنیز کی زبانی جلد معلوم ہو گیا کہ اس کا عاشق میر صادق کا تنخواہ دار ہے۔ میر صادق نے اسے اور اسکے چار ساتھیوں کو نامعلوم کس کارگزاری کے سلسلہ میں بہت کچھ دیا ہے۔

''اب جلد ان کی کارگزاری کا راز معلوم کرو شاباش''۔ حسین علی نے اپنی وفا دار کنیز کی کارگزاری کی داد دیتے ہوئے کہا۔ یہ نوخیز لڑکی بھی اپنے طرحدار مگر پاکباز آقا پر مرتی تھی۔ تمناؤں اور ارمانوں سے بھرا ہوا دل اپنے مالک کی خدمت میں لگا ہوا تھا۔

''اس نے وعدہ کیا ہے حضور کہ پرسوں تک وہ اپنی کارگزاری کا مجمل سا خاکہ بھی پیش کر دے گا''۔ کنیز نے جواب دیا۔ حسین نے اسے انعام و اکرام دے کر رخصت کیا مگر کنیز دو روز بعد رات کو خوش خوش اپنے عاشق کا راز معلوم کرنے زنداں کے قریب پہنچی تو وہاں اندھیرا پا کر اسے حیرت ہوئی معاً اسے خوف ہوا کہ موقع پا کر بدمعاش کہیں بھاگ نہ چھوٹا ہو۔ بہرنوع پہرے دار سے شمع لے کر اندر داخل ہوئی تو اس کے منہ سے خوف کی ایک چیخ نکل گئی۔ اس کے عاشق کے سینے میں خنجر گھسا ہوا تھا اور وہ مردہ پڑا ہوا تھا۔

''مار ڈالا آخر میر صادق نے اپنے دوست کو تا کہ اس کا راز برملا نہ ہو سکے''۔ کنیز سے واقعہ سن کر حسین علی نے کہا اور وہ سوچ میں پڑ گیا آخر اسی وقت بھاگا ہوا سلطان کے پاس آیا اور اپنی اسکیم کے اندوہناک نتیجہ سے اس کو باخبر کیا۔

''اب آپ خود تمام واقعات کی چولیں بٹھا لیجئے۔ وہ شخص اپنا بھید ظاہر کرنے کے وعدہ کے نہ تو ایک دن پہلے مارا جاتا ہے اور نہ ایک دن بعد بلکہ عین ایفائے وعدہ کی گھڑی سے ذرا پہلے یہ کس کا راز تھا اور کس ہاتھ نے اس راز کو خون کی چادر کے نیچے چھپا دیا''۔ حسین نے من و عن تمام واقعات سلطان کو سنانے کے بعد کہا۔

سلطان بھی تفکرات میں غرق ہو گیا وہ اپنی نیک نفسی کی بنا پر حسین کے شبہ کی دل میں تردید کر رہا تھا مگر چند دھندلے کچھ واضح حقائق بھی سامنے آ گئے تھے اس لئے ان سے چشم پوشی نہیں کی جا سکتی تھی۔ آخر اس نے صبح ایک چھوٹا سا دربار منعقد کیا جسمیں اپنے بڑے بڑے عہدیداروں کو مدعو کیا اس دربار سے اس کو یہ مقصود تھا کہ تمام ذمہ دار افراد از سر نو وطن پر فدا ہونے کا پیمان باندھیں اور ملک و قوم کی وفاداری کا حلف اٹھائیں۔

''آپ لوگوں کو معلوم ہی ہے کہ'' سلطان نے اپنے رفقا کو مخاطب کرتے ہوئے کہا حالانکہ یہ اس کے رفقا نہ تھے بلکہ انگریزوں کے ایجنٹ اور قوم کے دشمن تھے۔

''کہ ہمارے دشمن کس قدر آمادہ فساد ہیں ان کی خواہش ہے کہ ہماری اسلامی سلطنت کو ختم کر دیں تا کہ میسور پر کوئی خدا کا نام لیوا باقی نہ رہے۔ اور افسوس ان کی اس سازش میں مسلمان حکومتیں بھی شریک ہیں وہ صرف اقتدار پرست ہیں انہیں نہ تو وطن سے محبت ہے نہ قوم سے دلچسپی بلکہ تنہا اپنے اقتدار و حکومت کے وہ بندے ہیں۔ خیر خدا کبھی انہیں بھی کیفر کردار کو پہنچائے گا میں چاہتا ہوں کہ آپ لوگ خدا کو حاضر ناظر جان کو حلف اٹھائیں کہ سخت سے سخت ابتلا میں اپنے مذہب ملک اور قوم کی خاطر دریغ نہ کریں گے۔ میں منتظر ہوں کہ پہلے کون قدم اٹھاتا ہے''۔ اتنا کہہ کر اس نے اپنے وزراء اور ارا کین سلطنت کی طرف دیکھا۔

سب سے پہلے سلطان کے رفیق حقیقی میر حسین علی نے بڑھ کر ملک و قوم کے لئے وفادار رہنے کا حلف اٹھایا۔ اس کے بعد میر صادق سے بولا۔

''میر صاحب آپ وزیر سلطنت ہیں اس لئے پہل آپ کو کرنی چاہیئے''۔

''اس سے مجھے کب انکار ہے''۔ میر صادق نے کہا اور پیمان وفا کے طور پر من مانے الفاظ ادا کرنے لگا۔

''اس طرح نہیں بلکہ جو میں کہوں گا وہ کلمات زبان سے ادا کیجئے''۔ میر حسین علی نے کہا۔

میر صادق کو میر حسین علی کے یہ الفاظ ناگوار معلوم ہوئے شکایتاً سلطان سے بولا

''اعلیٰ حضرت کیا مجھے طوطے کی طرح سکھانے پڑھانے کی ضرورت ہے''؟

''نہیں مگر حسین علی کے کلمات ادا کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں''۔ سلطان نے کہا

آخر میر صادق نے ان الفاظ میں حلف لیا۔

''میں میر صادق علی نمک خوار و ملازم سرکار خداداد اپنے پروردگار اور پیغمبر اللہ کو حاظر و ناظر، شاہد سمجھ کر خدا کی قسم کھاتے ہوئے صدق دل سے اقرار کرتا ہوں کہ میں نہایت وفاداری سے اپنے آقا ٹیپو سلطان کی اطاعت کروں گا۔ اور اس کے حکم کو ہر چیز پر مقدم سمجھوں گا۔ میں کبھی اپنے سلطان کی اطاعت سے منحرف نہ ہوں گا۔ میری زبان کبھی اس کے خلاف ایک لفظ ادا نہ کرے گی، میری آنکھ کبھی اس کی برائی نہیں دیکھ سکے گی میرے کان کبھی اس کے خلاف نہیں سن سکیں گے میرے ہاتھ اس کی برتری اور بھلائی کے لئے کوشاں رہیں گے میں یہ بھی اقرار کرتا ہوں کہ اس کے خلاف جو کچھ سنوں گا یا دیکھوں گا فوراً اس کے گوش گزار کردوں گا۔ اگر مجھ سے اس عہد نامہ کی خلاف ورزی ہو تو خدا مجھے اپنے غضب میں پکڑے اور تباہ کردے''۔

اس عہد نامے یا حلف نامے کے الفاظ پڑھ کر کون انسان ہوگا جو اس کی صداقت سے انکار کرے گا۔ اس میں سب ہی باتیں آگئیں اور یقین ہوتا تھا کہ اس قدر خود کو عہد سے جکڑ لینے کے بعد کسی طرح بدعہدی نہیں ہوسکتی مگر میر صادق دوسری مٹی کا بنا ہوا تھا۔ جھوٹ دغا فریب اور غداری اس کی گھٹی میں پڑی تھیں۔

میر صادق کی عادت تھی کہ بات بات پر قرآن کی قسمیں کھایا کرتا تھا اور سب کی سب جھوٹی۔ جو شخص رات دن اس طرح قرآن کا استھزا کرتا رہتا ہو وہ کسی عہد نامہ یا حلف کی کیا پرواہ کرسکتا تھا۔ چنانچہ مندرجہ بالا حلف اٹھانے کے تیسرے روز بعد ہی اس بد باطن نے سلطان کی تمام کارروائیوں سے انگریزوں کو باخبر کردیا اور ان کو یہ بھی بتایا کہ سلطان انگریزوں کے خلاف جلد زبردست فوجی کارروائی کرنے والا ہے جس میں اتنی فوج ہوگی اتنی توپیں اور اس قدر سامانِ رسد

سلطان کے ہاتھ پیر ہی اس سے غداری کررہے تھے۔ اسی طرح نابکار پورنیا نے اپنی مذہبی کتب اور گائے وغیرہ کی قسم کھا کر عہد کیا تھا لیکن وہ بھی چپکے چپکے انگریزوں کی مدد کررہا تھا۔ یہی کیفیت میر غلام علی لنگڑا کی تھی۔ یہی حالت بدرالزماں نائطہ کی تھی غرض ان وطن دشمنوں نے بڑھ بڑھ کر وفاداری کے عہد کئے اور اس سے زیادہ بڑھ چڑھ کر ان کو توڑا۔ غدار و غافل اراکین حکومت ہر ملک کی تباہی کا باعث ہوتے ہیں۔

ONE URDU FORUM . COM
® SCANNED PDF By HAMEEDI

باب نمبر52

یہ عہد و پیمان سب ہی کچھ ہوچکے تھے مگر یہ عمال حکومت اپنے ملک کی تباہی کے لئے تیار بیٹھے تھے سوائے چند نفر کے چھوٹے بڑے وزیر سے لے کر اوسط درجہ کا عہدیدار تک انگریزوں اور مرہٹوں کے ہاتھوں بکا ہوا تھا۔ ادھر رانی لکشمی غدار پورنیا کی وساطت سے انگریزوں سے ساز باز میں مصروف تھی اور میسور میں ہندو راج قائم کرنے کی جدوجہد کررہی تھی۔ اس نے ۲۸۔اکتوبر ۱۷۸۲ء میں ایسٹ انڈیا کمپنی سے خفیہ معاہدہ کیا چنانچہ انگریزوں نے سلطان ٹیپو کے خاتمہ کے سلسلہ میں رانی کی ہر طرح سے مدد کرنے کا وعدہ کیا۔ یہ انگریزوں کی فقط ایک چال تھی ورنہ نہ انہیں رانی سے کوئی دلچسپی تھی نہ مرہٹوں سے اور نہ نظام سے بلکہ وہ ان سب کو اپنا غلام بنا کر دکن پر اپنا تسلط قائم کرنا چاہتے تھے اور انہوں نے ٹیپو کی شہادت کے بعد یہی کیا۔

اب انگریزوں مرہٹوں اور نظام نے متحد ہوکر سلطان کے خلاف لشکر کشی کا سلسلہ شروع کردیا۔ نظام اور مرہٹوں نے مل کر ایک طرف سلطانی قلعوں پر حملے شروع کردیئے چنانچہ حیدرآباد کے عیسیٰ خان نے قلعہ گنجی کوٹہ پر قبضہ کرلیا دوسری طرف مرہٹوں نے دہاڑ واڈ پر قبضہ کرلیا۔ یہ ایک اہم قلعہ تھا۔ سلطان کی فوجوں نے ہر جگہ پامردی سے مقابلہ کیا مگر دشمنوں کی کثیر تعداد کے مقابلہ میں ان کی پیش نہیں گئی میدان میں مقابلہ کرنے کے بجائے اب سلطانی سپاہ نے شب خون مارنے کا سلسلہ شروع کردیا اور مرہٹوں اور نظام کی فوجوں کے ناک میں دم کردیا اس کے علاوہ ان کا سامان رسد لوٹ لیا۔ چنانچہ اس کی وجہ سے انگریزی کیمپ میں اجناس کا قحط پڑ گیا۔ چاول چھ روپے سیر۔ دال تین روپے سیر۔ آٹا چار روپے سیر اور گھی سولہ روپے سیر یہ بلیک مارکیٹ کی انتہا تھی اور اس کی ابتدا انگریزوں کے کیمپ سے ہوئی تھی۔

آخر انگریز سامان کی رسد کی تنگی و پریشانی سے عاجز آگئے لارڈ کارنوالس کو زچ

ناول کیلئے ون اردو کے شکر گزار ہیں

ہوکر اپنے نئے مقبوضات پر سے پسپا ہونا پڑا سلطان ہمہ آدمیت تھا خدا ترسی اس کی فطرت میں ودیعت تھی۔ عاجز دشمن کو ستانا وہ برا سمجھتا تھا حالانکہ آج یہ ہنر سمجھا جاتا ہے اس نے لارڈ کارنوالس کی سراسیمگی پر ترس کھا کر میوہ کے تحائف بھیجے اور صلح کا خط بھی روانہ کیا مگر کار نوالس نے جل کر اس کا کوئی جواب نہ دیا۔

''سلطان آپ غضب کرتے ہیں کہ قابو میں آئے ہوئے دشمن کو ہاتھ سے نکل جانے دیتے ہیں''۔ حسین علی نے سلطان سے شکایت کی کہ اس نے انگریزوں اور مرہٹوں کو بغیر نقصان پہنچائے کیوں چلا جانے دیا۔

''کیا کروں حسین میرا ہاتھ مجبور و کمزور دشمن پر نہیں اٹھتا''۔ سلطان نے جواب دیا۔

''لیکن اس کو کبھی اگر موقع مل گیا تو وہ ہم پر ہرگز رحم نہیں کھائیں گے''۔ حسین علی نے کہا۔

''نہ کھائیں ہمیں شہادت کی دولت تو ملے گی''۔ سلطان نے جواب دیا۔

''اچھا حسن کا خط آیا تھا آپ کو سلام عرض کیا ہے''۔ حسین نے اپنے چھوٹے بھائی حسن کا ذکر کرتے ہوئے کہا۔

''حسن کو اب طلب کر لینا چاہیے کہیں ایسا نہ ہو کہ ادھر ہم اپنے کثیر دشمنوں سے الجھے رہیں اور وہ مالابار کی طرف پھنسا رہ جائے''۔

''لیکن اس کو ابھی وہاں سے ہٹانا مناسب نہیں ورنہ بدنور وغیرہ ہمیشہ کے لئے ہمارے ہاتھ سے نکل جائیں گے''۔ حسین نے کہا۔

چنانچہ حسن کو ابھی برائے چندے وہیں رہنے دیا۔

حسن ان سب میں خوش نصیب تھا اس کی شادی اسی لڑکی سے ہوگئی جس پر وہ مرتا تھا اور جو اس کی پرستار تھی، جنگ، محبت قحط اور خوشحالی زندگی کے ساتھ ساتھ چلتی ہے آخر ۱۷۹۲ء میں انگریزوں، مرہٹوں اور نظام کی فوجوں نے پھر مل کر سلطان کی دارالسلطنت سرنگاپٹم پر چڑھائی کر دی۔

سلطان کے دشمنوں کی تعداد ملٹری بیاگرافی میں حسب ذیل بیان کی گئی ہے:۔

انگریزی فوج کارنوالس کی سرکردگی میں	۲۹ ہزار
حیدرآبادی فوج	۱۸ ہزار
مرہٹی فوج پنتھ کی ماتحتی میں	۱۲ ہزار
'' '' پرسرام کی ماتحتی میں	۲۰ ہزار

ONE URDU FORUM . COM
® SCANNED PDF By HAMEEDI

انگریزی فوج جنرل براک ہٹی کی زیر نگرانی	۹ ہزار
تعداد کل فوج	۸۸ ہزار

یہ اٹھاسی ہزار کی جمعیت کثیر بڑے طمطراق سے ٹیپو سلطان پر چڑھ دوڑی۔ اس فوج کے علاوہ اس سے دوگنی تعداد مرد اور عورتوں کی تھی جو بار برداری کے لئے ساتھ تھیں۔ عورتوں سے سپاہی عیش بھی مناتے تھے کیونکہ یہ بے حیا قوم کا لشکر تھا۔

غرض اس ٹڈی دل نے مل کر سرنگاپٹم کو گھیر کر حملہ کر دیا۔

''کیا خیال ہے بھائی صاحب قلعہ میں رہ کر مدافعت کی جائے یا باہر نکل کر مقابلہ کے لئے ڈٹا جائے''؟ حسین علی نے سلطان سے دریافت کیا جو فصیل فصیل پھر کر دشمن کی کثیر تعداد کا معائنہ کرتا پھر رہا تھا اور گولہ باری میں لگا ہوا تھا

''باہر نکل کر لڑیں گے تاکہ چیونٹیوں کی اس فوج کو بتا سکیں کہ ہم کس قدر بہادر ہیں''۔ سلطان نے مسکرا کر کہا۔

''میری رائے تو یہ ہے حضور والا کہ قلعہ کے اندر ہی مقابلہ کیا جائے''۔ غدار پورنیا نے مشورہ دیا۔

''نہیں پورنیا۔ دشمنوں کی تعداد زیادہ ہے قلعہ میں تو ہم پس کر رہ جائیں گے''۔ سلطان نے اس کی رائے مسترد کر کے کہا۔ اس کے بعد اپنے برق رفتار گھوڑے پر سوار ہو کر باہر نکلا اپنی جانباز میسوری فوج اور فرنچ سپاہ ساتھ لی اور پھر اس قدر شدت اور تیزی سے حملہ کیا کہ حریفوں کو بدحواس کر دیا۔ سلطانی افواج اپنے شجاع و نامور آقا کی سرکردگی میں اس بے جگری سے لڑی کہ دشمنوں کی فوجیں بے اوسان ہو کر بھاگ چھوٹیں اور انہوں نے کوی گھٹہ پہنچ کر پناہ لی۔ سلطان نے تھوڑی دوران کا تعاقب کیا پھر لوٹ آیا۔

''یہ کیا کر رہے ہیں بھائی صاحب آپ دشمن کی پوری قوت کو کچلے بغیر لوٹ رہے ہیں وہ پھر پلٹ پڑیں گے''۔ حسین علی نے سلطان کو مراجعت فرما پا کر کہا۔

''اب ان بھگوڑوں کا کیا تعاقب کریں حسین علی جانے دو''۔ سلطان نے کہا اور یہ اس کی زبردست جنگی غلطی تھی جس کا جلد ہی اس کو خمیازہ اٹھانا پڑا خود کارنوالس کا میر منشی حمید خان لکھتا ہے۔

''اگر سلطان کی فوج اسی طرح ہمارا تعاقب کرتی چلی جاتی اور ہمیں دم نہ لینے دیتی تو تمام متحدہ افواج یعنی انگریز، مرہٹے اور حیدرآبادی وہیں ختم ہو جاتے''

ناول کیلئے ون اردو کے شکر گزار ہیں

''مگر شاید سلطان کا ستارہ مائل بہ زوال ہوتا جا رہا تھا اس نے تعاقب نہیں کیا نتیجہ یہ ہوا کہ چند ہی روز بعد دشمنوں نے اس بار سرنگا پٹم کو زیادہ شدت سے آدبایا اور دارالسلطنت کا محاصرہ کرلیا۔ اس محاصرہ نے بڑا طول کھینچا۔

''اب کیا ارادہ ہے بھائی صاحب''؟ حسین علی نے محاصرہ کی طوالت سے تنگ آکر آخر ایک دن سلطان سے دریافت کیا۔ علی حسین اپنے رضائی بھائی ٹیپو کا نفس ناطقہ تھا۔

''میں حکم ربی کا منتظر ہوں''۔ سلطان نے جواب دیا

''مجھے یہ اندیشہ ہے کہ اگر صلح کی تحریک ہوئی تو ہمیں دب کر صلح کرنی پڑے گی''۔ حسین نے کہا۔

''ہاں یہ کچھ ناگزیر سا ہوتا جا رہا ہے''۔ سلطان نے کہا۔

''پھر ایک ہی بار ہم کیوں نہ نکل کر دشمن پر ٹوٹ پڑیں''۔ حسین نے کہا۔

''اس میں اس دفعہ ہمارا شدید نقصان ہوگا کیونکہ دشمن کے ساتھ بھاری توپخانہ بھی ہے''۔ سلطان نے جواب دیا آخر ۲۳ فروری ۱۷۹۲ء میں صلح ہوگئی مگر یہ صلح سلطان کے اندیشہ کے مطابق بہت مایوس کن تھی اس کی شرائط حسب ذیل تھیں۔

۱۔ سلطان کو حملہ آوروں کے لئے تین کروڑ کا ملک چھوڑنا پڑے گا۔

۲۔ تین کروڑ روپے نقد دینے ہوں گے۔

۳۔ ان روپیوں کے وصول ہونے تک دو شہزادے بطور ضمانت یا رہن کے انگریزوں کے پاس رکھے جائیں گے۔

صلح کی ان شرائط کو پڑھ کو سلطان نے کاغذ غصہ سے پھینک دیا اور اس کو قبول کرنے سے سختی سے انکار کر دیا حسین علی اور چند حقیقی رفقا نے بھی اپنے سلطان کی تائید کی مگر تمام امراء و وزراء اس کے بیک زبان موئد تھے اور انہوں نے زور دیا کہ شرائط قبول کر لینی چاہئیں سلطان کو افسوس ہوا کہ یہ سازش ہے پھر اس خیال سے کہ آپس ہی میں کہیں تلوار نہ چل جائے جس سے سر پر کھڑا ہوا دشمن فائدہ اٹھالے سلطان نے دل پر جبر کر کے آخر یہ شرائط مان لیں۔

غرض دوسرے روز سلطان کے لخت جگر شہزادہ عبدالخالق اور معزالدین صلح نامہ کی رو سے انگریزی کیمپ میں لیجائے گئے اور لیجانے والا میر غلام علی لنگڑا تھا لارڈ کارنوالس نے

شہزادوں کا استقبال کیا اور ان کو ایک معزز انگریز افسر کی نگرانی میں دے دیا۔

لیکن محاصرہ اٹھانے سے قبل لالچی اور بددیانت کارنوالس نے سلطان سے مطالبہ کیا کہ کورگ کا حسین علاقہ بھی انگریزوں کے سپرد کر دیا جائے حالانکہ صلح نامہ میں کوئی ایسی شرط نہ تھی۔ کارنوالس کی بدنیتی کے متعلق مصنف امپائران ایشیا لکھتا ہے۔

''یہ صریح کارنوالس کی بددیانتی تھی کہ جو صلحنامہ کی خلاف ورزی کر رہا تھا''۔

ONE URDU FORUM . COM
® SCANNED PDF By HAMEEDI

ناول کیلئے ون اردو کے شکر گزار ہیں

باب نمبر53

انگریز جانتے تھے کہ سلطان بڑی مشکل سے قابو میں آیا ہے۔ جنگ کرنے سے قاصر ہے کیونکہ اس کے دونوں گوشہ جگر شہزادے انگریزوں کے قبضے میں تھے اس لئے اس کی اس مجبوری سے یہ بنیا قوم پورا فائدہ اٹھا رہی تھی۔ شاید کوئی شریف دشمن ایسا نہیں کرتا مگر انگریز شریف دشمن نہیں تھا۔ اس نے اعلانیہ معاہدہ کی خلاف ورزی کی اور صلح نامہ میں کورگ کی شرط نہ ہونے کے باوجود اس کا مطالبہ کر دیا۔

کورگ کا علاقہ نکل جانے سے سلطان کے ہاتھ میں سے تقریباً آدھا ملک نکل گیا یہ وقت سلطنت خداداد پر بہت برا آپڑا تھا۔ یوں کہنا چاہیے کہ برے وقت کی ابتدا ہو چکی تھی ایک طرف نصف سلطنت کے نکل جانے کا غم دوسری طرف اپنے دو بچوں کے چھن جانے کا صدمہ تیسری طرف خزانہ خالی ہو جانے کا رنج مگر اس پر بھی اولوالعزم سلطان بددل نہ ہوا بلکہ خون پسینہ بار دیگر بہا کر پھر سے جہاں نو آباد کرنے کی تیاری کرنے لگا۔

سلطان کے قبضہ سے کورگ نکل جانے کے بعد کنانور میں رانی بالیا بھی غیر محفوظ ہو گئی تھی ایک تو کورگ کی سرزمین ویسے ہی قدرت نے حسن و شباب رنگینی و لطافت کو گوندھ کر بنائی تھی دوسرے ریاست کنانور میں وہاں کا آفتاب روشن تھا۔ انگریز تو ویسے ہی درندہ خصلت و بہمیت پرست واقع ہوئے تھے انہوں نے جو بالیا کا شہرہ آفاق حسن سنا تو بھٹکتے بھٹکاتے بیس پچیس انگریز افسر وہاں جا پہنچے۔

ان وحشیوں کی آمد کا حال سن کر عفیف بالیا کا کلیجہ دھک سے ہو گیا اور اسے اپنی جیوٹ محبوب حسین علی یاد آیا جو اگر اس وقت یہاں ہوتا تو ان درندوں کو مار بھگاتا کنیزیں بھی سہم کر محل میں آ چھپی تھیں کورگ کی عورتوں نے یونہی حسن پایا تھا ریاست کنانور میں داخل ہوتے ہی ان انگریز افسروں نے کئی عورتوں کو پکڑ لیا تھا اس سے پورے قصبے کی عورتوں میں خوف و ہراس چھا گیا تھا۔ مر بالیا نے اپنے حواس قائم رکھے خود تو انگریزوں کے سامنے

ONE URDU FORUM . COM
® SCANNED PDF By HAMEEDI

نہیں گئی اور نہ اپنی کنیزوں کو جانے دیا البتہ محل کے ایک حصہ میں اس نے ان درندوں کو ٹھہرایا اور قصبہ کی پیشہ ور عورتوں کو بلا کر ان کے سامنے نچوایا پھر اس محفل رقص و سرور میں رات بھر ان کو اس کثرت سے شراب پلائی کہ سب کے سب انتا غفیل ہو گئے اس کے بعد بالیا نے اپنے آدمیوں کو حکم دیا اور عیش کے دلدادہ ان انگریزوں کو انہوں نے جلد ٹھکانے لگا دیا۔ اس طرح حسین بالیا کی عقلمندی سے قصبے بلکہ کورگ کی عورتیں محفوظ ہو گئیں۔

اس فتنہ و شر کے بعد بالیا نے کورگ میں رہنا مناسب نہ سمجھا آج تو یہاں چند ہی انگریز آئے تھے اگر کل پوری فوج آ کھڑی ہوئی تو اس سے کون عہدہ برآ ہو گا۔ یہ سوچ کر اس نے اپنی عافیت اسی میں سمجھی کہ سرنگا پٹم میں سلطان کے پاس جا پہنچے اور اپنے حسین علی سے جا ملے۔

ادھر سلطان نے اس شکست کے بعد زبردست تیاریاں شروع کر دیں اس نے دور دور سے اپنے گورنروں کو مشورے کے لئے طلب کیا دوسری طرف زبردست فوجی بھرتی شروع کر دی۔ ملک و سلطنت کے ضعیف ہو جانے سے ادھر ادھر کے چند امرا نے سر اٹھانا شروع کر دیا تھا چنانچہ ان کی سرکوبی کو سلطان نے حسین علی اور سید کو روانہ کیا جنہوں نے سات آٹھ ماہ کی جنگ و جدال کے بعد تمام باغیوں کو بند کیا اور ملک میں امن و امان قائم کر دیا۔

''اب ہمیں کیا کرنا چاہیے آپ لوگوں کی کیا رائے ہے''؟ سلطان نے اپنے وزراء و امراء سے دریافت کیا۔

''آپ پریشان نہ ہوں اعلیٰ حضرت قرآن کی قسم آپ کی طرف انگریز آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھ سکتے ہیں۔ اب کی انہوں نے اگر اس طرف کا رخ کیا تو ہم ان کا خاتمہ کر دیں گے'' غدار میر صادق نے کوئی مشورہ کرنے کے بجائے صرف سلطان کو احمق بنانے اور انگریزوں کے خطرے سے اس کو غافل رکھنے کی نیت سے پر مسخریت کلمات کہے۔

''ہاں سرکار انگریزوں کی کیا مجال ہے کہ پھر آئیں''۔ نمک حرام پورینا نے بھی سلطان کو بہانے کی غرض سے کہا۔

''میں آپ لوگوں سے شیخی کی باتوں کے بجائے کام کی باتیں سننا چاہتا ہوں''۔ سلطان نے اس بکواس سے بدمزہ ہو کر کہا۔

''حضور مناسب یہ ہو گا کہ انگریزوں سے صلح کے بعد جو ہمیں مہلت مل گئی ہے

اس سے پورا پورا فائدہ اٹھائیں اور ملک کو پھر سے طاقت ور بنایا جائے''۔ایک کمتر درجہ کے افسر نے کہا جو ملک کا وفادار تھا۔

''مہلت کا کیا سوال ہے ہمیں کون کھائے جا رہا ہے قسم قرآن کی انگریزوں کے دیدے نکال لوں گا''۔میر صادق نے پھر منافقانہ کلمات دہرائے۔

''یہ مہمل الفاظ ہیں میر صادق ہم سب کو مل کر جلد جلد اہم کام کرنے چاہئیں آپ فوجی بھرتی کا سلسلہ جاری رکھیں اور اسلحہ سازی کا کام بسرعت تمام مکمل کرلیں''۔سلطان نے میر صادق سے کہا۔ جب تک فوجی بھرتی کا کام اس غدار کے سپرد رہا وہ فوج میں ناکارہ ، بزدل اور ایسے لوگوں کو بھرتی کرتا رہا جو نکسیر پھوٹی دیکھ کر دہل اٹھتے تھے اسی لیے بھرتی کا اہم فریضہ چند روز میر حسین نے اپنے ذمہ لے لیا تھا اس سے میر صادق ، حسین علی پر خار کھانے لگا تھا۔

غرض سال بھر تک سلطان شہد کی مکھی کی طرح نہایت ضروری اور اہم کاموں میں پھنسا رہا اس دوران میں اس کی حسن تدبیر کی بدولت خزانہ پھر سے بھر گیا اور روپیہ آتے ہی اس نے انگریزوں کا قرضہ ادا کر دیا قرضہ ادا ہونے کے بعد حسب شرائط معاہدہ دونوں شہزادے جو انگریزوں کے پاس بطور ضمانت تھے واپس آ گئے اس سے سلطان کی مسرت کی انتہا نہ رہی اس خوشی میں بڑے اہتمام سے جشن منایا گیا

اس جشن کے انعقاد سے سلطان کو دار عیش دینا مقصود نہ تھا بلکہ وہ اپنے عمال افسروں اور رعایا کو یکجا کر کے اپنی زندگی کا نصب العین ان کے سامنے رکھنا چاہتا تھا۔ سب کو بتانا چاہتا تھا کہ اپنا وطن کتنی عزیز چیز ہے اور اس کی خاطر انسان کو کسی قربانی سے دریغ نہیں کرنا چاہیے۔ اس قربانی کی سب سے بڑی مثال اس نے خود پیش کی تھی انگریزوں کی دستبرد سے اپنے پیارے ملک وقوم کو بچانے کے لئے اس نے اپنے دولخت جگر کو جدا کر کے انگریزوں کے سپرد کر دیا تھا۔ اس تقریب میں ایک نظارہ سے سلطان بے حد متاثر ہوا سرنگا پٹم کی ہندو اور مسلمان عورتیں بھی جوق در جوق آئیں اور انہوں نے اپنے بھائیوں شوہروں اور بیٹوں کو ملک کی خدمت کے لئے پیش کیا۔

اس احمق مخلوق کو کس نے بلایا تھا۔ جہاں عورتیں ہوتی ہیں وہاں ہنگامہ ضرور ہوتا ہے''۔میر صادق نے عورتوں کو دیکھ کر ناک بھوں چڑھاتے ہوئے کہا۔ یہ شخص عورتوں کے ان جذبات وطن پرستی کو دیکھ کر جل اٹھا تھا۔

ONE URDU FORUM . COM
® SCANNED PDF By HAMEEDI

''یہ قوم کی عزت ہیں ہماری ماں بہنیں ہیں ان کی توقیر کرو میر صادق''۔سلطان نے کہا۔

غرض چند ہی ماہ میں قلعوں کی از سر نو تنظیم کی گئی جو قابل مرمت تھے ان کو درست کیا گیا۔جلد جلد اسلحہ بننے لگے اور فوجی بھرتی کا کام اور تیز کیا گیا۔ان تمام کثیر اخراجات کو پورا کرنے کے لئے بیکسوں کی بھرمار کر کے قوم کی کمر نہیں توڑی گئی تھی چونکہ سلطان خود نہایت محنتی جفاکش وطن پرست اور انتہائی ایماندار تھا اس لئے کسی کی مجال نہ تھی کہ روپے میں غبن کرے یا فنوت لے قطع نظر چند غداروں کے دوسرے افسر سلطان پر کامل اعتماد رکھتے تھے اس پر جان چھڑکتے تھے یہی وجہ تھی کہ سب ملک وقوم کا روپیہ بکمال دیانت وطن کی تعمیر میں لگا رہے تھے۔ جو قوم زندہ رہنا چاہتی ہے اسے ملکی سرمایہ کی حفاظت کرنی چاہیے نفع خور تاجروں اور بے ایمان افسروں کو مجمع عام میں پھانسی پر لٹکا دینا چاہیے۔

''بھائی صاحب بالیا کنانور سے بھاگ کر آ گئی ہے اسے کہاں رکھوں۔ میرا مطلب ہے کہ کہاں ٹھہراؤں اسے''۔حسین علی نے سلطان سے کہا۔

''ارے بھئی اپنے دل میں رکھو اس سے بہتر اس کے لئے اور کونسی جگہ نکل سکتی ہے''۔سلطان نے مسکرا کر جواب دیا۔

''دل میں تو اس وقت سوائے خدا اور ملک کی محبت کے اور کوئی مقیم نہیں ہے''۔ حسین نے کہا۔

''اس کا کیا حال ہے''؟ سلطان نے پوچھا۔

''اس کی بھی یہی کیفیت ہے میں نے کہا کہ چلو بھائی صاحب کے پاس چل کر ہمیشہ کے لئے ایک دوسرے کے ہو جائیں تو کہنے لگی کہ جب تک انگریزوں کو ملک سے نہ نکال دے گی شادی کا نام نہ لے گی''۔حسین نے کہا۔

''ایسی عورتوں پر ہمیشہ تاریخ ناز کرتی ہے مگر تم اسے سمجھاؤ مجھے وقت ملا تو میں بھی سمجھاؤں گا''۔سلطان نے کہا۔

غرض بالیا کو آرام وراحت کے ساتھ شاہی محل میں ٹھہرایا گیا مگر اس نے عیش وراحت میں دلچسپی لینے سے انکار کر دیا۔وہ اپنے محبوب اور ملک پر قربان ہونے کا تہیہ کر چکی تھی۔

''حضرت آپ کو یہ بھی علم ہے کہ ہمارے بہت سے افسر انگریزوں سے ملے ہوئے ہیں اور آپ کی فوجی کاروائیوں کا پورا نقشہ ان کے پاس بھیجتے رہتے ہیں۔ ''حسین

علی نے سلطان سے کہا۔

''ہاں حسین علی میں ان کی نمک حرامی سے بے خبر نہیں ہوں اب ایک میر قمر الدین کو لو۔ کتنے بھروسے کا آدمی تھا مگر اس نمک حرام نے بغیر مقابلہ کیے کورگ کا علاقہ انگریزوں کے حوالے کر دیا جس کی وجہ سے جنرل اسٹوارٹ بغیر کسی رکاوٹ کے بڑھتا ہوا آ رہا ہے''۔ سلطان نے کہا۔

''آپ ایسے لوگوں کو قتل کیوں نہیں کرتے''؟

''کئی غدار پھانسی کی سزا پا چکے ہیں کئی قید کرائے گئے ہیں مگر یہاں تو آوا کا آوا بگڑا ہوا ہے اب سرے سے سب کو سزا دیتا ہوں تو اندرون ملک انتشار پھیل جائے گا اس سے سر پر آتا ہوا دشمن پورا فائدہ اٹھائے گا''۔ سلطان نے کہا۔

''یہ بتائیے کہ اگر سرنگا پٹم پر حملہ ہوا تو کیا کریں گے ہماری فوج منتشر ہے مقامی فوج کی تنخواہیں روک کر غدار پورنیا نے اس کو بددل کر دیا ہے آپ نے پورنیا جیسے شخص کو جو اعلانیہ آپ کا بدخواہ اور رانیوں کا غلام ہے وزیر مالیت بنا کر ایک مصیبت پیدا کر لی''۔ حسین نے کہا۔

''تم مقامی فوج کو اس کی تنخواہ تقسیم کر دو۔ میں پورنیا کو ہدایت کر دوں گا کہ آئندہ وہ ماہ بہ ماہ ہر ایک کو بروقت تنخواہ دے دیا کرے''۔ سلطان نے کہا۔

''بہتر ہے۔ لیکن بھائی صاحب اپنے حالات نہایت تشویشناک ہوتے جا رہے ہیں آدھا ملک ہاتھ سے نکل گیا۔ فوج منتشر ہے خزانے میں معقول رقم نہیں ہے اور سب سے زیادہ یہ کہ آپ کے دست و بازو آپ سے منحرف ہو رہے ہیں اس صورت میں مناسب ہے کہ آپ سرنگا پٹم سے چپکے سے نکل بھاگیے اور کسی دوسری جگہ جا کر از سر نو اپنی قوت بڑھائیے جس طرح اعلیٰ حضرت حیدر علی نے اپنے زمانۂ ابتلا میں کیا تھا''۔ حسین علی نے کہا۔ اس کا مشورہ صائب تھا۔

''نہیں حسین میں دار السلطنت کو نہیں چھوڑ سکتا۔ اس سے میسور کی تاریخ میں میرا وقار گر جائے گا۔ عزت کے بجائے جان دینا اچھا ہے''۔ سلطان نے جواب دیا حسین علی آہ بھر کر خاموش ہو گیا۔

ONE URDU FORUM . COM
® SCANNED PDF By HAMEEDI

باب نمبر54

سلطان کو ملک اور رعایا کی جان و مال کی فکر علیحدہ کھائے جا رہی تھی اسے اپنی جان عزیز نہیں تھی بلکہ ملک کی عورتوں، اپنی بیویوں بیٹیوں بہوؤں بھانجیوں اور حرم سرا کی تمام خواتین کی آبرو کی بیحد فکر تھی۔ کیونکہ غیر مہذب انگریز چنگیزی لشکر سے کسی طرح کم نہ تھے۔ اس کے ساتھ ہی اس کو یہ تشویش بھی کھائے جا رہی تھی کہ اس کے بعد میسور میں مسلمانوں کی عظمت کا چراغ گل ہو جائے گا اسے دنیا سے محبت نہ تھی اسلام اسے زیادہ پیارا تھا جس کی حفاظت کا تہیہ وہ اپنی جان کی بازی لگا کر کر چکا تھا۔

دوسری طرف یکے بعد دیگرے اس کے جنرل انگریزوں کے ہاتھوں بکے جا رہے تھے ان کو خریدنے کے لئے ایسٹ انڈیا کمپنی نے تھیلیوں کا منہ کھول دیا تھا کیونکہ ان کو معلوم تھا کہ اگر وہ سلطان ٹیپو پر غالب آ گئے تو دکن میں ان کا تسلط کامل ہو جائے گا۔ نظام کو وہ پہلے ہی خرید چکے تھے۔ مرہٹے بھی ان کے ہاتھوں بکے ہوئے تھے۔ اب دکن میں لے دے کر وطن کا سپوت یہ نامور سلطان ہی رہ گیا جس کے نام سے انگریز کانپتے تھے لیکن افسوس اس کے افسروں کی نمک حرامی سے اس کے اقتدار کا خاتمہ کر دیا۔

انگریزوں کی فوج بغیر کسی مزاحمت کے سرنگا پٹم کی طرف بڑھ رہی تھی سلطان کے جنرل ان کی مزاحمت نہیں کر رہے تھے یہ سب کچھ پلان کے مطابق ہو رہا تھا ہاں جو سلطان کے شیدائی اور وطن پرست افسر تھے وہ اپنے چھوٹے چھوٹے دستوں کو لے کر انگریزوں کا سامنا کرتے تھے اس طرح انگریزوں کی فوج دار السلطنت سرنگا پٹم کے قریب آ پہنچی اور جنرل اسٹوارٹ کی فوج سے آملی اس کے بعد اس نے ان تمام مورچوں پر قبضہ کر لیا جن کو سلطان مدافعت کی غرض سے قلعہ کے شمالی رخ میں تعمیر کر رہا تھا۔

ان انگریزی افواج کے علاوہ انگریزی فوج کا ایک دوسرا حصہ جنرل ہاؤس کی سرکردگی میں اور آ گیا اور آتے ہی اس نے قلعہ کے عین مقابل جنوب مغرب میں ایک گنجان

باغ پر قبضہ کر کے مورچے جما لئے یہ گنجان باغ قلعہ کی فصیل اور دریا سے بالکل ہی نزدیک تھا فوجی نقطہ نظر سے اس پر قبضہ کے معنی یہ تھے کہ نصف قلعہ پر قبضہ ہو گیا کیونکہ یہاں سے فصیل اور قلعہ پر نہایت موثر گولہ باری ہو سکتی تھی یہ سب کچھ سلطان کے افسروں کی سازش کا نتیجہ تھا جس کا اعتراف جنرل میڈوز نے خود اپنی کتاب کے اندر بدیں الفاظ میں کیا ہے۔

''ہمیں محفوظ راستے سے لا کر رہبری کرتے ہوئے عین قلعہ کے سامنے جنوب مغرب کے گوشہ تک لانے والا میر قاسم علی تھا''

یہ غدار میر قاسم علی ایک زمانے میں سلطان کا معتمد آدمی تھا مگر کم بخت نے روپے کے لالچ میں آ کر ملک کا خون انگریزوں کے ہاتھوں کرا دیا۔ ہر غدار نے یہی کیا تھا۔ سلطان کی مہربانیوں عنائتوں اور اعتماد کا صلہ ان نمک حراموں نے یہ دیا کہ نہ صرف اسکا خاتمہ کرا دیا بلکہ جس شاخ پر خود بیٹھے ہوئے تھے اس کو بھی دشمنوں سے کٹوا دیا۔

اس طرح انگریزی فوجوں نے چوطرف سے سرنگا پٹم کو گھیرے میں لے لیا۔ مورچے جمائے اور قلعہ پر گولہ باری کرنے لگے اب سلطان کو یقین آ گیا کہ جن لوگوں کو وہ اپنا جاں نثار سمجھتا تھا وہ اس کی جان کے خواہاں تھے۔ غدار ہیں جن کو اس نے جاگیریں اور عطیات بخش کر عزت دی تھی، وہی اس کے وقار و عظمت کو خاک میں ملا رہے ہیں۔

''دیکھئے بھائی جان میں اسی دن کے لیے روتا تھا''۔ حسین علی نے چھوٹے بھائی کی طرح سلطان سے شکایتاً کہا سلطان مسکرایا اور بولا۔

''رہے بچے ہی۔ گھبرانے کی کیا بات ہے شکر ہے میرے بازوؤں میں بہت قوت ہے۔ ٹیپو کے خون کا آخری قطرہ تک خدا کے ملک کی حفاظت کرے گا''۔ اس کے بعد اس نے اپنے جان نثاروں کو طلب کیا اور ان کی طرف دیکھا، سب نے تلوار کے قبضہ پر ہاتھ رکھ کر قسم کھائی کہ مر جائیں گے مگر پیچھے نہیں ہٹیں گے اور ان جانثاروں نے یہ صحیح ثابت کر بتایا۔

آخر میں سلطان نے اپنی فرانسیسی سپاہ کو طلب کیا اور اپنے فرنچ جنرل موسیو سیپو سے مخاطب ہوا

''آپ دیکھ رہے ہیں کہ جن کو میں اپنا سمجھتا تھا انہوں نے میرے ساتھ کیسا دھوکا کیا ہے میرے ساتھ کیا اپنے دین کے ساتھ غداری کی ہے میں ان کی دغا بازی پر سخت متعجب ہوں آج مجھے معلوم ہوا کہ دنیا میں ایسے جانور صفت انسان بھی موجود ہیں جو آپ اپنے گھر میں آگ لگا کر خوش ہوتے ہیں خیر دشمن ہمارے سر پر آ پہنچا ہے اب آپ کی کیا رائے ہے''؟

''ہم نے آپ کا نمک کھایا ہے''۔ فرانسیسی سرداروں نے جواب دیا۔

''ہم آپ پر قربان ہو جائیں گے لیکن آپ کو گزند نہ پہنچنے دیں گے''۔

''موسیو سپیو آپ کا کیا خیال ہے''؟ سلطان نے کہا۔

''آقا ہم آپ کا اعتماد ہرگز مجروح نہیں ہونے دیں گے اور آپ کی حفاظت کے لئے کٹ مرنے کو تیار ہیں لیکن آپ کی زندگی ملک و قوم کے لیے بہت قیمتی ہے اس لئے تقاضہ وقت یہ ہے کہ آپ تمام نقد و جواہر اور بیگمات وغیرہ کو لے کر آدھی رات کو قلعہ معلّٰی سے باہر تشریف لے جائیں پھر چپکے سے صوبہ سرا جا جا پہنچیں وہاں حضرت والا کی کافی فوج ہے اس کو منظم فرمائیں ادھر ہم نمک خوارانِ قدیم قلعہ کی حفاظت میں اپنا خون بہا دیں گے لیکن انگریزوں کو اس میں قدم نہیں رکھنے دیں گے''۔ موسیو سپیو نے جواب دیا سلطان اپنے فرنچ افسروں کی وفاداری و جذبۂ جانثاری سے بہت خوش ہوا پھر بولا۔

''میرے عزیزو میں نے تم پردیسیوں کو تمہارے بادشاہ سے اس لئے نہیں مانگا تھا کہ میں تمہیں اپنی خاطر صدقہ کا بکرا بنا دوں میری غیرت تقاضا نہیں کرتی کہ تم جیسے جانثاروں کو دشمنوں کے رحم و کرم پر چھوڑ کر اپنی جان بچا لیجاؤں''۔

اس کے بعد صرف اتمام حجت کے طور پر میر صادق کی طرف متوجہ ہوا اور اس سے بولا۔

''تم کیوں چپ ہو میر صادق''؟

''حضرت والا فرانس والے اور انگریز دونوں یورپین قومیں ہیں اور ایک ہی ہیں اگر حضور نے پیٹھ موڑی تو آپ کی فرنچ سپاہ انگریزوں سے مل جائے گی اور ملک ہاتھ سے چلا جائے گا۔ قرآن کی قسم یہ لوگ قابل اعتماد نہیں۔ قسم ہے کلام پاک کی انگریز حضور کا بال بیکا نہیں کر سکتے''۔ غدار میر صادق نے حسب عادت ہرزہ سرائی کی۔

''پھر آخر کیا کرنا چاہیے''؟ سلطان نے میر صادق سے کہا۔

''میری رائے ناقص میں تو انگریز سے مساویانہ شرائط پر صلح کرنا بہتر ہے''۔ انگریزوں کے ایجنٹ میر صادق نے کہا۔

''کیا تمہارا خیال ہے کہ انگریز مساویانہ شرائط پر صلح کر لیں گے''۔ سلطان نے

ONE URDU FORUM . COM ® SCANNED PDF By HAMEEDI

ناول کیلئے ون اردو کے شکر گزار ہیں

طنزاً کہا میر صادق ذرا خاموش ہوا پھر بولا۔

''بات یہ ہے سرکار کہ انگریز اس وقت مشرقی ہندوستان کا بادشاہ ہے اس لئے ممکن ہے کہ وہ لوگ اپنی کمان چڑھی رکھنا پسند کریں''۔ انگریزوں کے غلام میر صادق نے انے آقائے ولی نعمت کی انگریزوں کے مقابلہ میں سبکی کرتے ہوئے کہا۔ سلطان تو ان الفاظ کو پی گیا مگر حسین علی کی آنکھوں میں خون اتر آیا چیخ کر میر صادق سے بولا۔

''انگریز محض بنئے ہیں۔ وہ ہندوستان میں فقط تجارت کی غرض سے آئے تھے مگر آپ ہی جیسے ایک میر جعفر نے ان کو بنگال کا حکمران بنا دیا اب آپ دکن میں اپنے پیشتر و میر جعفر کا مشن پورا کرنا چاہتے ہیں، ہم اپنے سلطان پر فدا ہو جائیں گے لیکن انگریزوں کے مقابلہ میں ان کی کسی طرح کمتری کے متحمل نہ ہوں گے''۔

''آپ تو ناحق چیختے ہیں میر حسین علی خانصاحب ابھی صلح کی بات چیت چھڑی بھی نہیں ہے کہ آپ کمتری و بہتری لے بیٹھے''۔ میر صادق نے کہا

''خیر میں انگریزوں کے صلح کے باب کے خیالات معلوم کرنے کی کوشش کروں گا مگر میر صادق تمہیں اپنے حلف نامہ کے الفاظ یاد ہیں''؟ سلطان نے میر صادق سے کہا۔

''جی ہاں سرکار لیجئے اپنے الفاظ سے یہ نمک خوار کیسے منحرف ہوسکتا ہے کلام اللہ کی قسم میں اپنے عہد نامے پر قائم ہوں''۔ میر صادق نے کہا اور دوسرے ہی روز چپکے سے انگریزی کیمپ میں خبر پہنچادی کہ سلطان صلحنامہ پیش کرنا چاہتا ہے اس لئے آپ صلح کی سخت سے سخت شرائط رکھیں۔

غرض سلطان نے ایک دو روز بعد صلح کی تحریک اٹھائی اس کا جواب انگریزوں کی طرف سے حسب ذیل شرائط پر مشتمل حاصل ہوا۔

۱۔ تمام فرانسیسی سپاہ اور افسروں کو برطرف کر کے انگریزوں کے حوالے کیا جائے۔

۲۔ سلطان کو انگریزوں کا باجگزار بن کر رہنا پڑے گا۔

۳۔ سواحل کے قریب والے تمام علاقہ جات انگریزوں کے حوالے کیا جائے۔

۴۔ سلطان کے بعد انگریز چاہیں تو تمام سلطنت خداداد پر قابض ہو جائیں گے۔

۵۔ سلطان باجگزاری کے ساتھ ساتھ ضرورت کے وقت اپنا خزانہ بھی انگریزوں کے حوالہ کرے گا۔

ان شرائط کو تسلیم کرنے کے لئے سلطان کو صرف چوبیس گھنٹے کی مہلت دی گئی

ONE URDU FORUM . COM
® SCANNED PDF By HAMEEDI

کہیں ٹیپو سلطان جیسا حریت پسند و غیور مسلمان ان ذلیل شرائط کو مان سکتا ہے۔ اس نے ان کو حقارت سے ٹھکرا دیا اور مرنے مارنے کی تیاریاں کرنے لگا۔ اور جواباً قلعہ سے انگریزوں پر گولے برسانے کا حکم دیا۔ مگر توپخانہ پر بھی انگریزوں کے ایجنٹ موجود تھے ان غداروں نے توپوں کے اندر گولے بھرنے کے بجائے روئی اور مٹی بھر کر توپیں چلائیں۔

''بھائی جان آپ کے دشمن آپ کو گزند پہنچانے کا تہیہ کئے ہوئے ہیں اس لئے جلد میری التجا پر زر و جواہر لے کر خفیہ طور پر قلعہ چتلارگ کی طرف روانہ ہو جائیں جب تک میں اور میرے رفقا زندہ ہیں انگریزوں کی مزاحمت کرتے رہیں گے حسین علی نے آکر سلطان سے کہا۔

''عزیز حسین علی تم میری محبت میں عجیب مشورے دے جاتے ہو اتفاق سے میرے چند معتمد رفقا کا بھی یہی کہنا ہے جو تم کہہ رہے ہو اچھا مال و زر صندوقوں میں بھرواؤ رات بیش بہا جواہرات اور سونا صندوقوں میں بھرا جانے لگا۔ لیکن غداروں کو فوراً خبر لگ گئی چنانچہ غدار بدرالزماں نے اپنے گرد گھنٹال میر صادق سے کہا کہ سلطان نکل بھاگنے کی تیاریاں کر رہا ہے۔

''اگر سلطان نکل گیا تو اپنی امیدوں پر پانی پھر جائے گا اس لئے کسی طرح اس کو روکنا چاہیے''۔ بدرالزماں نے میر صادق سے کہا۔

''تم اسے منع کرواور کہو کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ انگریزوں کو پتہ چل جائے اور تمام مال و زر راہ میں لٹ جائے میں کہوں گا تو اسے شبہ ہو جائے گا کہ بار بار میں ہی کیوں اس کے ہر خیال کی مخالفت کرتا ہوں''۔ میر صادق نے کہا۔

چنانچہ بدرالزمان اسی وقت سلطان کی خدمت میں حاضر ہوا اور دوسری ترکیب سے اس کو مشورہ دیتے ہوئے بولا۔

''حضور والا۔ اگر آپ تشریف لے گئے تو قلعہ میں جان نثاروں کی ہمتیں ٹوٹ جائیں گی اور ہماری قوت منتشر ہو جائے گی۔ اس کے علاوہ یہ حضور کے شایان شان بھی نہیں ہے''۔

سلطان نے بدرالزماں کے ان کلمات کو حیرت سے سنا اور صداقت پر شک گرفتہ ہو کر متجبانہ اسے دیکھنے لگا یہاں میر صادق کے اور بھی گرگے موجود تھے۔ انہوں نے بھی بدرالزماں کے الفاظ کی پرزور تائید کی اس سے سلطان کی حیرت اور بھی بڑھ گئی آخر اس نے ایک ٹھنڈا سانس لیا اور آسمان کی طرف نظر اٹھا کر بولا

''اچھا اگر مشیت ایزدی یہی ہے کہ میں نہ جاؤں تو نہیں جاؤں گا''۔ اور اس نے

جانے کا ارادہ فسخ کر دیا۔ شب کو اس نے بیگمات اور محل سرا کی دوسری معزز خواتین سے مشورہ کیا۔ سب نے بیک زبان ہو کر سلطان پر قربان ہونے کا عہد کیا۔

''مگر میں نہیں چاہتا کہ تم میں سے کسی پر آنچ آئے اس لئے تم سب قلعہ چتلارگ کی طرف چلی جاؤ''۔ سلطان نے خواتین سے کہا۔

''یہ شیوہ وفاداری نہیں بادشاہ سلامت ہم یہیں آپ پر مر مٹیں گی''۔ خواتین نے کہا۔

''کیا تم بھی سبیتا ان سب کی موئد ہو''؟ سلطان نے اپنے چہیتی بیوی سے دریافت کیا۔

''دل و جان سے شاہا''۔ سبیتا نے جواب دیا۔

''اور تم رانی بالیا؟ اس نے حسین کی محبوبہ رانی بالیا سے دریافت کیا۔

''میں تو فصیل قلعہ پر جا کر لڑوں گی حضور والا''۔ بالیا نے جواب دیا۔ خواتین کے جذبات وفاداری اور بلند حوصلوں کو دیکھ کر سلطان بہت خوش ہوا پھر مسکرا کر بالیا سے بولا

''لیکن رانی بالیا میرا بھائی حسین علی اب دائمی طور پر تمہارا ہو جانے کے لئے مضطرب ہے اس لئے میری دلی تمنا ہے کہ اس پر آشوب وقت میں تم دونوں کی خوشی اپنی آنکھوں سے دیکھ لوں''۔ بالیا تو شرما کر چپ ہو گئی مگر سبیتا جلدی سے بولی۔

''حضور ایسے پر حسرت کلمات اپنی زبان مبارک سے کیوں نکال رہے ہیں اطمینان رکھیئے میں ان دونوں کا نکاح پرسوں ہی پڑھوا دوں گی''۔

''ہمیں معلوم نہ تھا کہ محل قاضی کے فرائض تمہارے ذمہ ہیں'۔ سلطان مسکراتا ہوا چلا گیا۔

''مبارک ہو رانی بالیا پرسوں آپ کی مراد بر آئے گی''۔ بالیا کی سہیلیوں نے اسے چھیڑتے ہوئے کہا۔

''میری تو سب سے بڑی مراد یہ ہے کہ دشمنوں سے اپنے وطن کو پاک کر دوں''۔ بالیا نے جواب دیا۔

''اس میں ہم سب آپ کے ساتھ ہیں''۔ سب نے کہا

''میری بہنو! یہ اچھی طرح سن لینا۔ مردوں پر اگر خدانکردہ زوال آیا تو ہم ہندوستان کی جاہلانہ رسم کے مطابق ستی کی رسم ادا نہیں کریں گی بلکہ دختران اسلام کی مانند شمشیر بکف ہم بھی دشمنوں کا مقابلہ کرتے ہوئے شہید ہونا پسند کریں گی''۔ سلطان کی مسلمان بیگم نے کہا۔ اس کی سب نے پرزور تائید کی۔

ONE URDU FORUM . COM
® SCANNED PDF By HAMEEDI

باب نمبر55

دشمنوں کی سازشیں کامیاب ہو گئی تھیں۔ قلعہ کو چوطرف سے انگریزوں نے آگھیرا تھا اور عین فصیل کے سامنے مورچے لگا کر آپڑے تھے سلطان نے اپنی ناموس اور خود کو یہاں سے خفیہ طریقے سے نکالنا چاہا تو اس کے غدار وزیروں نے خیر خواہی کا منافقانہ جامہ اوڑھ کر اس کو غلط مشورے دیئے اور نکلنے سے باز رکھا ورنہ وہ بھی اپنے نامور باپ کی طرح ایک دفعہ دشمنوں کے نرغے سے نکل جاتا تو کہیں دور جا کر از سر نو اپنی قوت جمع کر کے دشمنوں کی قوت کو توڑ ڈالتا۔ لیکن اس کے نمک حرام مشیروں نے اسے کچھ نہ کرنے دیا۔ بلکہ پل پل کی خبریں انگریزوں کو پہنچاتے رہے۔

سلطان کی مدافعت اور گولہ باری کے ناکام ہونے کا راز یہی تھا کہ فوج کے بخشی وزیر اعظم میر صادق اور پورنیا کی زیر ہدایت انگریزوں کو قبل از وقت خبر دیتے تھے کہ آج اس فصیل پر سے گولہ باری ہو گی۔ فلاں فصیل پر سلطانی فوج کی تعداد اتنی ہے فلاں فلاں مورچے کمزور ہیں۔ انگریزان سے پورا پورا فائدہ اٹھا رہے تھے۔ ادھر سلطان حیران تھا۔ کہ اتنی تنظیم کے ساتھ دشمنوں پر گولیاں برسانے کے باوجود اس کا خاطر خواہ نتیجہ کیوں برآمد نہیں ہو رہا ہے۔

''یہ تو وہ سمجھ چکا تھا کہ اس کے خلاف سخت سازش ہو چکی ہے اور اسی کے افسر اس سے غداری کر رہے ہیں۔ اسی بنا پر ایک روز اس نے ان کو ملامت کرتے ہوئے غصہ سے کہا تھا کہ غداروں کا انجام ہمیشہ عبرتناک ہوتا ہے۔ میرے بعد تم لوگ بھی چاول کے ایک ایک دانے کو ترسو گے'' اس کے ان الفاظ کی صداقت جلد ثابت ہو گئی تھی۔

''حسین علی اور اسی قسم کے چند جانثار سلطان پر قربان ہو جانے کو ہر وقت تیار تھے۔ یہی غریب سب جگہ دوڑے دوڑے پھرتے تھے۔ ابھی اس مورچے پر ہیں ابھی دوسری جگہ جا پہنچے رات دن تنظیم اور کشاکش میں مصروف رہتے تھے۔ سلطان کا اعتماد میر قاسم علی پر سے بھی

اُٹھ گیا تھا مگر اس کی پُرانی چند خدمات کا خیال آتا تو دل صاف ہو جاتا تھا۔

''قاسم علی تم تھوڑی سی فوج لیکر رات کو جنگل کی طرف نکل جاؤ اور انگریزوں کے سامان رسد کی راہیں مسدود کر دو۔ سلطان نے قاسم علی سے کہا۔

''بہت خوب اعلیٰ حضرت اگر ان کم بختوں کو فاقوں میں مبتلا نہ کر دوں تو کہنا''۔ قاسم علی نے جواب دیا اور نکل گیا مگر اس شقی نے انگریزوں کی رسد روکنے کے بجائے سلطانی رسدان کو پہنچادی۔

بالیا کئی روز سے حسین علی کے لئے مضطرب تھی کیونکہ اس نے اپنے بے حد مصروف محبوب کی صورت عرصہ سے نہ دیکھی تھی۔ آخر سلطان کی بڑی بیگم کے پاس پہنچی ان سے وہ کافی بے تکلف ہوگئی تھی۔

''آؤ رانی بالیا آج کچھ افسردہ سی دکھائی دیتی ہو''؟ بیگم نے دریافت کیا۔

''یہ حسین تو ایسے غائب ہیں کہ ہم تو ان کی صورت کو ترس گئے''۔ بالیا نے کہا۔

''بڑا نالائق ہے کہ اپنی رانی کو بھولا جا رہا ہے میں حضرت سلطان سے اس کی شکایت کروں گی''۔ بیگم نے مسکرا کر کہا۔

''حضرت سلطان ہی تو ان کو شہ ہے کہ غائب ہو جاتے ہیں''۔ بالیا نے کہا۔

''اچھا اچھا سمجھی۔ اب تمہارا حسین سے جلد نکاح ہو جانا چاہیے۔ کل ہی لو۔ میں سلطان سے کہہ کر کہیں سے حسین علی کو پکڑوا بلاؤں گی اور انشاء اللہ کل تم بامراد ہو جاؤ گی''۔ بیگم نے کہا۔ بالیا کو دل میں بہت خوشی ہوئی۔

چنانچہ دوسرے روز بیگم نے سلطان سے درخواست کی کہ یہ جدال وقتال کا سلسلہ تو چلتا ہی رہے گا۔ کیونکہ یہ مسلمان کی زندگی ہے اس لئے اس کی وجہ سے بالیا اور حسین کی مسرتوں کا خون کیوں کیا جائے۔ سلطان نے بخوشی منظوری دے دی۔ لہٰذا تین مئی ۱۷۹۹ء یعنی سلطان کی شہادت کے صرف ایک دن پہلے حسین علی اور بالیا کا نکاح ہو گیا اس تقریب میں جشن وغیرہ بھی نہیں کیا گیا کیونکہ حال اس کی اجازت نہیں دیتا تھا۔

تین اور چار مئی کی درمیانی رات ان حسرت نصیب دولہا اور دلہن کے لیے پہلی اور آخری رات تھی۔ صبح غسل وغیرہ سے فارغ ہو کر حسین علی نے جسم پر ہتھیار آراستہ کئے اور اپنی ایک رات کی دلہن کو پیار سے بازوؤں میں لے کر بولا۔

''بالیا میں مورچے پر جا رہا ہوں آرزو تو یہ تھی کہ ہم تم گشت وخوش کی سرزمین سے

ONE URDU FORUM . COM
® SCANNED PDF By HAMEEDI

کہیں دور لمحات عیش بسر کرتے تمہارے حسن وشباب کا کیف مجھے دیوانہ بنا رہا ہے لیکن اس وقت جانِ حسین مجھے پیارا اسلام آواز دے رہا ہے محبوب وطن پکار رہا ہے اس پر سب کچھ قربان کر سکتا ہوں''۔

''حسین تم مجھے بزدل نہیں پاؤ گے بے شک تمہیں اپنی آنکھوں سے اوجھل پا کر دنیا مجھے تیرو تاریک نظر آنے لگتی ہے مگر میں اپنی محبت کی خاطر تمہیں ادائے فرض سے کبھی نہیں روکوں گی''۔ بہادر بالیا نے کہا۔

حسین علی نے اسے پیار کیا اور خون آشام مورچے کی طرف روانہ ہوا عین اس وقت نئی نویلی دلہن کے ماتھے سے نکل کر جھومر زمین پر گر پڑا۔ بالیا تڑپ اٹھی۔

''حسین''۔ اس نے دیوانہ وار باہر نکل کر اپنے شوہر کو آواز دی حسین مسکراتا ہوا واپس آ گیا۔ بالیا نے بے ساختہ اسے گلے سے لگا لیا۔

''میں واپس آ جاؤں گا میری جان گھبراؤ نہیں۔ شام تک تمہارے پاس آ جاؤں گا ہماری محبت کے لمحات موت بھی ہم سے نہیں چھین سکتی''۔ حسین نے اپنی دلہن کو پیار کر کے کہا

''آہ ایسے کلمات منہ سے نہ نکالو۔ موت کا نام نہ لو مجھے گود میں اندر لے چلو تھوڑی دیر میرے پاس بیٹھو پھر چلے جانا''۔ بالیا نے اسے اپنے بازوؤں میں کس لیا۔ آخر حسین علی اسے گود میں اٹھا کر اندر لایا اور قالین پر بٹھا دیا۔

''دیر ہو رہی ہے بالیا۔ آفتاب طلوع ہوا چاہتا ہے میرا مورچہ نہایت اہم ہے کیونکہ دشمنوں کا تمام زور اسی پر ہے اب اجازت دو''۔ حسین نے کہا۔ لیکن وہ اٹھ کر پھر بیتابانہ لپٹ گئی اب اس کی خوبصورت آنکھوں میں اشک بھر آئے۔ آخر بولی۔

''ابھی نہ جاؤ۔ تمہارے پیٹھ موڑتے ہی بڑی بری بدشگونی ہوئی ہے: ذرا ٹھہر کر چلے جانا''۔ حسین علی اسے خوش کرنے کے لئے ہنسا اور بولا۔

''شگون اور فال امرِ ربی کے مقابلہ میں کچھ حقیقت نہیں رکھتے میری پیاری دلہن اس لئے دل سے تمام خطرات نکال ڈالو اور مجھے ہنسی خوشی رخصت کرو شام ہوئی اور میں اپنی رانی کے پاس آیا۔

''اچھا اچھا۔ معاف کرنا حسین کہ میں تمہارا دل کمزور کر رہی ہوں اگر تم خدا نخواستہ کام آ گئے تو بھی میں تم سے جدا نہ ہوں گی بلکہ اسی وقت تم سے آملوں گی پھر ہم ابد کی

گہرائیوں میں ہمیشہ ہمیشہ گلیلیس کرتے رہیں گے''۔ بالیا نے کہا۔ حسین نے خوش ہو کر اسے گلے لگا لیا اور پیار کرتا ہوا بولا۔

''ہاں میری رانی۔ وہاں بھی میں تمہیں اپنی رانی کہوں گا۔ لیکن ممکن ہے کہ وہ دن ابھی دور ہو اس لئے یہاں بھی تمام عمر میرے دل پر تمہارا ہی راج رہے گا''۔ بالیا نے کوئی جواب نہ دیا خاموشی سے اس کے گلے لگی رہی ہچکیاں بڑھتی جا رہی تھیں۔

''اپنی حسین آنکھوں کے قیمتی گوہر ضائع نہ کرو، دیکھو تمہارے خوبصورت بال منتشر ہوئے جا رہے ہیں۔ جس سے تم حسین کو سوگوار نظر آنے لگی ہو''۔ حسین نے اسے ہنسانے کو ہنستے ہوئے کہا۔ مگر بالیا کے دل سے ہنسی نکل چکی تھی۔ شاید قدرت نے عورت کو بھی چھٹی حس عطا کی ہے جس سے وہ خطرات کی بُو سونگھ لیتی ہے۔

''خدا کے لیے میدانِ جنگ میں جاتے وقت ایسے کلمات زبان سے نہ نکالئے سوگوار ہوں میرے دشمن''۔ بالیا نے کہا۔

''خدا کے سپرد'' بالیا بمشکل گلوگیر آواز میں جواب دے سکی۔ حسین نے چلتے چلتے ایک دفعہ اور اسے بھینچ کر پیار کیا پھر ایک دم چھوڑ کر چلا گیا۔ بالیا دور تک اسے جاتا دیکھتی رہی۔ حسین علی نے مڑ کر نہیں دیکھا۔ مبادا پھر اس کا سینہ اپنی محبوب دلہن کی محبت سے بھر جائے۔ حسین علی کے اوجھل ہوتے ہی انتہائی ضبط کے باوجود بالیا کی خوبصورت آنکھوں سے اشکوں کی لڑیاں بہہ نکلیں کوئی اس کا دل مسوس کر کہہ رہا تھا کہ جانے والے کی تو نے پیٹھ دیکھی ہے اب دوبارہ اس کا منہ دیکھنا شاید ہی نصیب ہو۔

چار مئی ۱۷۹۹ء کی منحوس صبح کا نجس آفتاب کپکپاتا طلوع ہو رہا تھا۔ جیسے وہ چند صادق و مظلوم لوگوں کا خون دیکھنے سے خوف کھا رہا تھا۔ صبح ہوتے ہی نجومیوں نے سلطان کی خدمت میں آ کر عرض کیا کہ حضور آج کا دن آپ پر بھاری ہے اس لئے دان اور خیرات کیجئے سلطان ہنسا اور بولا۔

''میرا اعتماد دان خرافات پر نہیں ہے۔ تمام دن اللہ تعالیٰ کے بنائے ہوئے ہیں''۔

''پھر بھی عالم پناہ صدقہ ردِ بلا ہوتا ہے صدقہ ادا کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں''۔

ایک بوڑھے افسر نے سلطان سے کہا۔ چنانچہ اس نے ایک ہاتھی پر زربفت کی جھول اور سونے کی عماری رکھ کر صدقہ ادا کیا اور تمام فصیلوں اور مورچوں پر جا کر ان کا معائنہ کرنے لگا۔ جنوبی حصہ کا مورچہ ذرا فاصلہ پر تھا اور سب سے زیادہ خطرناک تھا کیونکہ انگریزوں کے

ناول کیلئے ون اردو کے شکر گزار ہیں

ONE URDU FORUM . COM
® SCANNED PDF By HAMEEDI

گولے اور گولیاں زیادہ ادھر ہی سے آ رہی تھیں سلطان وہاں تک نہیں پہنچا درمیان ہی سے پلٹ آیا کیونکہ غربی حصہ بھی اتنا ہی مخدوش تھا اور اسے سنبھالنا بھی ضروری تھا۔

میر صادق اور پورنیا سلطان کی نقل و حرکت کی ایک ایک اطلاع انگریزوں کو دے رہے تھے ادھر نمک حرام میر قاسم علی بھی چپکے سے انگریزی کیمپ میں جا پہنچا تھا اور انگریزوں کو قلعہ میں داخل ہونے کی راہیں بتا رہا تھا۔

دن کے نو بجے ہوں گے کتنا افسردہ منحوس دن معلوم ہو رہا تھا۔ سورج پوری آب و تاب سے چمک رہا تھا پھر بھی اس کی روشنی بجھی بجھی اور مضمحل سی تھی۔ جیسے گہن میں آ گیا ہو حسین علی کے مورچے پر یکبارگی انگریزوں نے کثیر تعداد لے کر حملہ کر دیا اور اس کوشش میں انہوں نے کچھ زمین جیت لی مگر حسین علی نے اپنے بچے کھچے آدمیوں کے ساتھ ایسا شدید جوابی حملہ کیا کہ انگریز حواس باختہ ہو گئے۔ قریب تھا کہ ان کے پیر اکھڑ جائیں کہ عین ہنگامہ میں ایک گولی حسین علی کی پشت پر لگی جس سے وہ درد کی سسکی بھرے بغیر تیورا کر گرا مگر بڑی ہمت سے کام لے کر اٹھ بیٹھا اور فصیل کے کنگرے سے ٹک کر پھر دشمن پر گولی چلانے لگا۔

حسین علی کا خون ضائع ہوتا جا رہا تھا اس کو ہلکے ہلکے چکر آ رہے تھے مگر وہ ڈٹا رہا شاید قدرت کو بھی یہ اعلیٰ انسانیت کا نمونہ پسند آ گیا تھا۔ چند منٹ بعد بالیا کی دشمن ایک گولی سنسناتی ہوئی آئی اور حسین علی کے سینے کے پار ہو کر اس کو اپنی ایک رات کی بیاہی دلہن سے ہمیشہ کے لئے جدا کر گئی۔

نوجوان و خوبرو بہادر حسین علی کی لاش جب پالکی میں ڈال کر سلطان کے پاس لائی گئی تو اپنے رضائی و فدائی بھائی کی میت دیکھ کر اس کے سینے سے ایک پر درد آہ نکل گئی۔ سلطان کی آنکھوں میں آج تک کسی نے کبھی نمی بھی نہیں دیکھی تھی، مگر اس وقت وہ بچشمِ گریاں حسین علی کی لاش کو دیکھ رہا تھا۔ اس حادثہ جانکاہ کی اطلاع جب بالیا کو ہوئی تو ایک بار نہایت شدت سے اس کے دل میں اینٹھن ہوئی جس نے اس کے نازک سینے میں آہن سے زیادہ مضبوط ایک انمٹ غم کی میخ ٹھونک دی جس سے اس کے اشک بند ہو گئے۔

شاید بالیا کو بوقت جدائی قدرت نے خود آگاہ کر دیا تھا کہ اس کے محبوب شوہر سے یہ اس کی آخری ملاقات ہے اس نے دیوانہ وار اپنے عروسی چھپر کھٹ کو دیکھا جو ایک فقط ایک ہی رات کے سہاگ سے اب تک مہک رہا تھا۔ حسین علی کے کپڑوں پر نظر ڈالی اس

کے بعد جیسے کسی نے اس کو آگاہ کیا ہو کہ تیری بہار میں خزاں آنی تھی آچکی۔اس لئے اب واویلا اور بین میں وقت ضائع نہ کر بلکہ اٹھ کر کوئی کام انجام دے۔

میرے سپرد سب سے اہم کام یہی ہے کہ میں بھی دین و دنیا کی حفاظت میں اپنے حسین علی سے جلد جاملوں اس نے بآواز بلند کہا۔ پھر سہاگ کا جوڑا اتار ڈالا ،سفید ساڑھی جسم سے لپٹی مانگ سے سیندور اور افشاں جھاڑی پھر بھی وہ اس کے عارض گلگلوں اور مدور ٹھوڑی پر چپکی رہ گئی اس کے بعد اس نے حسین علی کی بندوق اٹھائی اور محل سرا کا راستہ لیا جہاں پہلے ہی بیگمات اور سلطان کے رشتہ دار کنبے کی عفیف خواتین دشمن کو مارنے اور خود مرجانے کا عزم بالجزم کئے بیٹھی تھیں۔

باب نمبر56

حسین کی شہادت کا سلطان کو بڑا صدمہ تھا۔ مگر اس کی جان کو اور صد ہا تفکرات وخطرات لپٹے ہوئے تھے۔ انگریز کئی جگہ سے فصیلوں کو توڑ کر قلعہ میں داخل ہو چکے تھے جن کو آگے بڑھنے سے سلطان کی منتشر مگر جان نثار سپاہ روک رہی تھی ،اس طرح سلطان کو ہر ہر مورچے کا چکر لگاتے لگاتے ایک بج گیا اور زوال کا وقت آ گیا۔

شمال کی طرف والی ٹوٹی ہوئی فصیل کے قریب سلطان پہنچا تو چند جاں نثاروں نے بڑھ کر عرض کیا کہ حضور نے صبح سے کچھ نہیں کھایا ہے حکم ہو تو خاصہ یہیں حاضر کر دیا جائے سلطان بیٹھ گیا اور اس کے آگے خاصہ چن دیا گیا ابھی اس نے ایک لقمہ ہی منہ میں رکھا تھا اور دوسرا ہاتھ ہی میں تھا کہ چند سپاہی دوڑے ہوئے آئے اور اندوہگیں لہجہ میں بولے کہ جانباز سید غفار بھی اپنے شاہ پر نثار ہو گیا اس خبر بد کو سنتے ہی سلطان نے لقمہ رکھ دیا اور کلی کر کے اٹھ کھڑا ہوا۔

اس کے بعد اس نے اپنی شمشیر آبدار طلب کی اور دونالی بندوق اٹھا کر کندھے پر رکھی پھر چھوٹے دروازے سے باہر نکلا سید غفار کی شہادت کے باوجود اس کی وفادار سپاہ برابر انگریزوں کا مقابلہ کر رہی تھی۔ اس کی تاب غدار پورنیا کب لا سکتا تھا سپاہ کو مورچوں سے ہٹانے کی ترکیب چلنے کے سلسلہ میں اس نمک حرام نے سپاہیوں کے پاس حکم بھیجا کہ تنخواہ تقسیم ہو رہی ہے جلد آ کر لو ورنہ پھر ایک ماہ بعد ملے گی۔غریب سپاہیوں کو اپنے بال بچوں کے فاقوں کا خیال آیا چنانچہ مورچہ چھوڑ کر تنخواہ لینے پورنیا کے پاس چلے گئے ادھر میر صادق نے انگریزوں کو خبر دی کہ میدان خالی ہے چلے آؤ۔ چنانچہ انگریزی فوج فصیل پر چڑھ کر بآسانی قلعہ میں آ پہنچی۔

سلطان چھوٹے دروازے سے نکل کر اس وقت ایک چوک کے قریب تھا اس کی اطلاع بھی نمک حرام میر صادق نے جنرل بیٹرو کو کر دی وہ فوج لے کر اس طرف بڑھا ذرا وقفے

ONE URDU FORUM . COM
® SCANNED PDF By HAMEEDI

ناول کیلیئے ون اردو کے شکر گزار ہیں

کے بعد سلطان دہلی دروازے کی طرف پہنچا یہاں اس کا مقابلہ ایک طرف سے آئی ہوئی انگریزی فوج سے ہوگیا۔ سلطان کے باڈی گارڈ نے بڑھ کر پامردی سے انگریزوں کی یلغار کو روکا یہاں اس شدت کا معرکہ پڑا کہ بندوقیں بے کار ہوگئیں اور تیزی سے تلوار چلنے لگی۔

تین گھنٹے تک گھمسان کی لڑائی ہوتی رہی اگر پورنیا جنوبی مورچہ والی فوج کو نہ ہٹالیتا تو انگریزوں کی مجال نہ تھی کہ جم سکتے نتیجہ یہ ہوا کہ جنوب کی طرف سے بھی انگریزی فوج امنڈ آئی۔ سلطان گھرتا جارہا تھا اسلئے مصلحتاً پیچھے ہٹنا پڑا جب وہ شہر کے بڑے دروازے کے قریب پہنچا تو یہاں تیسری طرف سے آنے والی انگریزی فوج سے اس کا مقابلہ ہوگیا۔ اس کی ایک ایک نقل وحرکت کی خبر انگریزوں کو پہنچ رہی تھی اس طرح سلطان تین طرف سے نرغے میں آگیا۔

اس نازک موقع سے خوف کھا کر ایک افسر نے سلطان سے کہا کہ اب خود کو ظاہر کر کے حضور اپنے آپ کو انگریزوں کے حوالے کردیں۔ اس پر سلطان غضبناک ہوکر بولا۔

"بکتے ہو گیدڑ کی صد سالہ زندگی سے شیر کی ایک دن کی زندگی اچھی ہے"۔ یہ کہہ کر بہادر سلطان شمشیر بکف دشمنوں پر ٹوٹ پڑا اور اس کے جاں نثار بھی اس پر فدا ہونے لگے۔ یہاں بھی اس بلا کا رن پڑا کہ تمام قلعہ کانپ اٹھا ناگاہ ایک گولی سلطان کے گھوڑے کو لگی جس سے وہ گر گیا مگر سلطان سنبھل کر پاپیادہ جنگ کرنے لگا۔ اگر وہ اس وقت خود کو انگریزوں کے حوالہ کردیتا تو اس کی جان بچ سکتی تھی مگر آن اور سلطنت کا خاتمہ تھا اس کے علاوہ تاریخ اسے دوسرے نام سے پکارتی۔

سلطان کے فدائی باڈی گارڈ اور وفادار سپاہ اپنے بہادر آقا پر نثار ہوگئی میر صادق نے فوراً انگریزوں کو خبر پہنچادی تھی کہ سلطان اس وقت یہاں مصروف جنگ ہے لہٰذا تمام انگریزی سپاہ سمٹ کر اسی طرف آگئی تھی۔

جب دست بدست یہ خونریز جنگ ہورہی تھی تو سلطان اس میں سب سے بڑھ کر دادِ شجاعت دے رہا تھا تو عین اس حالت میں ایک گولی سلطان کے دل کے قریب لگی جس سے وہ زخمی ہوکر گر پڑا۔ تمام گیلری اور میدان دھوئیں اور لاشوں سے اٹا ہوا تھا دوپہر سے شام کے سات بج رہے تھے اس کے یہ معنی تھے کہ ایک لمحے کے لئے آرام کئے بغیر سلطان چھ سات گھنٹے تک مسلسل لڑتا رہا مئی کی دھوپ اور گرمی کا یہ عالم تھا کہ حدت سے انسانوں کی چربی پگھلی جارہی تھی۔ سلطان کا مارے پیاس کے برا حال تھا کئی بار اس نے چیخ چیخ کر پانی مانگا مگر حلق خشک تھا آواز تک نہ نکلی اس طرح یہ خاک پائے شہید بھی تشنہ لب شہید ہوا۔

ONE URDU FORUM . COM
® SCANNED PDF By HAMEEDI

زخمیوں اور مقتولین کی تعداد اتنی کثیر تھی کہ کسی کو خبر بھی نہیں ہوئی کہ سلطان کہاں گرا اور گرنے کے بعد اس پر کیا گزری۔ بارہ ہزار فدائی اپنے سلطان شہید پر فدا ہوچکے تھے اس وقت سلطان کی عمر اڑتالیس سال تھی کہ اس چراغ حریت اور اسلام کے سچے فدائی نے جام شہادت نوش کر کے حضرت امامؑ عالی مقام کے غلاموں کی صف میں جا کھڑے ہونے کا شرف حاصل کیا تھا۔

ہر طرف کشتیوں کے پشتے لگے ہوئے تھے۔ انگریز بھی لاتعداد مارے گئے تھے مغرب کا وقت گزر چکا تھا چوطرف رات کی سیاہی چھائی جارہی تھی۔ اور حریت نوازی کے اس درخشندہ ستارے کو اپنی آغوش میں چھپالیا تھا .....ٹیپو سلطان ایک عام سپاہی کی طرح دشمنوں سے لڑ رہا تھا اس لئے نہ تو انگریز سپاہی تمیز کرسکتے تھے نہ ان کے چند افسر کہ یہی سلطان ہے یہی وہ بطل حریت ہے جس نے سات سمندر پار والی اس تجارت پیشہ بعد کو حریص حکمرانی قوم کو ہندوستان سے نکالنے کے لئے اپنی جان کی بازی لگادی تھی۔

پہلے تو انگریزوں نے سلطان کو گرفتار ہونے والوں میں دیکھا مگر جلد انہیں خیال آگیا کہ اس جیسا بہادر تجیح و باغیرت انسان خود کو زندہ گرفتار نہیں ہونے دے سکتا تھا چنانچہ زخمیوں میں اس کو تلاش کیا۔ مشعل کی سرخ روشنی اس وقت خون کی طرح ہیبتناک نظر آرہی تھی۔ زخمیوں میں بھی وہ شیر نر نظر نہ آیا۔ آخر میں اس کی تلاش کشتگان کی لاشوں کے درمیان کی گئی لیکن دیر تک جستجو کرنے کے بعد بھی اس کی نعش کہیں نظر نہ آئی۔

تھوڑی دیر بعد آخر سلطان ہی کے کسی سپاہی کی ایک لاش پر نظر پڑی اس نے پہچان لیا اور اپنے آقا کو اس طرح عالم بے کسی کے ساتھ خاک وخون میں پڑا ہوا دیکھ کر اس کی لاش سے لپٹ گیا تمام انگریز افسر بھی دوڑ کر ادھر آپہنچے اور جھک کر اس خاک پاک کو خوف واحترام سے دیکھنے لگے سلطان شہید کے ہاتھ میں اب بھی تلوار تھی۔ اس کا جسم اب تک اس قدر گرم تھا کہ جیسے زندہ انسان کا ہوتا ہے حالانکہ اس کی پاک روح کو پرواز کیے ایک گھنٹہ ہوگیا تھا۔ اس کی آنکھیں بند تھیں اور چہرے پر موت کی گرانی کے بجائے بلا کا نور اور ابدی مسکراہٹ تھی، جیسے اس نے آج اپنی زندگی کے زبردست مقصد کو حاصل کرلیا ہو۔

آخر انگریزوں اور سلطان کے آدمیوں نے مل کر اس کی لاش کو ادب سے پالکی میں رکھا اور محل کی طرف روانہ ہوئے مگر محل کے صحن میں عجیب رقت خیز منظر نظر آیا ایک طرف کئی انگریزوں کی لاشیں پڑی تھیں دوسری طرف حسینان حرم کے عفیف مگر بیجان جسم اس

ناول کیلئے ون اردو کے شکر گزار ہیں

طرح پھیلے تھے گویا شاخِ گل سے گر کر روش پر پھول مرجھائے پڑے ہیں۔ یہ مریم صفت خواتین جن میں سلطان کی بیگمات کے علاوہ اس کے کنبے کی لڑکیاں اور دوسری عورتیں بھی شامل تھیں مردانہ وار اپنی جانوں پر کھیل گئیں مگر وحشی انگریزوں کو اپنے طاہر جسم کو چھونے تک نہ دیا۔

انگریز اس دبدنہ خیز سین کو دیکھ کر حیران رہ گیا چنانچہ کانسٹنس لکھتا ہے۔

''اس مقام پر بے شمار حسین عورتوں کی لاشیں بھی پڑی ہوئی تھیں جن کے قیمتی لباس اور وضع قطع۔

سے ہویدا ہوتا تھا کہ محل سرا کی بیگمات اور دیگر معزز خواتین ہیں''۔

حوروں کی ان سبک لاشوں میں ایک لڑکی تو اس قدر حسین تھی کہ موت بھی اس کے جمال کو نہ لوٹ سکی تھی اس نے سفید ساڑھی پہن رکھی تھی اس کے پیارے پیارے ہاتھوں میں مہندی لگی ہوئی تھی اور اس کی چاندسی پیشانی اور رخساروں پر افشاں لگی ہوئی تھی۔ یہ حسین بالیا کی لاش تھی جو دنیا میں تو فقط ایک ہی شب اپنے دولہا کے پاس گزار سکی تھی مگر چند ہی گھنٹے بعد اپنے محبوب سے دائمی واصل ہونے کو اس کے پاس جا پہنچی تھی بالیا کی حسین لاش کو دیکھ کر جان کنگ کو بھی دھوکا ہوا۔ وہ اسے کوئی برہمن لڑکی سمجھا چنانچہ لکھتا ہے۔

''خواتین کی ان لاشوں میں ایک بہت ہی خوبصورت برہمن لڑکی کی لاش بھی ملی تھی''۔

بندوقوں کی گولیوں سے ہلاک ہونے والی ان خواتین کی لاشوں کو دیکھ کر کئی انگریز مؤرخین کو مغالطہ ہوا ہے وہ سمجھے کہ سلطان نے عورتیں بھی فوج میں بھرتی کر رکھی تھیں اسی بنا پر کرنل کرک نے لکھا ہے۔

''سلطان نے معلوم ہوتا ہے کہ مردوں کے ساتھ ساتھ عورتوں کو بھی فوج میں بھرتی کیا تھا''۔

غرض ہر طرف مرجھائے ہوئے پھول بکھرے پڑے تھے۔

وحشی انگریزوں نے لوٹ مار قتل و غارت گری میں چنگیزیوں کی شقاوت کو بھی مات کر دیا تھا۔ انہوں نے شہر میں لوٹ مار اور خونریزی کا ایسا سلسلہ شروع کیا کہ مہذب انسانوں کی تاریخ ہمیشہ ان پر نفریں کرتی رہے گی۔ اس کے بعد جو خزانہ، شاہی محلات اور توشہ خانوں کو لوٹا گیا تو چور اور ڈاکو الاماں پکار اٹھے تھے۔

لاتعداد بیش بہا جواہرات اور موتی کے علاوہ اس قدر سونا انگریزوں کے ہاتھ لگا

ONE URDU FORUM . COM
® SCANNED PDF By HAMEEDI

کہ اس کا اور جواہرات کا وزن کرنے کے میدان میں کئی کئی ترازو کھڑے کئے گئے اس دولت بے قیاس کا شمار کرنا یا اسکے حصے کرنا ناممکن تھا اس لئے جواہرات اور سونے وغیرہ کی بے شمار ڈھریاں بنادی گئیں اور انعام میں انگریز سپاہیوں کو دی گئیں بعض مورخین کے نزدیک ایک ایک سپاہی کے حصے میں پندرہ پندرہ ہزار سے زیادہ روپیہ اور افسروں کے حصے میں فی افسر تقریباً چھ لاکھ روپیہ!

اس نقد وزر کے علاوہ نہایت قیمتی کمخواب کی چادریں علیحدہ تھیں جن میں بیش بہا موتیوں کی جھالریں لگی ہوئی تھیں کئی انگریز سپاہیوں نے ایسی چادریں بھی لوٹیں اور ایک بوتل شراب کے عوض کلال کے ہاتھ بیچ دیں بعد کو معلوم ہوا کہ ایک چادر تیس ہزار سے کم نہ تھی۔

صبح جو سلطان کی میت کو دفن کیا گیا ہے تو ایکا ایکی مطلع مکدر ہوا اور دیکھتے ہی دیکھتے دن شب کی سیاہی میں بدل گیا اس کے بعد بجلی کی وہ خیرہ چشم چمک اور بادل کی وہ زہرہ گداز گرج ہوئی کہ خدا کی پناہ، کہنے والوں کا کہنا ہے کہ سو سو سال پہلے تک اس قیامت کی گرج اور بجلی کا طوفان نہیں دیکھا تھا بجلی کے شرارے نہیں چھوٹ رہے تھے۔ وہ رسی کی طرح ناچتی نہیں پھر رہی تھی بلکہ سفید آگ کے مسلسل مینار تھے کہ سر پر کوندے پھر رہے تھے پھر گرج کا یہ عالم تھا کہ اس کے مقابلہ میں صد ہا توپوں کی آواز پٹاخے کی آواز سے زیادہ نہ تھی۔ یہ معلوم ہوتا تھا کہ ان قیامت آثار دھماکوں سے سیاہ آسمان شیشے کی طرح چکنا چور ہو کر ابھی آ گرا۔

یہ عناصر فطرت کا غیظ تھا۔ یہ قدرت کا عتاب تھا کیونکہ ایک مظلوم و صادق مسلمان کو شہید کر دیا گیا تھا۔ جو لاکھوں بندگان خدا کا کفیل اور اذیت رسیدہ انسانوں کا باپ تھا۔

انگریزوں کی اس فتح اور سلطان مظلوم کی شہادت سے ناپاک میر صادق پھولا نہ سمایا چنانچہ سلطان شہید کی تجہیز و تکفین کے ایک دو روز بعد وہ برے طمطراق سے گھوڑے پر سوار ہو کر انگریزوں کے کیمپ کی طرف روانہ ہوا تاکہ اپنی سیاہ کاریوں اور غداریوں کا انعام عظیم حاصل کرے جب وہ فصیل کی طرف سے گزرا تو ایک پٹھان بچے کی اس پر نظر پڑی لپک کر قریب آیا اور اس نے میر صادق کے گھوڑے کی جلدی سے باگ پکڑی پھر ایک لمحہ ضائع کئے بغیر اسے گھوڑے پر سے کھینچ کر زمین پر گرا دیا میر صادق نے غضبناک ہو کر خنجر نکالا کہ اس بے ادب کو بے ادبی کا مزا چکھائے مگر پٹھان بچے نے تلوار کھینچ کر جو ماری تو اس غدار کے دو ٹکڑے کر دیئے اور اس کی ناپاک لاش کو وہیں چھوڑ کر چل دیا

کہتے ہیں کہ نمک حرام میر صادق کی لاش کئی روز تک یہیں بے گور و کفن پڑی سڑتی

رہی کسی کو خبر نہ تھی کہ وہ قتل کر دیا گیا ہے۔ آخر چند روز بعد اسے وہیں دفنا دیا گیا اور آج بھی لوگ ادھر سے گزرتے ہیں تو بجائے فاتحہ کے اس کی نجس قبر پر تھوکتے ہیں پیشاب کرتے ہیں۔ کردن خویش آمدن پیش۔ آج بھی ملت میں غدار موجود ہیں جن کے متعلق علامہ اقبال کہتے ہیں

الاماں از روحِ جعفر الاماں　　الاماں از جعفرانِ ایں زماں

ان دونوں غداران اسلام و غداران وطن کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں

جعفر از بنگالؤ صادق از دکن　　ننگ آدم، ننگ دیں، ننگ وطن

ناقبول و ناامید و نامراد　　ملتے از کارِ شاں اندر فساد

☆.....☆.....☆

ONE URDU FORUM . COM
® SCANNED PDF By HAMEEDI